کانچ سی لڑکی
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
انجم انصار

جاڑے کی چاندنی میں ہر شے جیسے روشنی میں نہائی ہوئی سی تھی۔ وہ اپنے وسیع و عریض لان میں بیٹھی چاند کو یوں تکے جا رہی تھی...... جیسے یہ خوب صورت منظر وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہو۔ موسم میں خنکی رچی ہوئی تھی...... اور اول شب بارش ہونے کی وجہ سے پتوں سے موتی...... تیز ہوا کے ساتھ اس کو بھگوتے ہوئے جلترنگ سا بجا رہے تھے۔

''مینا اب اندر آ جاؤ...... اتنی دیر لان میں بیٹھو گی تو بیمار ہو جاؤ گی۔'' ماما نے اپنے کمرے کی کھڑکی میں آ کر اسے تیسرے مرتبہ آواز لگائی۔ اس نے مڑ کر دیکھا...... بارش کی بوندیں کھڑکی کے شیشے سے یوں پھسل رہی تھیں جیسے آنسو بہا رہی ہوں۔

''کیا بارش رویا کرتی ہے......'' یکبارگی اس نے سوچا۔ ''نہیں بارش تو ہنستی ہے...... اور اسی شہزادی کی طرح ہنستی ہے جس کے سینے پر موتی جڑا ہوتا ہے۔'' اپنی سوچ پر وہ خود ہی مسکرا دی۔

کپڑے جھاڑ کر جب وہ اندر جانے کے لیے اٹھی تو یکبارگی کانپ سی گئی...... اس کے گیلے کپڑوں نے تیز ہوا کے جھکڑ کو سہا تو اسے سردی کی شدت کا اندازہ ہوا...... جب وہ اندر اپنے کمرے میں پہنچی...... تو اس کے دانت بج رہے تھے۔

''بوا...... گرما گرم کافی میرے کمرے میں پہنچا دو۔'' اپنے کمرے کے انٹرکام سے وہ ملازمہ سے کہہ رہی تھی۔

''بیٹا، اس وقت، آدھی رات کو کافی پیو گی؟'' بوا جمائی لیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ہاں...... اسی وقت...... ایک کپ نہیں، ایک کیتل بھر کر۔'' اس نے جیسے حکم دیا۔

وہ ایسی ہی تھی اپنی مرضی کے تحت چلنے والی۔ گھر والوں نے تو عاجز آ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ ہی دیا تھا۔ مگر دادی اماں کا پکا خیال تھا۔ ''مینا کو بگاڑنے میں پورا ہاتھ ماں کے ساتھ ساتھ بادا کا بھی ہے۔''

''لڑکیاں کوئی ایسے اٹھائی جاتی ہیں کہ ان پر کوئی روک ٹوک ہی نہ ہو، درخت بھی ٹیڑھا میڑھا بڑھنے لگے تو مالی اس کی کاٹ چھانٹ کیا کرتا ہے کہ وہ سیدھا سیدھا بڑھے...... مگر یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔''

''اماں...... ابھی مینا بچی ہے، ناسمجھ ہے، اس پر کیسے سختی کروں؟'' سرفراز صاحب مسکرا کر ماں سے کہتے۔

''کوئی بچی وچی نہیں ہے، یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے مگر تم لوگوں نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا ہے۔ کوئی روکا ٹوکی ہے ہی نہیں۔ وہ جو دل چاہے کرے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ جب سسرال جائے گی تو پھر وہاں کی کڑوی کسیلی کیسے سہہ پائے گی۔''

''اماں...... میری بیٹی کوئی معمولی بیٹی نہیں ہے، ایک بہت بڑے صنعت کار کی بیٹی ہے...... سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئی ہے۔ میں کسی ایسے گھر میں اسے کیوں بیاہوں گا جہاں اسے کسی کا حکم سہنا پڑے۔'' ان کی تیوری چڑھ جاتی۔

''تو کیا ساری زندگی اسے اپنے گھر میں رکھ کر اس کے ناز نخرے اٹھاؤ گے؟'' اماں اپنی بات بیٹے کو سمجھانے کی پوری سعی کیا کرتی تھیں۔

''اماں...... میری بیٹی جہاں جائے گی...... اسکے سسرال کے لوگ اس کے نخرے اٹھا کر سرخرو ہوا کریں گے۔'' سرفراز صاحب کا لہجہ زعم بھرا ہوتا۔

چاہے کتنی ہی ترقی ہو جائے اور چاہے کسی کے پاس کتنا ہی پیسہ آ جائے، ابھی تک بہو کو صرف بہو ہی سمجھا جاتا ہے۔ بیٹی کے برابر کا درجہ تو دیا نہیں جاتا...... تم بات کر رہے ہو نخرے اٹھا کر سرخرو ہونے والوں کی......''

''اماں...... آپ دیکھتی جائیں میری مینا...... کے لیے چاہنے والے کیسے ہوں گے۔'' وہ بات کو ہنسی میں اڑا کر اٹھ جاتے مگر ان کی اماں کی بڑبڑاہٹیں رکنے کا نام نہیں لیا کرتی تھیں۔

☆☆☆

نہاں بالوں میں برش کر رہی تھی اور کتاب پر بھی نظر ڈال رہی تھی۔ آج اس کا انٹر کا آخری پرچا تھا۔ اپنا بیگ سرعت سے سیٹ کر کے اس نے بڑی سی چادر اوڑھی اور ماں کے پاس آ کر کہا۔

''ابو کہاں ہیں؟ ان سے کہیں ناں جلدی سے اپنی بائیک نکالیں اور مجھے امتحانی سینٹر چھوڑ آئیں۔''

''مگر تم نے تو کل کہا تھا کہ امتحان ختم ہو گئے۔'' ماں نے سر تھام کر کہا۔

''ہاں کہا تھا، آج کا پرچا تو آسان سا ہے کل تک کے پرچے مشکل تھے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں امتحان دینے ہی نہ جاؤں۔''

''مگر نہاں...... تمہارے ابو تو اپنے آفس نکل گئے۔'' ان کے لہجے میں پریشانی جیسے مزین ہو گئی۔

''مگر ابو تو نو بجے کے بعد جاتے ہیں آج آٹھ بجے سے پہلے کیوں چلے گئے؟'' نہاں کے لہجے میں حیرانی گھلی ہوئی تھی۔

''آج ٹرانسپورٹ کی ہڑتال بھی تو ہے۔''

''کیا کہا...... آج ہڑتال ہے؟'' پانی کا گھونٹ بھرتی نہاں کے منہ سے پانی باہر نکل گیا اور وہ سرعت سے باہر کی جانب لپکی۔

''ارے...... آج عبایا نہیں پہنا...... ایسے ہی چادر اوڑھ کر کیوں جا رہی ہو؟'' ماں کو اس وقت بھی امتحان سے زیادہ اس کا عبایا یاد تھا۔

''استری کرتے ہوئے جل گیا۔'' وہ بھاگتے ہوئے بولی۔

اب وہ اپنے گھر سے نکل کر باہر کی جانب بھاگ رہی تھی...... راہ چلتے لوگ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ راستے میں بھری ہوئی ٹیکسیوں تک کو اس نے ہاتھ دے ڈالا تھا...... مگر سب اپنی اپنی منزلوں کی جانب گامزن تھے۔ نہاں کی بڑی سی چادر اب سر سے اتر گئی تھی...... اس کے بال اس کے منہ پر آ رہے تھے مگر اس کی رفتار ایسی تھی کہ اگر وہ کہیں رک گئی تو نہ جانے کیا ہو جائے گا۔

ادھر گھر میں نہاں کی امی پریشان ہو کر اپنے شوہر کو فون کر کے یہ ساری پریشانی بتا رہی تھیں کہ کس طرح نہاں کو امتحانی سینٹر خود جانا پڑا ہے اور اسے شاید پیدل ہی جانا پڑے گا کہ

ٹرانسپورٹ کی تو آج ہڑتال ہے۔

مگر میں تو آفس پہنچ چکا ہوں...... یہاں سے اگر واپس بھی پلٹوں تو نہاں کو اس کے سینٹر وقت پر نہیں پہنچا سکتا۔

غلطی تو نہاں ہی کی ہے ناں...... کیا ضرورت تھی یہ کہنے کی کہ آج امتحان ختم ہو گیا...... میں تو یہی سمجھوں گی ناں کہ کل اس کے پیپرز ختم ہو گئے۔'' نسرین بیگم نے شکایتی لہجے میں میاں سے کہا۔

''میری بیٹی کی کوئی غلطی نہیں ہے، آپ کو اس کا ٹائم ٹیبل یاد ہونا چاہیے تھا...... ایک ہی ہماری بچی ہے...... آپ کو اس سے وابستہ ہر بات اچھی طرح سے معلوم ہونی چاہیے۔''

''ہاں یہ غلطی تو مجھ سے ہوگئی۔'' نسرین بیگم تاسف بھرے لہجے میں اعتراف کر رہی تھیں۔

☆☆☆

''ارے...... ارے...... یہ کس غلط سڑک پر تم نے گاڑی لے لی......'' ریحان نے ڈرائیور سے کہا۔

''سر میں نے شارٹ کٹ لیا ہے، آج آپ کو آفس میٹنگ میں جلدی بھی تو پہنچنا ہے، ہے ناں......؟''

''ٹھیک ہے، دیکھ کر نکالو...... ہڑتال کے باعث آج پیدل چلنے والوں کا رش کچھ زیادہ ہی نظر آ رہا ہے۔''

''گاڑی روکو...... گاڑی روکو۔'' حواس باختہ نہاں نے جب اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی...... تو صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے...... اس کا پیپر شروع ہونے میں۔ اسی لیے اب وہ ہر اس گاڑی کو ہاتھ دے رہی تھی، جس کا رخ اس کے امتحانی سینٹر کی جانب تھا۔ گاڑیاں تیزی سے گزر رہی تھیں۔ ریحان کے ڈرائیور نے بھی نہاں کو بے پروائی سے دیکھتے ہوئے گاڑی نکال لی تھی۔

''ارے رکو تو سہی...... بیچ سڑک پر کھڑی وہ لڑکی نہ جانے کیا کہہ رہی تھی۔'' ریحان اختر نے شاید اسے ہاتھ ہلاتے دیکھ لیا تھا۔

''آپ کو پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''تم پوچھو تو سہی...... ایک پریشان لڑکی کو اس طرح نظر انداز کرتے ہوئے سب گزر جائیں...... یہ کوئی اچھی بات نہیں۔''

ریحان کے لہجے میں سرزنش تھی ڈرائیور نے ریورس میں گاڑی لی اپنی جانب کا شیشہ اتار کر منہ باہر کر کے روکھے لہجے میں پوچھا۔

''کیا بات ہے، گاڑی کو ہاتھ کیوں دیا تھا؟''

''میرا پیپر ہے...... پرچا شروع ہونے میں صرف پانچ منٹ باقی ہیں ہڑتال کی وجہ سے ٹرانسپورٹ سڑک سے غائب ہے۔''

''کتنی دور ہے تمہارا سینٹر......؟'' ڈرائیور نے سوچا پتا نہیں...... اسے کہاں جانا ہو۔

''اسی روڈ کے آخر میں بائیں جانب کالج ہے وہیں پر...... آپ کو اپنی گاڑی کہیں موڑنی نہیں ہوگی۔''

''بٹھا لیں......'' ریحان جو پیچھے بیٹھا اس کی باتیں سن رہا تھا ڈرائیور سے بولا۔

نہاں نے ریحان کی بات سنتے ہی پیچھے کا دروازہ کھولا اور بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے بولی۔

''تیز چلاؤ...... اور دو منٹ میں مجھے سینٹر پہنچا دو۔'' ڈرائیور نے سرشار ہو کر گاڑی جہاز کی رفتار پر چلا دی۔ نہاں اپنی فائل پر جھکی ہوئی تھی۔ اسے یہ احساس تک نہیں تھا کہ اس کے برابر بیٹھا ریحان پرشوق نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کالج کی عمارت کے پاس گاڑی ایک جھٹکے سے رکی...... اور نہاں نے اپنی فائل لے کر عمارت کی جانب دوڑ لگا دی۔ جاتے سے نہ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور نہ ہی شکریے کے جملے ادا کیے۔ وہ تو کسی ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتے ہوئے عمارت کے اندر کہیں غائب ہو گئی تھی اور ریحان اس کا رومال ہاتھ میں لیے مستقل اسی جانب دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ غروب ہوئی تھی۔

''سر چلیں......'' ڈرائیور نے اسے یوں خاموش سا پا کر پوچھا۔

''ہاں، ہاں...... چلو ہمیں پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔''

''میں نے سوچا شاید ان صاحبہ کو پرچا ختم کرنے کے بعد گھر پہنچانا بھی ہمیں ہی ہو گا۔''

"پاگل ہوگئے ہو کیا تم۔" ریحان کی تیوری چڑھ گئی۔

"سر، آج ہڑتال ہے ناں؟" گلاب خان نے زیرلب مسکرا کر کہا کہ صاحب کی بلاوجہ کی ہمدردی کی اس عادت سے وہ بیزار تھا۔

☆☆☆

"مینا کیا آج کلاس نہیں لوگی؟" رمشا نے گھڑی دیکھ کر کیفے ٹیریا سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر واسع کا پیریڈ بڑی مشکلوں سے گزرتا ہے آج جانے کا موڈ نہیں ہے۔"

"ہم تو کلاس لینے جا رہے ہیں، تم یہاں اکیلی بیٹھ کر کیا کرو گی؟" شہلا نے بیگ سے برش نکال کر اپنے بالوں پر مارتے ہوئے کہا۔

"مینا آج ہم سب کو ٹریٹ دیں گی۔" شہزاد اپنے دوستوں کے ساتھ مینا کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کس خوشی میں؟" مینا نے پوچھا۔

"آج کی تمہاری ڈریسنگ اے ون ہے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

"کب نہیں ہوتی۔" مینا کا لہجہ خفگی لیے ہوئے تھا۔

"مگر آج تو آفت ہے قیامت ہے۔" اس نے اس کی بلیک کیپری پر سرخ شرٹ کو دیکھتے ہوئے لہک کر کہا۔

"جو بات تم مجھے بتا رہے ہو، وہ میں پہلے ہی سے جانتی ہوں۔" مینا مسکرائی اور پھر اپنے بیگ سے پانچ سو کا نوٹ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

"جو کھانا ہے......کھا لو مگر میری تعریف بغیر ٹپ لیے کرنا سیکھو۔" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔

"پاگل کہیں کی۔" اس کے جانے کے بعد سب سے بلند قہقہہ شہزاد کا ہی تھا۔

☆☆☆

"تمہارے امتحان ختم ہوگئے ناں؟ کل تو کوئی پیپر نہیں ہے۔" نسرین بیگم نہاں سے پوچھ رہی تھیں۔

"ہاں، امی......امتحان ختم......اب دل بھر کر سوؤں گی میں۔"

"ایسا تو نہیں کوئی آسان سا پیپر ابھی باقی ہو۔"

"نہیں امی......آج کا آخری تھا شکر ہے......ایک ڈرائیور نے لفٹ دے دی ورنہ تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔"

"تم نے کسی سے لفٹ لی تھی؟" ماں کا دل دہل سا گیا۔

"مجبوری تھی......ورنہ کیا کرتی۔"

"اگر کوئی ایسا ویسا ہوتا تو......؟" اس سوچ نے ہی ان کا چہرہ پیلا سا کر دیا تھا۔

"تو میں گاڑی سے باہر چھلانگ لگا دیتی۔" نہاں نے ماں کے گلے میں اپنی بانہیں حائل کرتے ہوئے کہا اور انہوں نے نہاں کو اپنے سینے سے یوں لگا لیا جیسے کوئی مرغی اپنے پروں میں اپنے بچے کو چھپا رہی ہو۔

☆☆☆

"اے ہے، یہ ہوا کیا ہے؟ ہاتھ میں پٹی کیوں بندھی ہوئی ہے؟" دادی نے مینا کے بازو پر چڑھی پٹی دیکھ کر پریشان سے لہجے میں پوچھا۔

"بس ایسے ہی۔" اس کے لہجے میں بے پروائی تھی۔

"بیٹا......! ابھی پٹی بندھوانے کا فیشن تو شروع نہیں ہوا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر طرف لڑکیاں پٹیاں باندھے مجھے بھی نظر آ جاتیں۔ بتاؤ تو سہی، کیسے لگی تمہارے یہ چوٹ۔" اب وہ اپنے تخت سے اٹھ کر مینا کے پاس کھڑی اس کا ہاتھ ہلا جلا کر دیکھ رہی تھیں۔

"بائک ریس میں......میں گر گئی تھی تو بس یہ ذرا سی چوٹ لگ گئی۔"

"اے لو......تم بائک کب سے چلانے لگیں......اتنی اچھی، اتنی مہنگی تو تمہاری گاڑی ہے تو پھر تم غریب، غربا کی طرح پھٹ پھٹی پر کیوں اتر آئیں۔"

"افوہ......آپ کی سمجھ میں تو بات ہی نہیں آتی ہے۔" مینا نے جھنجلا کر کہا۔

"یہی تو پوچھ رہی ہوں......کہ بائک چلانے کی ایسی افتاد کیا آ پڑی تھی۔"

"یونیورسٹی میں شرط لگی تھی، اس لیے چلا لی۔"

"مگر تمہیں تو بائک چلانی نہیں آتی؟"

"جبھی تو گر گئی۔"

"جو کام تمہیں آتا ہی نہیں تھا تو اس میں ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تاکہ ہر کام مجھے آجائے اور کوئی یہ نہ کہہ پائے کہ مینا کو یہ نہیں آتا۔"

"ایسے لوگوں کو پاگل کہا جاتا ہے۔" دادی کو غصہ ہی تو آگیا تھا۔

"پاگل تو میں ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"تم سے زیادہ تمہاری ماما اور پاپا پاگل ہیں جو تمہیں صحیح، غلط کا بتاتے ہی نہیں ہیں۔"

"دادی...... اگر وہ بتا بھی دیں تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"کیوں فائدہ نہیں ہوگا؟" دادی نے تیوری چڑھا کر ہنستی مسکراتی اپنی پوتی کو غصے سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اس لیے کہ جو انہیں صحیح نظر آتا ہے، وہ ہمارے لیے غلط ہو جاتا ہے اور جو غلط دکھائی دیتا ہے وہ ہمارے لیے پرفیکٹ ثابت ہوتا ہے تو پھر ماما، پاپا...... کیوں اس معاملے میں پریشان ہوں۔"

"نہیں میرا بچہ...... غلط، غلط ہی ہوتا ہے اور اس سے ہمیشہ نقصان ہوتا ہے جیسے تم بائک چلانا نہیں جانتی تھیں...... اس کے باوجود لوگوں کی دیکھا دیکھی تم نے بائک چلا کر غلط قدم اٹھایا اور اسی وجہ سے تمہارے بازو پر یہ چوٹ بھی لگ گئی اگر تم ایسا نہ کرتیں، تو کبھی نقصان نہیں اٹھاتیں۔"

"تو...... دادی...... تو۔ زندگی سے اگر اپنی خوشی اور تھرل کو نکال دیا جائے تو کچھ باقی نہیں بچتا اور یہ نقصان اور پریشانیاں تو ہر انسان کے پیچھے لپکا کرتی ہیں۔ میرے یہ چوٹ کسی دوسری وجہ سے بھی لگ سکتی تھی۔ اب جیسے میری اسپورٹس کار گیراج میں کھڑے ہی خراب ہوگئی۔ کہیں جائے بنا ہی اس کا ٹائر برسٹ ہوگیا۔" مینا کی تقریر جاری تھی مگر دادی بیزار ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ کوئی فائدہ نہیں...... اسے کچھ سمجھانے کا۔ ان کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔

☆☆☆

"نہاں بیٹا رزلٹ آنے کے بعد تم کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"امی...... میری سہیلیوں کا پورا گروپ بی بی اے کرنا چاہتا ہے، فائنانس میں۔"

"مگر وہ سب تو یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہ رہی ہیں......" نسرین بیگم نے بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں امی...... ہم سب اچھے نمبروں سے پاس ہوں گے تو کراچی یونیورسٹی میں بہ

آسانی داخلہ مل جائے گا۔"

"مگر بیٹا...... وہ تو مخلوط تعلیمی ادارہ ہے ناں؟"

"ہاں وہ تو ہے۔"

"تمہارے ابو کو پسند نہیں ہوگا کہ تم لڑکوں کے ساتھ پڑھو۔"

"تو پھر میں کسی گرلز کالج میں داخلہ لے لوں گی۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔"

"مگر امی...... میری سہیلیوں کا گروپ جو اسکول کے زمانے سے ہے، وہ تو چھوٹ جائے گا۔"

"تو کیا ہوا، نئی سہیلیاں بن جائیں گی۔" ماں نے حوصلہ دیا تو وہ مسکرا دی مگر اس کی مسکراہٹ کتنی پھیکی سی تھی یہ اس کی ماں بخوبی جان گئی تھی۔

☆☆☆

ریحان ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ایک اچھی پوسٹ پر کام کرتا تھا۔ اس کمپنی میں بہت سی لڑکیاں کام کرتی تھیں جو اپنی ذہانت اور خوب صورتی میں بھی یکتا تھیں مگر ریحان نے کبھی ان کے بارے میں ایسا نہیں سوچا تھا۔ جیسا وہ کئی دنوں سے اس بے پرواسی لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو گاڑی میں اس کے برابر بیٹھی ضرور تھی مگر اس نے ایک بار بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ریشمی، دراز بال...... اڑ، اڑ کر اس پر آرہے تھے مگر وہ بے نیازی اپنی فائل پر جھکی ہوئی تھی۔ گاری سے اترتے سمے اس کا آنچل اس کی گھڑی سے اٹکا تھا مگر اس نے اس پر نظر ڈالے بغیر زور سے کھینچ لیا تھا اور ان بھاگتے دوڑتے لمحات میں اس کا گلابی رومال وہیں سیٹ پر رہ گیا تھا جو ریحان نے بلا سوچے اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

"پتا نہیں کون تھی وہ؟ کیوں ٹکرائی تھی مجھ سے۔" یہ سوال وہ کئی بار اپنے آپ سے پوچھ چکا تھا مگر کوئی جواب...... نہیں ملا تھا۔ اپنے آفس جاتے ہوئے از خود...... اس نے ڈرائیور سے وہی شارٹ کٹ اختیار کرنے کو کہا تھا مگر اس سڑک پر وہ اسے دوبارہ نظر نہیں آئی تھی۔" پتا نہیں اب ہڑتال کب ہوگی؟" اسے اپنی اس سوچ پر خود ہی ہنسی آگئی تھی۔

☆☆☆

بیٹوں کی بات سن کر سرفراز صاحب بے اختیار ہنس دیے۔

''آپ ہنس رہے ہیں پاپا......'' شاہد نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''میں تو سمجھ رہا تھا...... آپ مینا کو زبردست سی ڈانٹ پلائیں گے۔'' دانش نے بھی اپنے بڑے بھائی کی وکالت کی۔

''حیرت ہے تم لوگ مڈل کلاس ذہنیت کا شکار کیوں ہو گئے ہو؟''

''پاپا یہ اچھی بات نہیں ہے، ہماری بہن لڑکوں کے ساتھ گھومے پھرے۔'' شاہد کے لہجے کی آنچ خاصی تیز تھی۔

''اپنے یونیورسٹی فیلوز کے ساتھ گھومنا پھرنا کوئی بری بات نہیں...... اس کی پڑھائی کے ساتھی اتنا تو حق رکھتے ہیں ناں کہ اس کے ساتھ جا کر کہیں چائے یا کافی پی لیں۔''

''مگر میں جانتا ہوں شہزاد کو اچھی طرح...... اس کا بڑا بھائی بہزاد بھی لفنگا تھا اور یہ بھی ہے اور ان بدقماش لڑکوں کا ہماری بہن پر سایہ بھی نہیں پڑنا چاہیے۔''

''میں مینا کو اچھی طرح جانتا ہوں، وہ ایسی لڑکی نہیں ہے جو کسی کو بھی ضرورت سے زیادہ لفٹ کرائے۔ اس لیے تم دونوں کو خوامخواہ پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔''

''پاپا...... آپ شہزاد کو نہیں جانتے کہ وہ کیسا لڑکا ہے؟''

''کیسا لڑکا ہے؟'' سرفراز صاحب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔

''وہ اور اس کے تمام دوست بدنام زمانہ ہیں...... خاص طور پر اس کے نئے دوست منور نے تو اسے بہت بگاڑ دیا ہے۔''

''اور آج منور نے ہی میرے زناٹے دار تھپڑ کا مزہ چکھ لیا ہے۔'' مینا گھر میں داخل ہوئی تو جملہ مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''منور سے تمہارا آمنا سامنا کیسے ہوا؟'' بڑا بھائی پریشان سے لہجے میں بولا۔

''وہ شہزاد کے پاس یونیورسٹی آیا تھا اور لڑکیوں کی موجودگی میں شہزاد کو غلیظ جوک سنا رہا تھا، میں نے اس کے منہ پر ایسا تھپڑ مارا کہ وہ منہ سہلاتا سیدھا نکل گیا۔''

''تم اٹھ کر چلی جاتیں...... تمہیں کیا ضرورت پڑی تھی کسی لڑکے پر ہاتھ اٹھانے کی۔'' بھائی نے کہا۔

''آئندہ اس کی ہمت تو نہیں پڑے گی،، وہ کچھ بولنے سے پہلے آس پاس نظر تو ڈالے گا ناں...... بھیا یہ خوراک تو اس کے لیے ضروری تھی۔'' مینا نے زعم بھرے لہجے میں کہا۔

تب سرفراز صاحب نے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔

''میری بیٹی نے بالکل صحیح کیا۔'' اور ہنس دیے۔ ''ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، شاباش مینا شاباش۔'' وہ بار بار یہی کہہ رہے تھے۔

''پاپا...... میں نے سوچ لیا ہے آئندہ تو اس کے جوتا کھینچ کر ماروں گی۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کے منہ لگنے کی۔'' شاہد کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''ساتھ پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہر جگہ ان کے ساتھ گھوما پھرا بھی جائے ...لڑکیوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔'' دانش بہن سے کہہ رہا تھا اور مینا ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتی اپنے پاپا کی باتوں میں محو تھی...... جو وہ کسی کو سبق سکھانے کے حوالے سے سنا رہے تھے اور مینا تائید میں سر ہلا رہی تھی اور دونوں بھائی تاسف بھری نگاہوں سے اپنی بہن کو دیکھ رہے تھے اور ان کے دکھ نے دل کو بھاری سا کر دیا تھا۔

☆☆☆

دل سے ایک انجانے سے دکھ کا بوجھ خود ہی ہلکا ہو گیا۔ یکبارگی تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ اسے یوں دوبارہ دکھائی دے گی۔

''شاید یہ وہی ہے...... نہیں...... وہ یہ تو نہیں، اس کے لب کے اوپر ایک چھوٹا سا تل تھا اور اس کے بھی ہے...... ہاں، ہاں یہ وہی ہے۔'' ریحان اس وقت ایک لیڈیز بوتیک میں تھا اور اپنی ماں کے شال دیکھ رہا تھا۔ تب اسے عبایا اور حجاب پہنے وہی لڑکی نظر آئی۔ وہ شاید اپنے لیے اسکارف پسند کر رہی تھی۔

''امی، میں یہ دو اسکارف لے لوں؟'' اس نے قریب کھڑی اپنی ماں سے کہا۔

''بالکل وہی آواز...... سو فیصد وہی لڑکی ہے۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا۔

''نہاں تم اپنے لیے اسکارف دیکھو...... میں اپنے لیے اتنے شال دیکھتی ہوں کوئی۔'' ماں دوسرے کاؤنٹر پر جاتے ہوئے بولیں۔ ریحان...... اب اسکارف کے کاؤنٹر پر پہنچ گیا تھا...... وہ گلابی اور میرون اسکارف لینے میں تذبذب کا شکار تھی...... اس کے ساتھ وہ دیگر اسکارف بھی دیکھ رہی تھی۔

''آپ کا پیپر کیسا ہوا تھا؟'' وہ اس کے بالکل قریب پہنچ کر بولا۔ لہجہ بہت دھیما تھا مگر نہاں اچھل ہی تو پڑی اور اس کو دیکھتے ہوئے بے اعتنائی سے بولی۔

''آپ سے مطلب...... آپ ہوتے کون ہیں یہ پوچھنے والے؟''

''آپ کو سینٹر تک گاڑی میں لفٹ دی تھی۔ آپ پریشان سی تھیں ناں تو بس۔''

''اوہ...... وہ آپ کی گاڑی تھی۔'' اس کے لہجے کی تلخی نرمی میں گھل گئی۔

''جی ہاں۔''

''شکریہ......'' وہ نظریں نیچی کیے کیے بولی۔

''اور آپ کا پرچہ کیسا ہوا؟''

''ٹھیک......'' اس سے مختصر جواب کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا تھا۔ ریحان کا دل چاہا کہ وہ اس سے مزید باتیں پوچھے اور اسے بتائے کہ اس کا نام نہاں بے حد خوب صورت ہے مگر وہ تو کچھ کہے بغیر اپنی ماں کے پاس چلی گئی اور پھر وہ فوراً ہی بوتیک سے باہر جا رہی تھیں، نہ نہاں نے اپنے لیے اسکارف لیے تھے اور نہ ہی اس کی ماں نے اپنے لیے شال۔

''میں نے ناحق اس سے بات کی، اس نے اپنے پسند کیے ہوئے اسکارف تک نہیں لیے۔'' اور پھر ماں کے لیے شال لینے کے بعد وہ ڈھیر سارے اسکارف خریدتا چلا گیا۔ جس جس اسکارف کو نہاں نے اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا تھا۔ وہ سارے کے سارے اسکارف ریحان نے خرید لیے تھے۔

☆☆☆

''وہ سائیکی بھی ہے اور پاگل بھی...... سچ کہہ رہا ہوں یار...... وہ لڑکوں پر تو کیا کئی بار لڑکیوں پر ہاتھ اٹھا چکی ہے اس لیے اس پگلی کی بات کا کیا برا ماننا۔'' شہزاد اپنے دوست منور کو سمجھا رہا تھا۔

''اگر وہ ایسی ہی پاگل ہے تو تم لوگ اس کے ساتھ کیوں گھومتے پھرتے ہو۔'' منور نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''وہ ایک بہت بڑے صنعت کار کی بیٹی ہے یار...... دوستوں پر پیسہ لٹانے والی۔ کنجوسی تو اس میں دور دور تک نہیں ہے۔ تو ہم اپنے خیال رکھنے والی کو کس طرح ناراض کر سکتے ہیں۔''

''تو صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم اس کے چمچے ہو۔''

اب تو کچھ بھی کہہ مگر ہم اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہماری پارٹیز کی رونق اسی کے دم سے

تو ہے۔ مینا کی وجہ سے ہی اس کی ڈھیر ساری سہیلیاں ہماری پارٹی میں آجاتی ہیں۔ مینا ہی کی وجہ سے ہمیں مہنگے مہنگے پرفیومز، برانڈڈ شرٹس ملتی ہیں۔ وہ تو ادھار دے کر بھی واپس نہیں مانگتی۔'' شہزاد نے قہقہہ لگایا تو منور کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی۔

☆☆☆

دادی کو اپنی پوتی مینا سے محبت بھی تھی اور اس کا خیال بھی بہت زیادہ تھا۔ جب ہی تو وہ کسی کی شادی میں سے شرکت کر کے واپس آئیں تو اپنے بیٹے سرفراز سے کہنے لگیں۔

''تمہاری اکلوتی بیٹی ہے، اس کی شادی تک کی تمہیں فکر نہیں ہے۔''

''اماں...... ابھی میں اپنی بچی کو اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتا۔ آپ تو جانتی ہیں نا کہ مینا میری جان ہے، میں تو ابھی یہ سوچنا بھی نہیں چاہتا کہ اس کی شادی ہوگی اور وہ مجھے چھوڑ کر کسی دوسرے کے گھر چلی جائے گی اور مینا بھی میرے بغیر کہاں رہ سکتی ہے۔''

''اب تم اسکے ساتھ رخصت ہو کر اس کی سسرال میں تو جانے سے رہے کہ لاڈ کرنے والے باوا ساتھ آئے ہیں۔'' بیٹے کی بات سن کر انہیں غصہ ہی تو آگیا تھا۔

''میری بیٹی کانچ سی نازک ہے، آپ اس کو نہیں جانتیں...... ذرا سی بات پر کتنی ہرٹ ہو جاتی ہے وہ۔''

''ہر لڑکی ہی کانچ سی ہوتی ہے مگر وقت پڑنے پر فولاد بن جاتی ہے اور میری مینا تو بڑی مضبوط لڑکی ثابت ہوگی۔'' وہ محبت بھرے لہجے میں کہتیں۔

''وحید صاحب ہمارے گھر مینا کے سلسلے میں آنا چاہ رہے تھے اور میں ہی آنا کانی کر رہا تھا آپ کہتی ہیں تو میں ان سے کہہ دوں گا کہ اپنی فیملی کو ہمارے ہاں بھیج دیجیے۔''

ایک شام سرفراز صاحب نے ماں کے روز، روز کے نصیحتے سن کر ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا اور دادی کے چہرے پر بہار سی آگئی۔

''کون ہمارے ہاں آرہا ہے؟'' مینا سر پر پٹی باندھے باپ کے سامنے چلی آئی۔

''کیا ہوا میری مینا کو؟'' سرفراز صاحب بیٹی کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر تڑپ ہی تو اٹھے۔

''بس سر میں درد ہو رہا ہے۔'' مینا باپ کے برابر صوفے پر آکر بیٹھتے ہوئے بولی۔

غیرارادی طور پر انہوں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا پھر رخسار کو چھوا تو وہ بری طرح تپ رہی تھی۔

"مینا بیٹا......تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔" وہ یکدم پریشان ہو گئے۔

"پاپا شاور لینے سے پہلے تو میں بالکل ٹھیک تھی بس سر میں درد تھا......بوا نے کہا......نہالو......طبیعت ہلکی ہو جائے گی مگر میری تو مزید بھاری ہو گئی۔"

"بوا جی......" سرفراز صاحب بری طرح دہاڑ اٹھے۔ بوا توے پر جلتی روٹی چھوڑ کر بھاگی چلی آئیں......ان کے غصے سے تمام ملازمین کانپا کرتے تھے۔

"آپ جانتی ہیں کہ مینا کمزور لڑکی ہے پھر بھی آپ نے اس موسم میں اسے نہانے کو کہہ دیا۔"

"صاحب چھوٹی بی بی کے بالوں پر تیل لگایا تھا تو اس لیے کہا تھا۔" وہ لرزتے لہجے میں بولیں۔

"اگر مینا کا بخار تیز ہو گیا تو......؟"

"کیوں ہو گا تیز......ڈاکٹر کو فون کر دو......وہ آ کر دوا دے دے گا۔" دادی نے بیٹے کو سمجھایا۔

"اماں......اس سیزن میں مینا کو پہلے ہی دو بار بخار ہو چکا ہے۔ اب بار بار بخار چڑھے گا تو وہ کمزور ہو جائے گی۔ پہلے ہی وہ دھان پان سی تو ہے۔" سرفراز صاحب کے لہجے میں جیسے پریشانیاں سی گھلی ہوئی تھیں۔

"آپ کو اپنی جانب سے خود فیصلے کرنے کی ضرورت نہیں ہیں......خاص طور پر مینا کے معاملے میں۔" سرفراز صاحب کا لہجہ ہنوز کٹھور تھا۔

"تم جاؤ......باورچی خانے میں۔" دادی نے بیٹے کی نظر بچا کر بوا سے کہا جو نیچی نظریں کیے سراسیمہ سی کھڑی تھیں۔

ڈاکٹر آ کر دوا دے کر......تسلی بھی دے گیا تھا......مگر سرفراز صاحب بیٹی کے کمرے میں یوں گھوم رہے تھے جیسے وہ کسی اسپتال کے آئی سی یو میں ہوں۔

☆☆☆

جس کے بارے میں وہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا، اپنے آپ کو خود......سمجھا رہا تھا کہ یہ غلط بات ہے۔ راہ چلتی کسی لڑکی کے بارے میں اتنا نہیں سوچنا چاہیے اور اسے پھر وہ نظر آ گئی کہ اس کے سارے ارادے ریت کی طرح بکھر گئے۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ سڑک تیزی

سے پار کر رہی تھی۔ ڈرائیور نے بریک لگا کر گاڑی روکی۔

"نظر نہیں آتا کیا؟" ڈرائیور شیشے سے منہ نکال کر چلا رہا تھا۔ پیچھے کی سیٹ پر اخبار کی ورق گردانی کرتے ریحان نے دیکھا......یہ تو وہی لڑکی تھی جس نے اسے پریشان سا کر رکھا تھا۔

"نظر تو تمہیں نہیں آتا......جو زیبرا کراسنگ پر جہاز کی طرح گاڑی اڑاتے جا رہے ہو۔" وہ ڈرائیور سے قدرے بلند آواز میں مگر تلخ لہجے میں بولی۔

"گلاب خان......غلطی تمہاری ہے......" ریحان نے ڈرائیور سے کہا۔ نہال نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر اپنی ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ اگر برا نہ مانیں تو ہم آپ کو گھر تک چھوڑ دیں۔" ریحان نے اس کی ماں سے مخاطب ہو کر کہا مگر نظریں اسی پر تھیں۔

"جی نہیں......" "ہمیں، کسی کی گاڑی میں بیٹھنے کا شوق نہیں ہے۔" لہجے میں بیزاری تھی۔ "چلیں امی......" وہ سڑک کراس کرتے ہوئے آگے نکل گئیں اور ریحان اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

☆☆☆

نہ ان کے قہقہے رک رہے تھے......اور نہ ہی ان کی باتیں......دادی جان، وحید صاحب کی بیگم اور ان کی بیٹیوں کے مسلسل گن گا رہی تھیں۔

"بہت اچھی خاتون ہیں، سیدھی سادی سی اور محبت کرنے والی۔ مجھے اپنی پوتی کے لیے ایسا ہی سسرال چاہیے، ان کا بیٹا بھی اچھا ہے......اس کی اپنی الگ فیکٹری بھی ہے۔ میری پیسے والی پوتی کو پیسوں والوں کے ہاں ہی جانا چاہیے۔"

"مگر مجھے مسز وحید بالکل پسند نہیں آئیں......ذرا بھی متاثر کن پرسنالٹی نہیں ہے ان کی۔" مینا نے کہا۔

"اے ہے کیا خرابی نظر آئی تمہیں ان میں؟ ایسی شاندار تو ساڑی پہن کر آئی تھیں وہ اور جو لاکٹ کا سیٹ انہوں نے پہن رکھا تھا وہ ڈائمنڈ کا تھا......" ماما نے مسکرا کر بیٹی سے کہا۔

"شکل سے وہ فلکوں کے خاندان کی لگ رہی تھیں۔"

"پاگل ہو گئی ہو کیا، بہت پیسے والا خاندان ہے۔ ہر بڑے شہر میں ان کا بزنس پھیلا

ہوا ہے۔ پوتڑوں کی رئیس فیملی ہے وہ۔'' ماما نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہوگی...... مجھے اس سے کیا...... مگر ان کی شکل تو ایسی تھی جیسے ہمارے گھر آنے میں وہ چار بسیں تبدیل کر کے آئی تھیں۔''

''پاگل تو نہیں ہوگئی ہو...... نئے ماڈل کی گاڑی میں آئی تھیں...... ان کو کیا ضرورت ہے کہ وہ بسوں کے پیچھے بھاگیں۔ وہ تو بتا رہی تھیں ان کا اپنا بیلی کاپٹر بھی ہے۔''

''مگر مجھے ان کی پرسنالٹی بالکل نہیں بھائی۔ میں اپنی سہیلیوں سے متعارف کرانے سے پہلے ان کے اثاثوں کا گوشوارہ تو بانٹنے سے رہی۔'' مینا نے کندھے اچکا کر کہا۔

''تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہے آخر؟'' دادی قریبی ٹیبل سے چشمہ آنکھوں پر جما کر گردن موڑ کو بولیں تو مینا کب کی جا چکی تھی اور سرفراز صاحب مسکرا کر کہہ رہے تھے۔

''یہی مطلب ہے...... اماں...... یہ رشتہ نامنظور ہے۔''

☆☆☆

''امی! قریبی گرلز کالج میں بی اے میں داخلہ لے لوں......'' نہاں نے ایک شام ماں سے کہا۔ رزلٹ بس آنے ہی والا تھا...... اور اس کی سب سہیلیاں یونیورسٹی میں ایڈمیشن ٹیسٹ دینے میں مشغول ہو چکی تھیں۔

''ہاں، ہاں...... کیوں نہیں...... گورنمنٹ کالج کی فیس بھی کم ہوگی اور بس سیدھی کالج تک جاتی ہوگی۔ صبح تو ابو اپنی بائیک پر ہی چھوڑ دیا کریں گے...... صرف واپسی پر بس سے آنا ہوگا مگر پھر بھی تمہارے ابو سے پوچھنا تو ہوگا۔''

''امی...... ابو تو منع کر دیں گے......'' نہاں کے چہرے پر ملال کے سائے چھا گئے۔

''نہیں بیٹا وہ کیوں منع کریں گے؟''

''میٹرک کے بعد انٹر کرنے کی اجازت بھی تو انہوں نے خاصی مشکلوں سے دی تھی۔''

''ڈرتے ہیں وہ اور بس ورنہ ایسی کوئی بات نہیں۔''

''تعلیم حاصل کرنے سے بھلا کون ڈرا کرتا ہے جو ابو ڈرتے ہیں۔'' نہاں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''میری گڑیا...... وہ تمہاری خوب صورتی سے ڈرتے ہیں۔ ایسی پری جیسی ہماری بیٹی ہے، وہ نہیں چاہتے کہ کسی کی میلی یا گرم، نرم نظریں ہماری بیٹی کو چھوئیں۔''

''مگر میں تو عبایا اور حجاب لے کر گھر سے باہر نکلا کرتی ہوں۔''

''بیٹا...... چاند...... بدلیوں میں بھی چھپ جائے تو وہ چاند ہی رہتا ہے...... اس پر بادل چھا جائیں مگر چاند...... چاند ہی نظر آتا ہے۔''

''ہر والدین کو اپنی اولاد...... چاند جیسی اور پری جیسی ہی لگتی ہے۔ آج کل کسی کے پاس اتنا وقت نہیں کہ ہر تیغ والیوں کو کھوجتا پھرے...... سڑکوں پر نظارے عام ہیں۔'' نہاں نے برا سا منہ بنایا تو ماں اس کی خفگی کی وجہ جان کر سوچ میں پڑ گئیں۔

☆☆☆

''نہیں...... بالکل نہیں، جب میں منع کر چکا ہوں تو آپ بار بار یہ بات کیوں کر رہی ہیں۔'' ریاض صاحب کا لہجہ حتمی سا تھا۔ ''نہاں کے ساتھ کی سب لڑکیاں پڑھ رہی ہیں۔ پڑھنے دیجیے...... منع کیوں کر رہے ہیں...... آپ؟'' ماں نے پوچھا۔

''نسرین! آپ نہاں کی شادی کی فکر کیجیے اور بس...... لڑکیاں وقت پر اپنے گھر کی ہو جائیں تو ٹھیک رہتا ہے۔''

''خاندان میں تو سب کو پتا ہے کہ ہم چند دن کی یہ بچی ایدھی کے جھولے سے لے کر آئے تھے۔ کتنی مشکلوں سے یہ بچی ہمیں ملی تھی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں نا، کس قدر لکھا پڑھی ہوئی تھی۔ اگر یہ گریجویشن کرے گی تو اچھا ہی رہے گا۔ لڑکیوں کی اتنی تعلیم تو ہر حالت میں ہونی چاہیے۔'' نسرین بیگم نے شوہر کی بات کے جواب میں کہا۔

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ نہاں کی شادی جلدی ہو جانی چاہیے۔'' انہیں نہ جانے ایک دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ ویسے بھی ہولنے اور بولانے کی عادت تو ان کی سدا کی تھی۔

''ہمارا خاندان کتنا بڑا ہے اور ہر ایک کو، خوب صورت بھولانے کا ارمان بھی ہے مگر کسی نے بھی ہماری نہاں کے لیے نہیں کہا ہے۔ حتیٰ کہ نہ میرے بہن بھائیوں نے اور نہ ہی تمہارے بہن بھائیوں نے ایسی کوئی بات کی۔''

''اس بچی کے اصل والدین کون تھے؟ آیا ان میں میاں بیوی کا رشتہ بھی تھا یا نہیں...... ایسے خدشات تو میری آپا ہمیشہ ظاہر کیا کرتی ہیں۔'' نسرین نے تاسف بھرے لہجے

میں کہا۔

''آپ کی یہ آپا...... اس قسم کی باتیں دیگر لوگوں کے ساتھ بھی کیا کرتی ہیں...... جن لوگوں کو یہ بات نہیں معلوم تھی اب ان کو بھی معلوم ہوگئی ہے کہ نہاں ہماری سگی اولاد نہیں ہے۔'' ریاض صاحب کا لہجہ شکایتی سا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ نہاں یہ سب نہیں جانتی۔ اگر اس کو یہ سب پتا چل جاتا تو اس کا نازک سا دل ٹوٹ جاتا۔''

مگر نہاں کو بہت عرصے پہلے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ وہ ایک ایسی لڑکی ہے جس کے والدین کے بارے میں کسی کو پتا نہیں تھا۔ ایدھی کے جھولے میں کون اسے راتوں رات ڈال گیا تھا یہ بات ادارے کے لوگ بھی نہیں جانتے تھے۔ اس کی گلابی رنگت اور تیکھے نقوش کے باعث کوئی اسے کشمیری سمجھا کرتا اور کوئی افغانی...... مگر اس نے آنکھ کھول کر جنہیں دیکھا تھا انہیں ہی اپنا اصلی ماں باپ سمجھتی تھی۔ اس کے دل میں کبھی ایسی کوئی کسک نہیں ہوئی تھی جو وہ یہ کبھی سوچتی کہ اگر اس کے اصلی والدین ہوتے تو اس کے لیے یہ کرتے، وہ کرتے...... ریاض صاحب اور نسرین بیگم اپنی کم آمدنی کے باوجود نہاں کو اپنی ہتھیلی کا چھالا بنائے رکھتے تھے اور اب بی اے میں داخلہ نہ دلوانے کی وجہ وہ پیسوں کی کمی سمجھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کام کرے جس سے اس کی فیس، کتابوں کا خرچ بہ آسانی نکل آیا کرے۔ وہ سوچ کے نہ جانے کتنے تانے بانے بنتی کہ اس کی یہ پریشانی ان کی پڑوسن نے حل کر دی۔

ایک شام اسے اپنے گھر میں فارغ بیٹھے دیکھا تو اس سے کہا۔

''نہاں میرے بچوں کو ٹیوشن پڑھا دیا کرو...... ان کے ماسٹر اتنی چھٹی کیا کرتے ہیں کہ ہم عاجز آ چکے ہیں...... اسکول کی چھٹیوں سے زیادہ وہ چھٹیاں کرتے ہیں۔''

''آنٹی...... میں آپ کے گھر تو نہیں آ سکتی......'' اس نے فوراً ہی انکار کر دیا کہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ ریاض صاحب کو لڑکیوں کا محلے میں یوں گھومنا پھرنا بالکل پسند نہیں تھا۔

''یہ میں نے کب کہا ہے کہ تم میرے گھر آؤ...... میں اپنی دونوں بیٹیوں کو روزانہ تمہارے گھر بھیج دوں گی، تم انہیں پڑھا دیا کرنا...... جتنے پیسے میں ماسٹر کو دیتی تھی تمہیں دے دیا کروں گی۔''

''ٹھیک ہے آنٹی......'' اس نے فوراً ہی رضامندی دے دی جس طرح دیوار پر ایک کوا آ کر بیٹھے تو دوسرا کوا بھی اس کو دیکھ کر آ جاتا ہے اور پھر تیسرا اور چوتھا بھی...... ٹیوشن پر جانے والے بچوں کا یہی احوال ہے، محلے کا کوئی بچہ یا بچی کہیں جا کر ٹیوشن پڑھنے لگے محلے کے دوسرے لوگ بھی اپنے بچوں کو وہیں بھیجنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ حرص کی بیماری متعدی ہے جو ایک سے دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ نہاں کے پاس صرف دو مہینے میں ٹیوشن کے چھ سات بچے ہو گئے تھے اور اب اسے یہ بالکل پریشانی نہیں تھی کہ کالج میں ایڈمیشن کا خرچ کیسے ہوگا۔

☆☆☆

اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان...... یہ سب تو وہ نہیں جانتا تھا اسے تو بس یہ معلوم تھا نہاں اسے نہ تو کسی شاپنگ پلازہ میں نظر آئی تھی اور نہ کسی اسٹاپ پر...... حد تو یہ تھی کہ وہ اسے شادی بیاہ کی تقریب میں بھی نظر نہیں آئی تھی۔ وہ ماں کے ساتھ شادی بیاہ و دیگر تقریبات میں جانے سے کترایا کرتا تھا...... مگر نہاں کی تلاش میں...... وہ اب ازخود پوچھنے لگا تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ ساجدہ بیگم کو بیٹے کا یہ سبھاؤ اچھا لگا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہر جگہ جانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اکلوتے بیٹے کی ماں ہمہ وقت اپنے بیٹے کی جانب سے فکرمند رہتی ہے اور بیٹا اس کی نظروں کے سامنے رہے تو اسے طمانیت رہتی ہے۔ یہی حال ریحان کی ماں کا تھا...... انہیں کہیں بھی جانا ہوتا وہ ریحان کو اپنے ساتھ لے جاتیں...... اور ریحان خوشی خوشی ان کے ساتھ جاتا اور پھر مسز منیر کے ہاں ایک بڑی تقریب میں ان کی ملاقات دادی جان کے ساتھ آئی مینا سے بھی ہوئی۔ جو اپنی دادی کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔

''مینا بیٹا تم لڑکیوں میں جا کر بیٹھو...... ان کے ساتھ ہنسو، گاؤ......'' دادی اس سے بار بار کہہ رہی تھیں۔ یہ ایک مہندی کی تقریب تھی جس میں ہر لڑکی ضرورت سے زیادہ بج سنور کر اٹھلاتی پھر رہی تھی مگر مینا...... مسکرا کر نفی میں گردن ہلاتی دادی کے پہلو سے ہی جڑی بیٹھی تھی۔ پھر انہوں نے مینا کو بغور دیکھا...... تو وہ انہیں سمپل سی لڑکی بہت اچھی لگی۔ ساجدہ بیگم نے مینا سے کرید کر باتیں کرنا شروع کیں تو دادی جان اسی لمحے سمجھ گئیں کہ وہ یقیناً اپنی بہو ڈھونڈ رہی ہیں۔ تب انہوں نے ان سے کچھ پوچھے بنا ہی اپنے گھر آنے کی دعوت دے دی، جو انہوں نے خوشی خوشی قبول کر لی مگر مینا یونہی بور سی بیٹھی رہی...... اسے کسی کے آنے، جانے سے کوئی

دلچسپی ہی نہیں تھی۔ اس وقت بھی وہ دادی کے ساتھ آ کر پچھتا رہی تھی کہ ایسی تقریب جس میں وہ کسی کو جانتی تک نہیں ہے، کیوں چلی آئی۔

☆☆☆

آج یونیورسٹی کے اس گروپ میں کار ریس کا مقابلہ تھا...... وقت صبح سات بجے کا تھا...... سڑکوں پر رش نہ ہو اور دن اتوار کا رکھا گیا تھا...... کہ جاب پر جانے والے بھی چھٹی ہونے کے باعث سڑکوں پر آنے کے بجائے اپنے گھروں پر ہی آرام کریں۔ سی ویو جانے والی سڑک کا انتخاب کیا گیا تھا۔ مینا اپنی نئی اسپورٹس کار میں تھی اور اسے پورا یقین تھا کہ وہ یہ ریس ضرور جیت جائے گی مگر بغلی سڑک سے آنے والی ایک کار نے اس کے آگے آ کر اس کے تمام عزائم ملیامیٹ کر دیے تھے...... حد تو یہ کہ سگنل پر ریڈ لائٹ دیکھ کر رک بھی گئی تھی اس کے پیچھے آنے والی کاریں سگنل توڑتی ہوئی آگے نکل گئیں...... تب وہ غصے سے باہر نکل کر آئی اور اپنی شکست کا سبب بننے والی کار کے پاس آ کر بولی......

"جب سڑک خالی ہو تو پھر سگنل پر رکنے کا کیا فائدہ ہوتا ہے۔" اس کے لہجے میں برہمی رچی ہوئی تھی، ریحان نے شیشے سے منہ باہر نکال کر کہا۔

"قانون تو قانون ہوتا ہے...... جب ہم رش کے اوقات میں سگنل کے رولز فالو کرتے ہیں تو دیگر اوقات میں بھی کرنے چاہئیں۔"

"مگر آپ کی وجہ سے میں یہ کار ریس ہار گئی ہوں، کچھ اندازہ بھی ہے آپ کو۔" مارے غصے کے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"سوری مس، آئی ایم ریئلی سوری...... میں تو اپنے بیمار دوست کو دیکھنے نکلا تھا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی۔" ریحان، سر جھکائے نادم سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مینا نے سر اٹھا کر ریحان کو دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی، چھ فٹ سے نکلتا قد، مردانہ وجاہت کا مکمل نمونہ، خواب آلود سی آواز...... اس کے پسندیدہ کلر کے لباس میں...... وہ اسے شہزادوں جیسی آن بان والا لگا۔

"کوئی بات نہیں...... اس میں آپ کی تھوڑی کوئی غلطی ہے۔" مینا کھسیا کر بولی۔

"پھر تو آپ ہی کی غلطی ہوئی...... آپ کو چاہیے تھا میری گاڑی کو ٹکر مارتے ہوئے

نکل جاتیں جیسے جلد باز لوگ...... عموماً سڑکوں پر مظاہرہ کیا کرتے ہیں۔" ریحان کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی یا تمسخر کی آمیزش...... اس کا تو مینا کو نہیں پتا تھا۔ بس اسے ریحان کا مسکرانا اچھا لگا تھا۔

"اگر آپ کو مجھ پر کوئی جرمانہ عائد نہ کرنا ہو تو مجھے بتا دیں...... تاکہ میں جا سکوں۔"

"جرمانہ تو عائد ہو گا آپ پر۔" مینا مسکرائی۔

"کیسا جرمانہ......؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"ایک گرما گرم چائے تو آپ کو پلانی پڑے گی...... کیونکہ میں اب، یہاں سے واپس اپنے گھر لوٹنا چاہتی ہوں۔ اپنے فرینڈز کے گروپ میں جاؤں گی تو وہ میرا مذاق اڑائیں گے۔"

"یہ سودا مہنگا نہیں رہا...... آئیں...... چلیں۔" ریحان اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے فالو کرنے کا اشارہ کر کے بولا اور مینا نے مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی ریحان کی گاڑی کے پیچھے لگا دی۔

☆☆☆

"ریحان، ریحان، ریحان...... میرے تو کان پک گئے ہیں یہ نام سنتے ہوئے۔ سڑکوں پر گھومنے والے لوگوں سے بھی کوئی بھلا متاثر ہوا جاتا ہے، جو تم ہو گئیں۔" مینا کی اوائی توائی سن کر ماما اسے ڈانٹ پلا رہی تھیں۔

"اس کی ہائٹ چھ فٹ دو انچ ہو گی۔ اسے بھی میری طرح بلیو بلیک اور براؤن کلرز پسند ہیں، موسم سردی کا، دن میں چائے اور رات میں کافی پیتا ہے، اس کی گاڑی کا ماڈل بھی میرا فیورٹ ہے تو پھر وہ مجھے کیوں نہیں اچھا لگے گا۔"

"بے شمار لوگوں کی یہی پسند ہو گی...... تو کیا ہم ان سب کو اپنے گھر پر انوائٹ کر سکتے ہیں۔" ماما کو بے تکی باتیں سن کر ہمیشہ ہی غصہ آیا کرتا تھا۔

"خوب صورت لڑکیوں کے پیچھے...... غنڈے اسی طرح لگا کرتے ہیں۔" دادی جان بھی دور کی کوڑی لائی تھیں۔

"وہ میرے پیچھے نہیں لگا تھا بلکہ میری گاڑی اس کی گاڑی کے پیچھے تھی۔" مینا بھی بڑے اطمینان سے وضاحتیں دے رہی تھی۔

''تمہارا باپ اس شہر کا ایک بہت بڑا صنعت کار ہے، تمہارے دونوں بھائی بھی گمنام نہیں ہیں، ان کے نام سن کر سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کون ہیں اور ان کا کیا خاندان ہے......؟ اب اگر تم سڑک پر گھومنے والے لونڈے لپاڑوں کو اپنے گھر مدعو کرو گی تو ہماری عزت کیا رہ جائے گی۔ سرفراز احمد کو جو آج سب نظریں اٹھا کر تکریم سے دیکھا کرتے ہیں کل کو کیا وہ سب ہنس نہیں سکتے......'' دادی جان نے اسے پاس بٹھا کر رسان سے سمجھایا۔

''دادی جان، میں آپ ہی کی پوتی ہوں، میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ لوگوں کو پہچاننے کا سلیقہ رکھتی ہوں، چائے پینے ہم جس ہوٹل میں گئے تو وہ میرے ساتھ گھس کر نہیں بیٹھا، وہ میرے مقابل بیٹھا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ نہ تو وہ چھچھورا ہے اور نہ ہی بیہودہ......'' نہاں کے لہجے میں خفگی نہاں تھی۔

''ارے میری بچی...... تیری عمر کہاں سے اتنی آ گئی جو لوگوں کو پہچانے گی آج کل عام لوگ بھی اتنے بڑے اداکار ہیں کہ انہوں نے اپنی اصلی شکل چھپائی ہوئی ہوتی ہے۔ اب تو لوئر مڈل کلاس کے لوگوں کے ڈرائنگ روم بھی ان کی اوقات سے زیادہ سجے ہوتے ہیں۔ ان میں داخل ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے جدی پشتی رئیس ہوں، دوسرے کمرے میں بے شک پھٹا ہوا لحاف اوڑھ کر سو رہے ہوں مگر ڈرائنگ روم امیرانہ لک دیتا ہے۔ اب لوگوں کو پہچاننا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔'' دادی جان نے گہری سانس لے کر کہا۔

''مگر میں ریحان کو پہچان گئی ہوں، بہت نائس لڑکا ہے وہ۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ، گورنمنٹ کے آفس میں ایک اچھی پوسٹ پر فائز......'' مینا کی آنکھوں میں ستارے سے چمک رہے تھے۔

''اچھی شکل کیا جاہلوں کی نہیں ہوا کرتی...... میری بچی اب تو جاہل لوگوں کے چہروں سے جہالت تک نہیں ٹپکتی بلکہ اب تو جنہیں ہم عالم سمجھتے ہیں وہ جاہل نکل آتے ہیں اور تمہیں کیسے پتا چل گیا وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہے اور اچھی پوسٹ پر فائز بھی......''

یہ رہا اس کا کارڈ...... ریحان ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں آپریشن منیجر ہے اور اس نے مارکیٹنگ میں ایم بی اے کیا ہے۔'' مینا فخریہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''کیا ہو گا...... اب غریب غربا بھی اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ تعلیم کی اہمیت سب کو معلوم ہو گئی ہے اور کسی کے پڑھ جانے سے اس کے گھرانے کے ماتھے پر اچھی فیملی کا کوئی لیبل نہیں لگ جایا کرتا اب تو ذلیل اور کمین بھی تعلیم کی ڈگریوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ تعلیم

ان کا بال بیکا تک نہیں کر پاتی۔'' دادی کی تقریر جاری تھی اور مینا ان کی باتوں سے بور ہو کر اپنے کمرے میں جانے کا سوچ رہی تھی۔ دادی نے پلٹ کر مینا کو دیکھنا چاہا کہ ان کی باتوں کا اس پر کتنا اثر ہوا ہے مگر وہ وہاں سے جا چکی تھی۔

''یہ ساری غلطی بہو بیگم کی ہے۔ بیٹی کو اچھی بری بات سمجھاتی ہی نہیں ہیں۔ ماؤں کو تو بیٹی کا دوست بن کر رہنا چاہیے مگر یہاں نہ ماں کو فرصت ہے اور نہ ہی بیٹی کو ضرورت......'' اب دادی بڑبڑا رہی تھیں۔

☆☆☆

''توجہ فرمائیں بیوٹی فل گائز...... یونیورسٹی سے واپسی پر ہوٹل میں لنچ کرنا ہے اسی ہوٹل میں جہاں کا تھائی سوپ اے ون تھا۔ وہاں سے فیشن شو کی تقریب میں جانا ہے اور پھر شاپنگ......'' فری پیریڈ میں کیفے میں بیٹھے ہوئے شہزاد نے پروگرام بنایا۔

''ٹھیک ہے، آج موسم بھی اچھا ہو رہا ہے۔ صبح سے ہلکی ہلکی رم جھم ہو رہی ہے۔'' شہلا نے اسے فوراً ہی او کے کر دیا۔

''ٹی شرٹس ختم ہو رہی ہیں، مجھے فوری طور پر دس سے پندرہ شرٹس لینی ہیں۔'' حماد نے کہا۔

''اور مجھے اچھے قسم کے ٹاپ...... اور مینا کی پسند کے لینے ہیں کہ مینا کے ٹاپ تو ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور اس کے تو کبھی ختم ہی ہونے میں نہیں آتے۔'' زویا نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''مگر میں تو گھر جا رہی ہوں۔'' مینا کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔ ''تو کیا تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گی؟'' شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''گھر میں کوئی ضروری کام ہے کیا......؟'' زویا نے پوچھا۔

''ہاں......'' مینا نے جیسے اقرار کر لیا۔

''تو ٹھیک ہے آج کے بنائے ہوئے اس پروگرام پر کل عمل ہو گا...... ہمارا گروپ کل موج مستی کرے گا۔'' شہزاد نے مسکرا کر کہا اور گروپ کے تمام لوگوں نے تالیاں بجا کر تائید کی۔ مینا نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

''اب تو تم خوش ہو ناں......؟'' زویا نے اس کا چہرہ اونچا کر کے ہولے سے کہا۔

'' پتا نہیں۔'' وہ اکتائے لہجے میں بولی اور کسی کو خدا حافظ کہے بغیر پارکنگ لاٹ کی جانب چل دی۔ اس وقت اس کا یونیورسٹی میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فوراً اپنے گھر پہنچ جائے اور وہ تیز رفتار ڈرائیونگ کرتے ہوئے گھر جا رہی تھی اور اس کے گروپ کے ساتھی ایک دوسرے کو حیران نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے کہ آج مینا کو ہوا کیا ہے......؟

☆☆☆

'' بات کیا ہے چندا...... ؟ تم اتنی پریشان سی کیوں ہو......؟'' نہاں کو مستقل کسی سوچ میں غرق دیکھ کر ماں نے دلار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

'' میرے پاس دس ہزار جمع ہوئے ہیں، کیا ان پیسوں میں اچھی کوالٹی والا روم کولر آ جائے گا یا ابھی اور پیسے جمع کرنے ہوں گے۔''

'' روم کولر لینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی، تمہارا کمرا تو سب سے زیادہ ہوادار ہے۔'' ماں نے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

'' میں روم کولر اپنے لیے تھوڑی لینا چاہ رہی ہوں۔''

تو پھر کس کے لیے لینا ہے؟'' اب وہ حیرت سے نہاں کو دیکھ رہی تھیں۔

'' آپ کے اور ابو جی کے لیے...... آپ کے کمرے میں نہ ہوا آتی ہے اور نہ ہی کمرا ٹھنڈا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ کو اور ابو کو گرمی بہت زیادہ لگتی ہے...... دن میں کتنی بار تو آپ نہاتی ہیں، رات میں بستر پر پانی علیحدہ چھڑکا کرتی ہیں۔''

''تمہیں ہمارا خیال آیا تو اپنا خیال کیوں نہیں آیا۔'' ماں نے بیٹی کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

'' امی مجھے تو گرمی لگتی ہی نہیں ہے...... جون جولائی میں بھی...... میں تو کھیس اوڑھ کر سونے کی عادی ہوں اور دوسری بات کہ گھر کا سب سے ہوادار اور ٹھنڈا کمرا آپ نے مجھے دے رکھا ہے۔''

''نہیں میری بیٹی، ہمیں روم کولر کی بالکل ضرورت نہیں ہے ان پیسوں سے تم اپنے لیے کپڑے بنالو...... کالج میں تقریبات کسی نہ کسی حوالے سے ہوتی رہتی ہیں اور میں یہ چاہوں گی کہ میری نہاں کے پاس خوب اچھے اچھے کپڑے ہوں۔''

'' بہت کپڑے ہیں میرے پاس مگر میں تو کولر لینا چاہتی ہوں۔'' نہاں کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''اس سال کی گرمی تو بس ختم ہو گئی...... اب تو ٹھنڈ شروع ہو چکی ہے...... کولر خرید لیں گے تو خوامخواہ رکھے رکھے ہی خراب ہو جائے گا۔ اس لیے ہم کولر کے بجائے تمہارے لیے کپڑے خریدیں گے......'' ماں نے اس کی روشن پیشانی چوم کر کہا تو نہاں کی آنکھوں میں جہاں آنسو آ گئے وہاں ماں کی آنکھیں بھی برسنے کو بے تاب ہو گئیں۔

☆☆☆

''نہیں ماما، میں نہیں جاؤں گی۔'' مینا نے تیسری مرتبہ انکار کیا۔'' وحید انکل کی تقاریب میں ہمیشہ بور ہوا کرتی ہوں۔'' مینا نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

'' بیٹا...... جب کوئی محبت سے بلائے تو کبھی انکار نہیں کرنا چاہیے۔''

'' مجھے غزلوں سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے تو میں کیوں جا کر اپنے سر میں درد کروں؟'' مینا نے ابرو چڑھا کر کہا۔

'' اچھا...... تم تھوڑی سی دیر بیٹھ کر بھیا کے ساتھ واپس آ جانا۔''

''منی بیگم کی غزلیں مجھے بہت پسند ہیں...... میں تو پورا پروگرام ڈٹ کر سنوں گا۔'' دانش نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

'' ماما...... میں پھر نہیں جا رہی...... آپ سب لوگ جائیں اور شوق سے سنیں، ایسے پروگرام...... میں تو پاپ میوزک کے سوا سر میں درد کرنے والے پروگرام گھر میں ٹی وی پر بھی نہیں دیکھتی۔''

'' ارے مجھ سے کہاں زیادہ بیٹھا جاتا ہے میں تو بس آدھے گھنٹے میں ہی اٹھ جاؤں گی...... تم میرے ساتھ ہی آ جانا......'' دادی جان نے مینا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ تب وہ بے دلی سے تیار ہونے لگی کہ دادی کو خفا کرنے کا اب وہ رسک نہیں لے سکتی تھی اور ماما کو اس کے آف موڈ کو دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی۔

☆☆☆

مسز وحید کے وسیع و عریض لان پر فرشی نشست کا اہتمام تھا...... گلوکاروں کے لیے بنائے گئے اسٹیج پر روشنی کا زبردست اہتمام تھا اور فرش پر جگہ جگہ کینڈل لائٹ ایک خوابناک سا

منظر پیش کر رہی تھی......کوری مٹی کی صراحیاں......موتیے کی بیلوں سے لپٹی ہوئی جگہ جگہ رکھی تھیں......جس میں بادام کا شربت رکھا گیا تھا۔

غزل سننے والے ہر غزل پر سر دھن رہے تھے۔ مستعد بیرے وقفے وقفے سے چائے اور کافی کے ساتھ بادام کا ٹھنڈا شربت بھی سرو کر رہے تھے......چاندنی رات تھی اور مسحور کن ماحول اچھا لگ رہا تھا مگر مینا......کو شدید بوریت ہو رہی تھی......گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے دادی جان اٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ انہیں ہر غزل، پہلے والی سے زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔

''پلیز دادی چلیں ناں......!'' مینا ان کے پاس منمنائی۔

''چندا......بس ایک غزل اور......'' مزید دو غزلیں سننے کے بعد بھی جب انہوں نے ایک غزل اور...... کے لیے کہا تو مینا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ صبح تک بیٹھیں......اور ہر گلوکار کی غزل سنیں......'' وہ تنک کر بولی۔

''تم بھی سنو نا......!'' دادی کا لہجہ لجاجت آمیز تھا۔

''نہیں، میں گھر جا رہی ہوں۔''

''کیسے جاؤ گی؟'' وہ روہانسی ہو گئیں۔

''باہر ڈرائیور ہے۔''

''اچھا چلو، میں چلتی ہوں۔'' دادی بے دلی سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''نہیں، آپ بیٹھیں میں چلی جاؤں گی۔ آپ کے تو اٹھنے میں بھی دو گھنٹے لگتے ہیں۔''

''افوہ......چل تو رہی ہوں ناں......'' وہ اپنا بیگ اٹھا کر اس کے ساتھ روانہ ہو گئیں اور جب لمبی راہداری طے کرتے ہوئے وہ گیٹ تک پہنچی تو ریحان اپنی ماں کے ساتھ اندر داخل ہو رہا تھا۔

''ارے آپ......؟'' وہ ریحان کو دیکھ کر کھل ہی تو گئی۔ ساجدہ بیگم نے جب دادی کو دیکھا تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ سی آ گئی۔

''ہم تو آپ کے گھر آنے کا سوچ رہے تھے......چلیں، آج آپ سے یہاں ہی ملاقات ہو گئی۔''

''کاش آپ جلد آتیں تو خوب گپ شپ ہوتی۔'' دادی جان نے مینا کو دیکھ کر کہا۔

''تو کیا آپ واپس جا رہی ہیں؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں آنٹی......دادی جان کی فرشی نشست کی وجہ سے ٹانگیں شل ہو گئی تھیں نا...... اسی لیے میں انہیں ٹہلانے کے لیے نکلی تھی۔'' مینا مسکرائی۔

''یہاں بیٹھنے کا انتظام صوفوں کا بھی ہے۔ جو لوگ نیچے نہیں بیٹھ سکتے وہ سائڈ پر لگے ہوئے صوفوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔'' ریحان نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں دادی، ہم لوگ صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں۔'' مینا نے دادی سے کہا۔

''تو کیا گھر نہیں چلنا......تم تو یہاں بور ہو رہی تھیں۔'' ان کا جملہ......منہ میں ہی دبا رہا۔ وہ حیرت سے مینا کو دیکھ رہی تھیں۔ جس کے چہرے کی بوریت، اکتاہٹ دور ہو چکی تھی۔

''ارے دادی......اتنے مایہ ناز گلوکار یہاں موجود ہیں، ایسی محفل کو چھوڑ کر جانا کہاں اچھا لگے گا اور جو بات غزلیں سننے کی ہوتی ہے، وہ پاپ میوزک میں تھوڑی ہوتی ہے۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔'' ریحان نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

''میری کوئی بات بھی غلط نہیں ہوتی۔'' ہمیشہ صحیح بات کرتی ہوں۔'' مینا نے مسکرا کر مگر باوثوق لہجے میں کہا۔ تب ریحان نے چونک کر اسے دیکھا اور ساجدہ بیگم جو آگے کی جانب قدم بڑھا چکی تھیں پلٹ کر اسے دیکھنے لگیں۔ جو اپنی دادی کے ساتھ کھڑی نیچی نظریں کیے مسکرا رہی تھی۔

''کتنی پیاری لڑکی ہے یہ۔'' بے اختیار انہوں نے سوچا اور اب وہ اس کے برابر کھڑی اسے پرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

بعض دفعہ وہ اپنی ہی دھن میں ایسی مست ہوا کرتی تھی کہ ارد گرد آس پاس کا اسے کچھ پتا ہی نہیں چلا کرتا تھا......آج کالج میں ہونے والے پہلے ماہانہ ٹیسٹ میں اس کے سب سے زیادہ نمبر آئے تھے۔ امی اور ابو اس کی رپورٹ کارڈ دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ اس کی یہ خوشی اسے از خود سرشار کیے دے رہی تھی کہ کالج سے واپسی پر ابو کی پسند کی بالوشاہی اور امی کی پسند کے بیسن کے لڈو......اس نے خرید لیے تھے۔

''ابو کہیں گے......نہال کی کامیابی کے لیے تو مٹھائی منگوانی چاہیے تب امی بولیں

کی منگواؤ گے کس سے، جاؤ خود جا کر لے کر آؤ...... تب ابو اپنی بانگ نکالیں گے اور کہیں گے ارے...... یہ تو پنکچر کھڑی ہے اور پھر بیگ سے مٹھائی نکال کر میں کہوں گی یہ لیجیے مٹھائی کھائیں...... آپ کو کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں۔'' نہاں اپنی دھن میں مست...... کب فٹ پاتھ سے اتر کر سڑک پر چلنا شروع ہو گئی تھی اسے پتا ہی نہیں چلا تھا اور جب ایک زبردست بریک کے ساتھ اس کے سامنے گاڑی کے بریک چیخے اور ڈرائیور نے چیختے ہوئے کہا۔

''یہ سڑک اپنی سمجھ لی ہے کیا جو آنکھیں بند کر کے بیچ سڑک ٹہل رہی ہیں اگر کچھ ہو جاتا تو...... لوگ تو گاڑی والے پر ہی چڑھائی کرتے ہیں نا۔'' اور نہاں...... آنکھیں پھاڑے گاڑی کو یوں دیکھ رہی تھی کہ وہ کیسے اور کس طرح اس کے سامنے آ گئی ہے ریحان پچھلی سیٹ سے نیچے اتر آیا تھا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا آج بھی امتحان تھا آپ کا؟'' اس نے حواس باختہ سی نہاں کو دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں نہیں تو......'' وہ گھبرا کر بولی۔

''ارے واہ...... لوگوں کی زندگی میں ہر روز امتحان ہوا کرتے ہیں۔'' ڈرائیور بدتمیزی سے ہنس کر بولا۔

''نہیں، نہیں آج تو کالج میں پہلا رزلٹ تھا...... ٹیسٹ کا......'' نہ جانے کیسے یہ سچ اس کے لبوں پر آ گیا اور وہ خود ہی شرمندہ سی بھی ہو گئی۔

''ظاہر ہے...... پاس ہونے کی خوشی میں۔ کچھ پتا ہی نہیں چلتا......'' ریحان کے لبوں پر پھول سے کھل گئے۔

''جی۔'' وہ ہاتھ سے گری فائل نیچے سے اُٹھاتے ہوئے بولی۔

''بی بی...... تو ایسی خوش تھیں جیسے ٹاپ کر لیا ہو۔'' ڈرائیور...... اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ہنسا۔ اس کے لہجے میں تمسخر اور طنز کی کاٹ تھی۔

''ہاں کیا ہے ٹاپ...... اور سارے سیکشنز میں ٹاپ کیا ہے۔'' نہاں زچ ہو کر بولی اور تیزی سے فٹ پاتھ پر جاتے ہوئے لوگوں کے غول میں کھو سی گئی۔ ریحان...... کی نظریں کتنی ہی دیر تک اسے ڈھونڈتی رہیں۔ پیچھے آنے والی گاڑیوں کے جب ہارن نے ایک شور سا مچایا تو وہ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گیا اور چند ساعتوں کا یہ منظر...... اس کی آنکھوں میں ایک دنیا

سا بسا گیا۔ نہ جانے کیوں...... اس معصوم سی لڑکی کا پورا وجود اس کے دل پر دستک سی دیتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ کواڑ کھولو...... ہم اندر آنا چاہتے ہیں اور اس نے...... در دل وا بھی کر دیا تھا مگر...... وہ تو جب بھی نظر آئی واپس پلٹ کر چلی جاتی تھی۔ کوئی بھلا اس طرح بھی کیا کرتا ہے کہ دستک بھی دے اور جب دروازہ کھلے تو واپس لوٹ جائے...... ریحان سوچ رہا تھا اور چند لمحوں بعد وہ اس سوچ پر مسکرا رہا تھا...... جیسے اسے کوئی کارنامہ دکھا تا ہو۔

☆☆☆

ریاض...... گھر میں داخل ہوئے تو ان کے چہرے پر زردی سی کھنڈی ہوئی تھی۔
نہاں باپ کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھ کر چلی گئی تھی۔ ٹیوشن پڑھنے والوں کا ایک گروپ اس وقت بھی اس کے کمرے میں تھا۔ وہ کتنی ہی دیر ملول سے یونہی بیٹھے رہے۔ نسرین بیگم جب کمرے میں آئیں تو وہ ٹرے ایک جانب کر کے افسردہ سے بیٹھے تھے۔

''ارے، آج تو آپ کی پسند کے کریلے بنے ہیں اور آپ نے چکھے تک نہیں۔''

''دل نہیں چاہ رہا، کچھ بھی کھانے کو۔'' ان کے لہجے میں ملال کے رنگ گہرے تھے۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا......؟''

''ہاں ٹھیک ہوں، مجھے کیا ہونا ہے۔''

''بات تو کوئی ضرور ہے۔'' اب وہ شوہر کے مدمقابل بیٹھی تھیں۔

''کیا کہوں...... اور کیا کروں؟'' ریاض صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''آخر ہوا کیا ہے......؟'' نسرین بیگم شوہر کے غم زدہ رویے پر پریشان ہی تو ہو گئیں۔

''نہاں کے لیے میں نے بڑے بھائی سے کہا تھا کہ اپنے سالے کے لیے نہاں کا رشتہ کروا دو...... آخر وہ لوگ اس کے لیے جگہ جگہ لڑکیاں دیکھ رہے ہیں۔''

''تو پھر...... بھائی جان نے منع کر دیا ہوگا؟'' نسرین نے کہا۔

''کاش وہ اس وقت منع کر دیتے، تو مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا۔''

''تو...... کیا بعد میں منع کر دیا؟'' نسرین بیگم نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ہاں منع تو کیا...... مگر بہت بدتمیزی سے...... بڑی بھابی نے مجھے فون کر کے کہا۔

''ریاض بھائی...... میرا بھائی کم تعلیم یافتہ بھی ہے، معمولی شکل کا بھی ہے، اس کی تنخواہ بھی واجبی سی ہے مگر اس کی شادی ہم کسی شریف خاندان کی لڑکی سے کریں گے...... نہاں کا کیا معلوم کہ وہ کسی کی جائز اولاد بھی ہے یا نہیں، اس کو اگر کوئی پھینک کر گیا ہے تو یقیناً وہ ناجائز ہی ہوگی۔''

''آپ نے کہا نہیں کہ ہم نے یہ بچی دو دن کی گود لی ہے اور اس کو پالا ہے، اس کی تربیت کی ہے، یہ ہماری بیٹی ہے اور ہماری بیٹی کے بارے میں یہ جملے کہنے کا حق آپ کو کس نے دیا ہے۔''

''ہاں کہا تھا...... یہ سب کہا تھا مگر اس کے بعد ان کا یہی کہنا تھا کہ گندہ خون اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے۔''

''دفع کیجیے...... آپ ان چھوٹے ذہن کے لوگوں کو...... میری نہاں کے لیے تو آپ دیکھیے گا ایک شہزادہ آئے گا، خوب صورت سا، اس کو عیش کروانے والا...... آپ دیکھیے گا کہ وہ اس کے ساتھ کتنی خوش رہے گی۔''

''آمین......'' ریاض صاحب پانی کا گلاس منہ سے لگانے سے قبل کہہ رہے تھے مگر ان کے چہرے پر پریشانی کے سائے گہرے تھے۔

☆☆☆

''ماما، اب تو آپ نے دیکھ لیا ناں ریحان کو...... ان کی امی تو دادی جان کی دوست بن گئی ہیں تو پھر آپ ان سے جا کر کہہ کیوں نہیں دیتیں کہ ریحان آپ کو بھی اچھا لگا ہے بلکہ بہت پسند آیا ہے۔'' مینا نے ماں کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے کہا۔

''مینا بیٹا...... سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ریحان ہمارے برابر کا نہیں ہے، بزنس کرنے والوں اور مہینے کے مہینے کمانے والوں کے طرز زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہوا کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہم لڑکی والے ہیں، ہم خود جا کر کیوں کہیں کہ ہماری بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی کر دو۔ یہ قدم تو لڑکے والے اٹھایا کرتے ہیں۔''

''ٹی وی کے ڈراموں میں تو لڑکی والے بھی اپنا رشتہ خود لے جایا کرتے ہیں۔'' مینا نے بے پروائی سے کہا۔

''ہمارے چینلز کے ڈراموں میں تو ایسا نہیں ہوتا اور جو گھرانے ایسا کرتے ہیں وہ منہ کی کھاتے ہیں۔ کوئی غریب شخص بھی کسی دوسرے سے براہ راست یہ بات نہیں کرتا کہ

ہماری بیٹی سے آپ اپنے بیٹے کی شادی کر لیجیے تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں۔'' شائستہ جہاں کا لہجہ خفگی بھرا تھا۔

''تو پھر میری شادی ریحان سے کیسے ہوگی......؟'' ہمارے گھر کے لوگوں کو بڑا بننے کا......اور بڑا کہلوانے کا شوق ہی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ بڑے لوگ بتائے نہیں جاتے...... بڑے لوگ خود دکھا کرتے ہیں، یہ بات سب کو معلوم ہے کہ سرفراز احمد کا نام صرف اس شہر میں ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں معروف ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول بھی ہے۔ اگر ایسے میں آپ ریحان کے گھر جا کر ہلکا سا پسندیدگی کا اشارہ بھی دے دیں گے تو وہ لوگ خود دوڑے چلے آئیں گے، ہے ناں دادی...... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟'' مینا نے ماما کو سمجھاتے ہوئے اپنی دادی کی طرف امداد طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مینا کہہ تو ٹھیک رہی ہے۔'' دادی جان کا تو واحد شوق تھا کہ اپنی اکلوتی پوتی کو دلہن بنے وہ جلد سے جلد دیکھیں۔

''ٹھیک ہے...... کسی بہانے سے ہم ان کے گھر چلتے ہیں۔'' ماما نے...... کچھ سوچ کر کہا۔

''کیسا بہانہ......؟'' مینا نے حیرت سے ماما کو دیکھا۔

''یہی کہ مبارک باد ہو آپ ڈینگی سے بچ گئیں۔ مبارک ہو آپ کو اس سردی میں نمونیہ نہیں ہوا۔ مبارک ہو...... ان بارشوں میں آپ کی فصل تباہ نہیں ہوئی۔'' شائستہ جہاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اے لو...... ماہوار کمانے اور کھانے والوں کے پاس زمینیں کہاں سے آگئیں...... ان کے ہاں تو مہینے کے حساب سے راشن خریدا جاتا ہوگا۔ تم یہ کیوں بھول گئیں...... وہ لوگ مڈل کلاس کے ہیں...... مگر ان کا لڑکا واقعی اچھا ہے، خوب صورت بھی ہے اور اخلاق کا بھی اچھا ہے۔ غزل کی تقریب والی شب میرا ہاتھ پکڑ کر گاڑی تک چھوڑنے آیا تھا وہ......'' دادی نے ماما سے کہا تو وہ ایک دم خاموش سی ہو گئیں۔

''ہاں ماما! ریحان واقعی بہت اچھا ہے، آپ جب انہیں قریب سے جانیں گی تو دل سے تعریف کریں گی۔''

''عقل مند کہتے ہیں کہ بہو اپنے گھرانے سے کم کی لاؤ اور بیٹی اپنے گھر سے بڑے

گھر میں دو تو اچھا رہتا ہے مگر مجھے تو یہ سوچ کر ہول آ رہا ہے کہ ایک ہی میری بیٹی......اور وہ بھی مڈل کلاس فیملی میں بیاہی جائے۔''

''پیسوں والوں کے رشتے آتے ہیں تو تمہاری بیٹی کو سمجھ میں نہیں آتے اگر کوئی لڑکا سمجھ میں آجاتا ہے تو اس کی ماں اچھی نہیں لگتی، تو کسی کی بہن بری لگنے لگتی ہیں۔ اب اگر ہماری مینا کو ریحان اچھا لگ رہا ہے تو ان لوگوں کی ایسی دعوتیں کرو کہ وہ پریشان ہو جائیں اور سوچنے لگیں کہ دعوتیں کیا اتنی اعلیٰ کوالٹی کی بھی ہوا کرتی ہیں اور انہیں اتنے عمدہ اور مہنگے تحائف دو...... کہ وہ پاگل ہو جائیں اور یہ یقین کر لیں...... ہم جیسا دیالو انہیں کوئی دوسرا مل ہی نہیں سکتا۔''

''یہ تو کوئی مشکل بات نہیں ہے ماما...... بوکے، کیک کے ساتھ کوئی گفٹ بھی ان کے ہاں بھجوا دیں...... کہ دانش بھائی نے ایک نئی فیکٹری لگائی ہے۔'' مینا نے خوش ہو کر دادی کے گلے میں بانہیں حمائل کر لیں۔

''ریحان کے علاوہ کیا...... دوسرا کوئی لڑکا نہیں ملے گا ہمیں...... جو ہم داماد پھانسنے کے لیے ایسی چالیں چلیں......'' شائستہ جہاں کو ساس اور بیٹی کی باتوں پر غصہ ہی تو آ گیا تھا۔

''مینا تو بچی ہے......اس کے تو جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہے مگر آپ تو اسے غلط بات پر ٹوکا کریں...... خود ہی اسے الٹی سیدھی باتوں پر شہ دیتی ہیں اور بعد میں مجھ پر چمک کر آتی ہیں کہ میں بیٹی کی تربیت پر کوئی دھیان نہیں دے پاتی۔''

''مگر ماما...... مجھے تو صرف ریحان سے ہی شادی کرنی ہے، صرف ریحان سے۔'' مینا کا لہجہ دوٹوک تھا۔

''اور اگر ریحان نے تم سے شادی نہیں کی تو...... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کو پسند کرتا ہو یا اس کی ماں کا معیار یا پسند اپنی بہو کے حوالے سے مختلف ہو۔'' شائستہ جہاں نے پہلے تو غصے اور مینا کے چہرے پر بدلنے والے تاثرات جو صدمے کی طرف رواں تھے دیکھ کر نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ماما...... اگر ریحان نہیں تو کوئی بھی نہیں...... مجھے تو اب تک کوئی پسند ہی نہیں آیا تھا اور اب ریحان کے علاوہ کوئی نہیں...... ہرگز نہیں، میں کسی دوسرے لڑکے سے شادی ہی نہیں کروں گی اور اپنی ساری زندگی ایسے ہی گزار دوں گی۔'' تب کمرے میں داخل ہونے والے سرفراز صاحب یک لخت پریشان سے ہو گئے۔

☆☆☆

''یہ سب کیا ہے بھئی...... کبھی ڈھیر سارے کیک، کبھی مٹھائیاں اور کبھی پھل...... اور پھل بھی اتنے زیادہ کہ ٹوکرے کے ٹوکرے چلے آ رہے ہیں۔ آپ مسز سرفراز کو منع کریں بھئی...... ہماری چھوٹی سی فیملی ہے...... اتنی زیادہ چیزیں کیوں بھیج رہی ہیں وہ۔'' ظہیر حسن نے پریشان ہو کر بیوی سے کہا۔

''میں تو پہلی مرتبہ جب ان کے ہاں سے دس مختلف فلیور کے کیک اور آئس کریم کے باؤلز آئے تھے...... تو اسی وقت فون کر کے کہا تھا کہ یہ سب اور اتنا زیادہ تکلف کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ تب وہ بولیں آپ کھائیں...... اپنے مہمانوں کو کھلائیں...... اور اپنے بہن بھائیوں کو کھلائیں کہ انہیں بھی تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم آپ کی بہن بنے ہیں۔''

''جب وہ آپ کی بہن بنی ہیں تو کیا آپ ان کے ہاں لفافوں میں چیزیں بھیجیں گی...... آپ ان کی طرح یہ سب نبھا پائیں گی۔ نہیں ناں...... تو ان کو بھی روکیں...... آپ کہیں دوستی کا رشتہ ہو یا بہن بھائیوں کا...... برابر کا ہوتا ہے۔''

''میں یہ سب کہہ چکی ہوں مگر وہ مانتی ہی نہیں ہیں اور کہتی ہیں کہ تم میری چھوٹی بہن جیسی ہو...... اور چھوٹی بہن صرف لینے کا حق رکھتی ہے، دینے کا نہیں۔''

''سوچ لیجیے آپ...... دوستی ہمیشہ اپنے برابر کے لوگوں سے کرنی چاہیے...... ورنہ خوامخواہ کی پریشانیاں لپٹ جاتی ہیں۔''

''مسز سرفراز اور ان کی ساس اخلاق کی اتنی اچھی ہیں کہ میں یہ بات آپ سے سچی میں کہہ رہی ہوں کہ اتنے بڑے لوگ ہیں...... مگر ان کی طبیعت میں اتنی سادگی اور محبت رچی ہوئی ہے کہ یہ مقولہ ان لوگوں پر لاگو نہیں ہو سکتا ہے۔ مجھے تو ان لوگوں سے مل کر واقعی بہت اچھا لگ رہا ہے، اتنی عزت دیتی ہیں، اتنی محبت کرتی ہیں...... کہ بعض دفعہ تو یوں لگتا ہے جیسے مجھے اپنی کوئی بچھڑی ہوئی بہن مل گئی ہے۔'' ساجدہ بیگم نے کھلے دل سے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی، بڑے لوگوں کے مزاج بادلوں کی طرح ہوتے ہیں...... کبھی تو ہلکی ہلکی رم جھم کی طرح مسحور کن انداز میں کسی جلترنگ کی طرح لگتے ہیں...... اور کبھی تیز و تند سیلابی ریلے کی طرح سفاک اور گرجتے برستے، بجلی گراتے بادلوں کی طرح قہر ڈھاتے نظر آتے ہیں۔'' ظہیر حسن سامنے آئے رکھے ٹوکرے سے ایک اچھا سا سیب نکال کر کھاتے ہوئے بولے۔

''مگر پانچوں انگلیاں تو یکساں نہیں ہوتیں ناں...... اچھے، برے مزاجوں کے لوگ تو ہر جگہ ہوتے ہیں ناں......'' ساجدہ بیگم نے چائے کا کپ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، یہ بات تو آپ صحیح کہہ رہی ہیں...... مگر آپ کو کسی سے بھی ملتے وقت، اپنی باطن کی آنکھ کھول کر رکھنی چاہیے۔''

''کھلی ہوتی ہیں میری آنکھیں...... کالج میں پروفیسر رہی ہوں...... درجنوں لوگوں سے روزانہ ملنے کے تجربے بھی ہیں۔ کون کیسے کیسے گیم کھیلا کرتا ہے، یہ بھی سب جانتی ہوں مگر شائستہ جہاں واقعی ایک بہت ہی نفیس سی خاتون ہیں۔ ان کی ساس ایک وضع دار خاتون ہیں اور بے حد محبت کرنے والی بھی، ان کی پوتی مینا تو بے حد معصوم اور سیدھی سادی سی لڑکی ہے ان سب لوگوں سے مل کر مجھے واقعی اچھا لگ رہا ہے۔''

''اگر آپ کو اتنا ہی اچھا لگ رہا ہے تو سب لوگوں کو اپنے ہاں ڈنر پر بلائیں کہ ہم بھی سب سے مل لیں۔''

''یہی تو میں آپ سے کہنے والی تھی۔'' ساجدہ بیگم نے مسکرا کر اپنے میاں کو دیکھا اور ان کی انگلیاں فون کے بٹن پش کرنے لگیں۔

☆☆☆

''اللہ کا شکر ہے...... آذر کا رشتہ کتنا اچھا ہے...... ماشاءاللہ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ، اچھے عہدے پر فائز اور فیملی بھی کتنی اچھی ہے...... ہماری نہاں کا رشتہ کتنی محبت سے مانگا ہے۔'' ریاض صاحب نے سرشار لہجے میں کہا۔

''مجھے تو دلی طمانیت...... اس وقت ہوئی جب ہم نے انہیں یہ بتایا کہ نہاں ہماری لے پالک بچی ہے...... یہ دو دن کی تھی جب ہم نے ایدھی ہوم سے اسے گود لیا تھا۔ اس لیے جو بات بھی آپ کو کسی دوسرے سے معلوم ہو، ہم خود بتانا چاہتے ہیں تو انہوں نے کہا...... ہم یہ سب جاننے کے بعد آپ سے آپ کی بیٹی کے لیے سوالی بن کر آئے ہیں کہ ہمارے لیے یہ بات زیادہ اہم ہے کہ نہاں کو کس نے پالا ہے، نہاں کی پرورش کس کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ میں خوامخواہ ہی پریشان ہوتا رہا......'' ریاض صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''میری بیٹی کی شادی جب احمد انٹرپرائز کے مینجر آذر سے ہوتی دیکھیں گے تو خاندان کے سب لوگ حیران رہ جائیں گے۔ خاص طور پر ہمارے بہن بھائی...... جو ہماری

خوشیوں میں ہمیشہ روڑے اٹکانے کے عادی رہے ہیں......اور نہاں کا وجود انہیں خار کی طرح کھٹکتا ہے۔" نسرین بیگم نے کہا......اور ریاض صاحب کا چہرہ مسکراتے مسکراتے یکدم سوچوں میں گم ہوگیا کہ ان کے بھی کسی بہن بھائی کو نہاں اچھی نہیں لگتی تھی اور ان سب کا یہی کہنا تھا......خاندان میں بچے کم تھے کیا...... کسی ایک کے خرچے کی ذمے داری اٹھا لیتے......اور وہ بچہ تمہارا کہلاتا...... یہ کیا کہ غیر کی انجان سی لڑکی...... جس کے بارے میں یہ تک پتا نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کی اولاد ہے یا ہندو کی......اس کو پال کر آپ کو بھی کچھ نہیں ملنے والا...... کہ ایسی لڑکی کی شادی مسئلہ بن جاتی ہے۔" ریاض کے کانوں میں اس وقت پرانی باتیں یوں گونج رہی تھیں جیسے وہ کل کی بات ہو۔

"کیا ہوا، آپ نے کھانا کیوں چھوڑ دیا؟"

"خوشی میں......کیا کچھ کھا سکوں گا......بس آپ اچھی سی چائے بنا لائیں۔" وہ مسکرا کر بیوی سے بولے تو وہ فوراً کچن میں چلی گئیں۔

☆☆☆

"اور چند ہی دنوں بعد نہار ، کی منگنی آذر کے ساتھ ہوگئی۔ اس کی انگلی میں آذر کے نام کی انگوٹھی دمک گئی، کالج میں سہیلیوں کو پتا چلا تو ان سب نے ٹریٹ مانگی۔

"میں کل کالج کے کیفے میں تم سب کو ٹریٹ دے دوں گی۔" اس نے اپنی سہیلیوں سے کہا۔

"جی نہیں، یہاں کیفے کی ٹریٹ نہیں چلے گی، ہم کالج سے واپسی پر پزا ہٹ جائیں گے......اور پزا کھائیں گے۔" سہیلیوں کے گروپ نے ایک آواز ہو کر کہا۔

"اگر امی نے اجازت دے دی تو ٹھیک ہے، ورنہ کالج کے کیفے میں ہی تمہیں ٹریٹ لینی ہوگی۔"

"تم اچھے طریقے سے کیا اپنی امی کو منا بھی نہیں سکتیں۔" نہاں سے یہ بات اس کی دوست نجمی نے کہی تھی...... جب ہی تو وہ کالج سے آ کر ماں کے کہے بغیر ہر کام کیے جا رہی تھی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں...... جب سے کالج سے آئی ہو پاگلوں کی طرح کام کیے جا رہی ہو......نہ ڈھنگ سے کھانا کھایا، اور نہ ہی آرام......؟" استری کرتی ہوئی نہاں کے سامنے سے کپڑے اور استری ہٹاتے ہوئے ماں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"امی آپ سے ایک بات کہنی ہے......" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیسی بات......؟"

"میری کالج کی سہیلیاں...... کالج سے واپسی پر پزا ہٹ جانا چاہتی ہیں......اور وہ چاہتی ہیں......کہ میں ان کے ساتھ جاؤں!"

"مگر کیوں بیٹا کیا تم نے انہیں بتایا نہیں کہ کالج سے تم سیدھی گھر جاتی ہو...... تمہارے ابو نے صرف کالج جانے کی اجازت دی ہے، ادھر ادھر گھومنے کی نہیں۔"

"وہ چاہتی ہیں کہ میری منگنی کی خوشی میں وہ پزا ہٹ جا کر پزا کھائیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو تم اپنی سب سہیلیوں کو اپنے گھر بلا لو......ہم ان کا پسندیدہ پزا آرڈر کر کے اپنے گھر منگوا لیں گے...... وہ یہاں سے کھا کر اپنے اپنے گھر چلی جائیں......"

"وہ گھر نہیں آنا چاہتیں...... وہ تو وہیں جا کر کھانا چاہتی ہیں۔" نہاں نے انہیں بتایا۔

"بیٹا تم [illegible] سمجھتی ہو، تمہاری منگنی ہو چکی ہے۔ اگر سسرال کے کسی فرد نے تمہیں یوں ہوٹل میں بیٹھ کر اپنی سہیلیوں کے ساتھ گپ شپ کرتے دیکھ لیا تو وہ لوگ تو یہی کہیں گے نا کہ لڑکی تو بہت آزاد خیال ہے...... کالج سے واپسی پر گھومتی گھماتی گھر جانے کی عادی ہے اور میری بیٹی پر کوئی انگلی بھی اٹھائے تو کیا میں یہ سہہ پاؤں گی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی؟" نہاں نے سوچ کر باوثوق لہجے میں کہا۔ "غلطی میری ہی ہے، مجھے انہیں اسی وقت منع کر دینا چاہیے تھا۔ جو باتیں ہماری فیملی میں بری سمجھی جاتی ہیں تو مجھے اس کا خود ہی خیال رکھنا چاہیے۔" تب نسرین بیگم نے نہاں کو بے اختیار گلے سے لگا کر اس کی روشن پیشانی چوم لی۔

☆☆☆

عجیب لوگ ہیں۔ ہر چیز شکریہ کہہ کر ڈکار جاتے ہیں اور کام کی بات منہ پر نہیں لا رہے۔" سرفراز صاحب نے مسکرا کر بیوی سے کہا جو چنے کی دال کا حلوہ سینی میں جما کر ریحان کے ہاں بھجوا رہی تھیں۔

"ریحان حلوے شوق سے کھاتا ہے......کل گاجر کا حلوہ بھجوایا تو ان کی امی کہہ رہی تھیں کہ اس نے بہت شوق سے کھایا تھا۔"

"کب تک تم ان لوگوں کو حلق تک ٹھنساؤ گی، وہ ریحان کا رشتہ...... ہماری بیٹی کے لیے کب لائیں گے؟" سرفراز صاحب کے لہجے میں خاصی بیزاری سی تھی۔

"مجھے لگتا ہے انہیں ریحان کی شادی کی ابھی کوئی جلدی ہی نہیں ہے۔ میں شادی کے موضوع پر کوئی بھی بات لے کر آؤں وہ رسیاں تڑوانے لگتی ہیں۔" شائستہ جہاں نے شوہر کو بتایا۔

"عقلمند خاتون ہیں...... کھانا اور چاٹنا تو پسند ہے مگر کسی دوسرے کے کام آنے والی نہیں ہیں۔"

"تو میں کیا کروں، اب اپنے منہ سے تو خود کہنے سے رہی کہ میری مینا تمہارے بیٹے کی عاشق بن گئی ہے۔" انہوں نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"تم یہ تو کہہ سکتی ہو کہ ہماری مینا کے لیے ان دنوں رشتوں کی بارش ہو رہی ہے اور تم سوچ رہی ہو کہ ان میں سے کوئی رشتہ منتخب کر کے اپنی بچی کے فرض سے فارغ ہو جاؤ۔"

"اگر انہوں نے کہہ دیا کہ ہاں آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تو پھر؟"

"پھر آپ...... یہ فری کا ہوٹل تو بند کر دیں گی ناں جو روزانہ کچھ نہ کچھ ان کے ہاں اس طرح بھجوایا جاتا ہے...... جیسے ہماری ہاں ہن برس رہا ہو......" سرفراز کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"یہ بات بھی تو آپ کہا کرتے ہیں کہ کسی بھی نئے بزنس میں نقصان کا خانہ پہلے رکھا جاتا ہے اور پھر کسی کی للو چپو کرنے میں ہمارے پاس کوئی کمی تھوڑی ہے! ہمارے ملازم خود پکاتے ہیں اور خود جا کر دے آتے ہیں۔ ایسا کچھ کرنے میں کوئی ہمیں تکلیف تھوڑی ہو رہی ہے اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی پیسے کی کمی ہے کہ دس پندرہ ہزار کا روز کا خرچ کرنے سے ہمارا بجٹ آؤٹ ہو جائے گا۔" شائستہ جہاں نے شوہر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مگر مجھے چالاک لوگ کبھی پسند نہیں رہے۔ ریحان کی والدہ اب اتنی اندھی تو نہیں ہیں کہ انہیں ہماری مینا نظر ہی نہیں آ رہی ہے۔ وہ ریحان کے لیے لڑکی تلاش کر رہی ہیں تو ان کی پہلی نظر تو مینا پر ہی پڑنی چاہیے جبکہ انہیں مینا اچھی لگتی ہے اور جب آتی ہیں تو اس پر صدقے واری بھی جاتی ہیں تو پھر ان کی زبان پر مینا کا نام کیوں نہیں آ رہا۔" سرفراز احمد نے اپنے الجھے ہوئے خیالات کو سلجھاتے ہوئے کہا کہ ریحان تو انہیں بھی اچھا لگا تھا مگر اس کے گھر کے ماحول

سے وہ مطمئن نہیں ہوئے تھے اور وہ انہیں دبا ہوا سا لگا تھا۔ گھر کے افراد تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود لکیر کے فقیر نظر آتے تھے، ان کے بچے اپنے معاملات میں آزاد تھے وہ جو چاہے کیا کرتے تھے مگر ریحان کو کہیں جانا بھی ہوتا تھا تو وہ ماں کو بتا کر جایا کرتا تھا اور آنے کے بعد بھی پہلے ماں کے پاس آتا تھا اور پھر اپنے کمرے میں جاتا تھا۔

"خاتون نے اپنے بیٹے کے گرد خاصا گھیرا تنگ کر رکھا ہے۔" وہ یہ بات کئی بار مینا سے کہہ چکے تھے۔

"آپ فکر نہ کریں۔ مجھ سے شادی کے بعد ریحان کو میرے سوا کچھ نظر ہی نہیں آئے گا۔" مینا مسکرا کر کہتی تو وہ مسکرا کر اپنی بیگم کو دیکھنے لگتے کہ یہ تو انہیں اندازہ تھا۔ مینا جو کہتی ہے وہ کر کے دکھا دیتی ہے۔

☆☆☆

"نہیں امی نہیں...... میں تو کبھی مینا سے شادی نہ کروں۔" ریحان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ابھی شادی کرنے کو کون کہہ رہا ہے...... فی الحال منگنی کر دیتے ہیں سال بھر بعد تمہاری شادی بھی ہو جائے گی۔ تمہارے چچا، تایا بھی باہر سے آ کر شرکت کر لیں گے۔"

"شادی ہو یا منگنی...... میں نے مینا کے بارے میں کبھی اس نظر سے سوچا ہی نہیں۔"

"تو پھر کس کے بارے میں سوچا ہے...... کون ہے وہ......؟" اور ریحان کے دماغ پر نہاں یکدم چھا سی گئی...... اس کے برابر گاڑی میں بیٹھی ہوئی، کتاب پر نظریں ڈالے اس کے دراز بال ریحان پر اڑ اڑ کر آ رہے تھے اور وہ ان سے بے نیاز تھی۔ گاڑی سے اترتے وقت اس کا بڑا سا دوپٹا اس کی گھڑی میں اٹک گیا تھا تو وہ اسے کھینچتے ہوئے اتر گئی تھی۔ پھر بوتیک میں اس کو دیکھ کر حیران ہوتی ہوئی، نیچی نظروں سے شکریہ کہہ کر ایک دم چلی جانے والی...... سڑک پر گاڑی کے سامنے آ جانے والی۔

"ہونہہ...... میں بھی اتفاقی چیزوں اور اتفاق سے مل جانے والے لوگوں پر کتنا سوچنے لگتا ہوں۔"

"تم نام بتا دو، میں وہیں چلی جاؤں گی۔ بیٹے کو سوچتا پا کر نسرین بیگم نے بیٹے کو مسکرا

کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''واقعی......'' وہ شوخی سے بولا۔

''تو کون ہے وہ شہزادی...... جو میرے بیٹے کو اچھی لگی ہے۔''

''کوئی بھی نہیں۔'' یہ جملہ کہتے ہوئے یکبارگی اسے ہلکی سے چبھن کا احساس ہوا...... مگر یہ صرف چند لمحوں کی بات تھی، اس نے جو یہ سوچا تھا کہ اسے ضرور کھوجے گا اپنی سوچ پر اسے خود ہی حیرت ہو رہی تھی، میں بھی شاید خواہ مخواہ متاثر ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ ہنس رہا تھا۔

''تو پھر مینا کے ساتھ منگنی کرنے میں تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔''

''اعتراض تو نہیں ہے...... مگر ان کے گھر کا ماحول ہمارے گھر سے یکسر مختلف ہے۔''

''تمہیں بیاہ کر ان کے گھر تھوڑی جانا ہے جو تمہیں ان کے گھر پر اعتراض ہے۔''

''مینا بھی کچھ عجیب سی ہے کبھی مجھے دیکھتی ہے تو ایسے دیکھتی ہے...... جیسے میں کوئی حساب کا پرچا ہوں اور کبھی اپنی نظریں...... میرے جوتوں پر یوں گاڑھ دیتی ہے کہ مجھے یہ خدشہ ہونے لگتا ہے کہ کہیں ان میں تیل تو نہیں نکل آیا ہے۔'' ریحان نے تمسخرانہ سے لہجے میں کہا۔

''مینا بہت پیاری بچی ہے...... بڑے گھرانے کی لڑکی ہونے کے باوجود اپنے آپے میں ہے، اپنی دادی کی تو چہیتی پوتی ہے اور وہ اس کی تعریف کرتے ذرا نہیں تھکتیں......'' نسرین بیگم کے لہجے میں مینا کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

☆☆☆

''نہیں بھئی، منگنی ونگنی ہمیں نہیں کرنی۔ نہ ہمیں پسند ہے اور نہ ہی ہمارے ہاں ہوا کرتی ہے۔ ہم تو اپنی بیٹی کی شادی کریں گے، منگنی ڈھنگنی کے جھمیلے میں نہیں پڑنا چاہیے۔'' سرفراز صاحب نے واضح انکار کرتے ہوئے کہا۔

''نمران کا ایک ہی بیٹا ہے، ان لوگوں کے بڑے ارمان ہیں۔'' شائستہ جہاں نے اپنے شوہر کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ہماری کون سی دس بیٹیاں ہیں۔ ہماری بھی تو ایک ہی بیٹی ہے۔ ہمارے دل میں کیا اس کے لیے کم ارمان ہیں۔'' اب سرفراز صاحب سوالیہ لہجے میں بیوی سے پوچھ رہے تھے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں...... مینا ہماری اکلوتی بیٹی ہے مگر اللہ نے ہمیں دو بیٹے بھی تو عطا کیے ہیں...... اور ریحان کی تو نہ کوئی بہن ہے اور نہ ہی بھائی......''

''تو پھر ان کی ماں کو تو اپنے بیٹے کی شادی جلد کر دینی چاہیے۔''

''منگنی پہلا قدم ہی کہلاتا ہے جو شادی کی جانب ہوتا ہے۔ دوسری بڑی بات یہ ہے کہ ریحان کے کئی کزنز بیرون ملک مقیم ہیں جو صرف چھٹیوں میں ہی پاکستان آتے ہیں۔ اب وہ آئندہ سال آئیں گے تب ریحان کی شادی ہوگی...... اس سال وہ لوگ آ کر ابھی تو گئے ہیں واپس۔''

''تم منع کر دو...... وہ خود شادی کی بات کرنے آ جائیں گی۔ اگر انہیں ہماری مینا پسند ہے تو ہماری خوشی کو مقدم رکھیں گی۔''

''یہ بات میں نے مینا کے سامنے کہی تھی...... تو اس نے تو رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔''

''تو پھر اب کیا کریں؟'' بیٹی کی حالت جان کر وہ روہانسے ہو گئے۔

''آپ یہ کیوں نہیں مان لیتے کہ ریحان ہماری بیٹی کی پسند ہے، اس کے سوا وہ کسی دوسرے کا نام ہی نہیں سننا چاہتی...... اور وہ لوگ اگر منگنی کرنا چاہ رہے ہیں تو ہم کر لیتے ہیں۔ سال کا کیا ہے، وہ تو تیزی سے گزر جاتا ہے 2011ء ابھی تو شروع ہوا تھا کس تیزی سے ختم ہو چکا ہے اور 2012ء شروع ہو گیا۔''

''آپ نے مینا کو کبھی ٹھیک سے سمجھایا نہیں ورنہ اس کے لیے کوئی رشتوں کا کال تھوڑی ہے۔ ریحان سے کہیں زیادہ اچھے لڑکے ہمارے حلقہ احباب میں موجود ہیں مگر وہ تو ایسی پاگل ہو گئی ہے کہ ریحان کے سوا اسے کچھ نظر ہی نہیں آتا۔''

''کیا کریں، ضدی تو وہ ہمیشہ کی ہی ہے۔ جس بات پر بھی اڑ جائے تو باز کہاں آتی ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' سرفراز صاحب ایک گہری سوچ میں پڑ گئے۔

☆☆☆

''کیا...... کیا بکواس کر رہی ہو یا بونگیاں چھوڑ رہی ہو......؟'' شہزاد نے ہنس کر مینا سے کہا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں، آنے والے سنڈے کو میری انگیجمنٹ ہو رہی ہے۔" مینا نے اپنے گروپ کو انفارم کرتے ہوئے کہا۔

"تم کسی سے انگیجمنٹ کیسے کر سکتی ہو؟" شہزاد کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

"کیوں نہیں کر سکتی؟"

"منگنی ہو گی تو شادی ہو جائے گی۔"

"ظاہر ہے......"

"تو پھر ہمارے گروپ کا کیا ہو گا؟"

"تو کیا...... میں ساری زندگی یونیورسٹی میں ہی پڑھتی رہتی۔" شہزاد کی باتیں سن کر مینا کو ہنسی ہی تو آ گئی۔

"شادی کے بعد تم ہمارا گروپ، جو چھوڑ دو گی۔"

"گروپ تو کیا...... میں ریحان کے لیے پوری دنیا کو چھوڑ دوں گی۔" مینا نے ہنس کر کہا۔

"جب ہی تو ہم چاہتے ہیں کہ تم نہ ابھی کوئی منگنی کرو گی اور نہ ہی شادی...... اور یوں بھی تم جیسی لڑکی کو ان جھمیلوں میں پڑنا ہی نہیں چاہیے۔"

"مجھے شادی نہیں کرنی چاہیے؟" مینا نے تیوری تان کر پوچھا۔

"یار! تم ہمارے گروپ کی جان ہو، تمہارے بغیر تو یہ گروپ بے آب و گیاہ جائے گا۔ نہ اس میں کوئی رونق ہو گی اور نہ ہی کوئی تمہاری طرح شاہ خرچیاں کرنے والا ہو گا۔"

"اب میں تمہاری خوشی کے لیے اپنی خوشی سے تھوڑی منہ موڑ سکتی ہوں۔"

"ارے یار! منع کر دو تم۔ تمہارے چاہنے والے کیا کم ہیں جو خواہ مخواہ منگنی کا کھڑاگ پالو گی۔" شہزاد نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"میں تم سب کو انفارم کر رہی ہوں، تم سے مشورہ نہیں مانگ رہی۔" مینا نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا...... تو مایا نے شہزاد کو آنکھ کے اشارے سے خاموش ہونے کا کہا مگر مینا...... دیگر لوگوں کا تبصرہ سنے بغیر یونیورسٹی سے جا چکی تھی۔

☆☆☆

"آپ نے ان لوگوں کو کہہ دیا تھا ناں کہ منگنی سادگی سے ہو گی اور ہمارے مہمان

بہت زیادہ نہیں ہوں گے، چند قریبی عزیزوں کے علاوہ ریحان کے خاص خاص دوست اور چند آفس فیلو ہوں گے۔" ظہیر حسن نے اپنی بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مگر...... شائستہ باجی تو کہہ رہی تھیں کہ ہم لوگ جتنے چاہے اپنے مہمان لے کر آئیں بلکہ ان کی یہ خواہش بھی ہے کہ ہمیں زیادہ مہمانوں کو لے کر آنا چاہیے۔"

"منگنی سمپل سی ہونی چاہیے...... کیا فائدہ وقت اور پیسہ برباد کیا جائے۔" ظہیر حسن نے بیوی کو سمجھایا۔

"اچھا...... میں انہیں پھر فون کروں گی۔" نسرین بیگم نے میاں کو اطمینان دلایا۔

☆☆☆

اور جب ریحان کے ساتھ ٹوٹل 35 لوگوں کے ساتھ ظہیر حسن اور ساجدہ بیگم نے سرفراز ہاؤس میں قدم رکھا...... تو ان کے وسیع و عریض لان میں 300 کے قریب مہمان موجود تھے...... جہاں پریس کے فوٹو گرافرز کا ایک گروپ تھا اور کئی ٹی وی چینلز کے ارکان بھی اس تقریب کی کوریج کے لیے وہاں پر آئے ہوئے تھے...... صحافیوں کے بیٹھنے کا انتظام علیحدہ تھا۔ ریحان لائٹ اور ڈارک براؤن کرتہ شلوار اور واسکٹ میں ملبوس تھا...... اور بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔

ریحان کے داخل ہوتے ہی بینڈ بجانے والا گروپ خیر مقدمی دھنیں بجانے لگا۔ تمام مہمانوں نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ سرفراز صاحب نے بڑی محبت سے ریحان کو گلے لگایا۔ تھوڑی دیر میں مینا اپنی سہیلیوں اور اپنے یونیورسٹی کے گروپ کے جلو میں اسٹیج پر آئی۔ آج وہ واقعی بے حد حسین لگ رہی تھی۔ ریحان نے اسے پہلی مرتبہ بغور دیکھا تو وہ اسے اچھی لگی۔ ساجدہ بیگم نے یاقوت کے نگ جڑی خوب صورت سی انگوٹھی اپنی بہو کو پہنائی...... مینا نے ڈائمنڈ بھری رنگ ریحان کو خود پہنائی اور پھر اس کی سہیلیاں اور یونیورسٹی کے لڑکے جوڑے بنا کر ناچنے لگے...... تمام مہمانوں کو یہ بہت اچھا لگ رہا تھا مگر ساجدہ بیگم کو عجیب سا لگ رہا تھا کہ ان کے گھر کی تقریبات میں اول تو ایسا کچھ ہوتا نہیں تھا...... اور جہاں ہوتا بھی تھا وہاں زنانہ، مردانہ علیحدہ ہوتا تھا۔

اگر خواتین کا گانے یا ناچنے کو دل چاہتا تو وہاں مرد تو کیا کوئی بڑا لڑکا تک پر نہیں مار سکتا تھا مگر مینا کے یونیورسٹی کے لڑکے لڑکیاں ایسا ناچ رہے تھے کہ ان کے آگے فلمی مناظر ماند

ہو گئے۔ پھر ان کی آنکھیں پھٹ جانے کی حد تک کھل گئیں...... جب اپنی سہیلیوں کے کہنے پر یا پروگرام کے مطابق مینا ڈانس کرنے کے لیے اسٹیج پر آئی...... اپنا دوپٹا ایک طرف رکھا...... اور پھر کسی زوردار میوزک پر جو اس نے ناچنا شروع کیا تو ساجدہ بیگم کو تو ایسا لگا جیسے وہ پتھر کی ہو گئی ہیں...... اس کا ساتھ جس طرح شہزاد دے رہا تھا کہ شرمساری ہو گئیں اس دھماکے دار پرفارمنس میں پھر مینا کے یونیورسٹی فیلو بھی شریک ہوئے تھے مگر ظہیر حسن اور ساجدہ بیگم نظریں جھکائے اپنے عزیزوں سے جیسے منہ چھپا رہے تھے۔

''بھائی جان، آپ نے میری فرح کے لیے اس رشتے کی حامی نہ بھرنے کی وجہ یہی بتائی تھی ناں...... کہ میری فرح عبایا نہیں لیتی، حجاب نہیں پہنتی اس لیے مشکل ہوگا...... دو مختلف ماحول میں پلنے والے بچوں کا ایک ساتھ رہنا...... مسائل جنم لینے کا خدشہ ہو سکتا ہے مگر آپ نے اپنی بہو کا انتخاب کرتے وقت شاید پیسے کو مدنظر رکھا ہے۔'' ظہیر حسن کی بہن ان کے پاس بیٹھی اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

''ونس مور...... ونس مور۔'' مینا کا ڈانس ختم ہونے کے بعد تالیاں بج رہی تھیں اور اس سے کسی دوسرے ڈانس کی ریکویسٹ کی جا رہی تھی تب پھر چنگھاڑتا میوزک بجا۔ ساجدہ بیگم کا سر جھکتے جھکتے شانوں سے نیچے آ گیا تھا...... ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کریں تو کیا کریں۔ اسٹیج پر ان کی ہونے والی بہو ان کے بیٹے کے دوستوں، آفس کے کولیگز کے سامنے شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔

''جورا...... جوری چنے کے کھیت میں۔'' وہ ہوشربا رقص کرتے ہوئے مسکرا رہی تھی، شرما رہی تھی۔ ادائیں دکھا رہی تھی، ؟؟؟ اس کے یونیورسٹی فیلوز کی سیٹیاں ایک عجیب سی پچویشن پیدا کر رہی تھیں تب سامنے سے آتی شائستہ جہاں سے انہوں نے کہا..

''پلیز آپ...... یہ سب بند کروائیں ہمیں گھر جلدی جانا ہے۔ ہمارے گھر پر چند مہمان ایسے بھی موجود ہیں جو بیمار بھی ہیں اور ضعیف بھی۔'' شائستہ جہاں نے مینا کے ڈانس کے بعد کے دیگر تمام آئٹم فوری طور پر منسوخ کر دیے اور ساجدہ بیگم اور ان کے بہن بھائیوں کو سونے کے زیورات بطور تحائف دینے شروع کر دیے۔ وہ مہمان جو یہ پروگرام دیکھ کر ناک بھوں چڑھا رہے تھے قیمتی تحائف پا کر مسرور نظر آنے لگے۔ مگر ساجدہ بیگم کے چکر گھر جا کر بھی رکنے میں نہیں آئے۔

''منگنی کی دلہن...... میں نے تو کہیں بھی ناچتی ہوئی نہیں دیکھی...... یہ مینا کو ہوا کیا تھا؟'' گھر جا کر بھی ان کا یہ صدمہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔

''مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ مینا سیدھی سادی سی لڑکی ہے۔''

''اس کی دادی اپنی پوتی کی سادگی کی تعریفیں کرتی نہیں تھکتی تھیں۔''

''تو ایسی بہو اپنے بیٹے کے لیے آپ کو پسند آئی......'' ظہیر حسن بیوی سے طنزیہ لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

''مجھے تو احساس تک نہیں ہوا کہ وہ لوگ اس قدر ماڈ ہوں گے کہ اپنی بیٹی کو انجانے مہمانوں کے سامنے تک نچوا دیا...... اور غیر لڑکے کے ساتھ نچوا دیا۔''

''میں کیا کروں...... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا جب سے وہاں سے ہو کر آئی ہوں میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔'' ساجدہ بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔

''لوگ کیا کہیں گے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے دو سال سے لڑکی تلاش کر رہی تھی...... تو ایسی لڑکی منتخب کی ہے۔ جس میں حیا تک نہیں ہے، میں تو سوچ رہی ہوں کہ جا کر رشتہ ختم کر دوں۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور لہجہ گلوگیر سا تھا۔

''ہر گھر کا ماحول مختلف ہوتا ہے، وہ لڑکی جب ہمارے گھر آئے گی تو اسے یقیناً اندازہ ہو جائے گا۔'' بیوی کو یوں ہتھے سے اکھڑتا دیکھ کر ظہیر حسن نے انہیں سمجھایا۔

''اگر وہ نہیں ہوئی تو......؟''

''آپ نیک امید رکھیں...... یوں بھی شادی ہونے میں ابھی ایک سال باقی ہے، آپ وقتاً فوقتاً سمجھاتی رہیں گی کہ ہمارے گھر میں کن چیزوں اور کن باتوں کو پسند کیا جاتا ہے۔''

''پتا نہیں کیوں، مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے اپنے ریحان کے لیے کسی غلط لڑکی کا انتخاب کر لیا۔'' ساجدہ بیگم کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے، بیٹے کی منگنی کے بعد سے وہ مستقلاً روئے جا رہی تھیں۔

☆☆☆

''عجیب روکھے سے لوگ ہیں، ان کے دو مٹھائی کے ٹوکرے کے جواب میں ہم نے دس مٹھائی کے بڑے والے ٹوکرے بھجوائے ہیں اور دس من مٹھائی پا کر وہاں سے شکریے

تک کا فون نہیں آیا اور ملازم تو یہاں تک بتا رہا تھا کہ وہ یہ تام جھام دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ تم لوگ اتنی ساری مٹھائی کیوں لے آئے ہو...... اس کا تو بانٹنا بھی ایک مصیبت ہو گا، ہمیں مٹھائی بھیجتے ہوئے خوشی ہوئی اور انہیں بانٹنے کی مصیبت لگ رہی ہے۔" سرفراز صاحب اپنی ماں سے شکایتی لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"ان لوگوں نے ایسا دینا دلانا کہاں دیکھا ہو گا۔ یہ تو آدھ پاؤ مٹھائی بانٹنے والا خاندان ہے، ہم نے بانٹنے والے ڈبے بھی ایک، ایک کلو کے بنوا کر انہیں بھجوا دیے...... پریشان تو ہونا ہی تھا۔" اماں نے تمسخر سے ہنس کر کہا۔

"یہ تو خوشی کی بات ہے، اپنے خاندان میں فخر سے مٹھائی بانٹیں اور بتائیں کہ یہ ان کے بیٹے کے سمدھیانے سے آئی ہے۔ مٹھائی کھانے والوں کو بھی سواد آ جائے گا کہ ایسی لذیذ میوے سے بھری کھجور کی ٹکیاں انہوں نے کہاں کھائی ہوں گی۔" سرفراز صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم...... ان کے خاندان میں بالوشاہی بانٹنے کا رواج ہے یا موتی چور کے لڈو...... جو ہمارے گھر کے نوکر چاکر بھی نہیں چکھا کرتے۔"

"ریحان کی تو لاٹری نکل آئی ہے، ورنہ ہم تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ اپنی نازوں سے پلی بیٹی کو کسی مڈل کلاس فیملی میں بیاہیں گے۔"

"تم نے کوٹھی سیٹ کر کے تو دینی ہی ہے وہ شادی کے بعد بھی اپنے ہی حساب سے رہے گی کہ ہماری مینا کو شادی کے بعد مڈل کلاس فیملی کے مسائل کا سامنا کرنا ہو گا۔" اور سرفراز صاحب کچھ سوچتے ہوئے تائید میں اپنا سر ہلا رہے تھے۔

☆☆☆

"تمام ملنے والوں میں، رشتے داروں میں محلے کے ایک ایک گھر میں مٹھائی بھجوادی ہے پھر بھی یہ دو ٹوکرے بچ گئے ہیں۔ میں کہاں بھیجوں میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔" ساجدہ بیگم پریشان سی ہو گئیں۔

"افوہ، اس میں اتنا فکر مند ہونے کی کون سی بات ہے، آپ ایک ٹوکرا اپنے ان عزیزوں کے ہاں بھی بھجوا دیں جن سے دور پرے کی رشتے داری ہے اور خال خال ہی ملنا ہوتا ہے اور باقی مٹھائی کسی بھی دارالعلوم کے بچوں کے لیے بھیج دیجیے۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے کل مارکیٹ میں مجھے ریاض بھائی ملے بھی تھے، یہاں قریب ہی رہ رہے ہیں...... ان کی بیگم نسرین بھابی مجھے ہمیشہ بہت اچھی لگی ہیں۔ سلیقہ مند اور بے حد اچھی عادتوں کی ہیں۔ پہلے میرے ذہن میں ان کی بیٹی کا خیال آیا تھا۔" ساجدہ بیگم نے کہا۔

"اچھا...... وہی تو نہیں...... جنہوں نے چند دن کی بچی ایدھی ہوم سے لے کر پالی تھی۔" ظہیر حسن نے سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ تو ابھی چھوٹی ہو گی شاید اسکول کی طالبہ...... اور شادی کے لیے لڑکے لڑکی کی عمروں میں اتنا زیادہ گیپ نہیں ہونا چاہیے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ...... جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ لڑکی اگر پندرہ، بیس سال بھی چھوٹی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا...... وہ بالکل غلط کہتے ہیں۔ بے جوڑ شادیوں میں جنریشن گیپ آ جاتا ہے میاں اور بیوی کی سوچ ہمیشہ متضاد ہوتی ہے۔"

"تو آج سب سے پہلے نسرین بھابی کے ہاں مٹھائی دے آتی ہوں......" ساجدہ بیگم نے ٹوکری میں مٹھائی کا ڈبا رکھتے ہوئے کہا۔ "ان سے اسی بہانے مل بھی لوں گی۔"

☆☆☆

"تم ملنے کی بات کرتی ہو...... وہ موبائل پر بات نہیں کرتا۔" مینا نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"واٹ...... وہ تم سے موبائل پر بات نہیں کر رہا؟" شہلا حیرت سے چیخ ہی تو اٹھی۔

"ہاں، جب میں نے پہلی مرتبہ فون کیا تو وہ کہنے لگا کہ ابو کے ساتھ نماز پڑھنے جا رہا ہوں مسجد۔"

"کیا...... وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھتا ہے؟" سہیلیوں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں بھئی، باپ، بیٹا مسجد جاتے ہیں اور بڑی باقاعدگی سے جاتے ہیں۔ جب پہلی بار میرے پاپا اور ماما ریحان کے گھر گئے تھے تو شاید وہ مغرب کے وقت پہنچے ہوں گے مگر مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے کے بجائے دونوں باپ بیٹا گاڑی میں بیٹھ کر مسجد یوں بھاگے جیسے کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہو اور ان کا جانا ضروری ہو۔ کیا تھا کہ وہ بعد میں قضا نماز پڑھ لیتے تو......؟ ان کی امی بھی معذرت کرتے ہوئے نماز پڑھنے چلی گئیں...... (اینٹی کیٹس ہر ایک میں تھوڑی ہوتے ہیں) پاپا تو ان لوگوں کی اس حرکت کو دیکھ کر ہی مجھے سمجھا رہے تھے کہ ان کی فیملی میں تم جا کر خوش نہیں رہ سکتیں اس لیے اپنی ضد چھوڑو۔"

"بالکل ٹھیک کیا ان لوگوں نے، مہمانوں کی وجہ سے کوئی اپنی فرض نماز تھوڑی چھوڑا کرتا ہے......اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ بالکل غلط کرتے ہیں۔" علی ان کے گروپ میں نیا نیا شامل ہوا تھا اور اس کے خیالات بھی ان سب سے مختلف تھے۔

"تو کیا تم دوبارہ اپنے فیانسی کو فون نہیں کر سکتی تھیں؟" شہلا نے پوچھا۔

"ہاں یار! دو بار نہیں، تین چار بار بلکہ پانچ چھ بار کیا مگر کبھی اس نے کہا اس وقت میں آفس میں مصروف ہوں، میں کھانا کھا رہا ہوں، میں باہر ہوں، میرے پاس کچھ گیسٹ بیٹھے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔"

"ہو سکتا ہے اس کی بات صحیح بھی ہو مگر اس کو رنگ بیک تو کرنا چاہیے تھا ناں......آخر تم اس کی منگیتر ہو۔"

"ہاں، ایک مرتبہ فون کر کے صرف یہ پوچھا تھا۔" آپ نے مجھے فون کیوں کیا تھا۔ میں نے کہا بس ایسے ہی، کیا کوئی بات کہنی تھی؟ نہیں پھر او کے کہہ کر اس نے فون کاٹ دیا۔ جیسے اس کو مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔"

"اگر ایسی بات ہے، تو دفع کرو اس منگنی کو تمہارے چاہنے والے کیا کم ہیں۔"

"نہیں یار......یہ بات نہیں ہے، مجھے جب اس سے اتنی محبت ہے تو میری یہ محبت اس کے دل میں خود جگہ بنا لے گی اور سب سے خاص بات یہ ہے کہ ریحان مجھے اتنا اچھا لگتا ہے کہ اس کے سوا مجھے کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا اور ہر اچھی چیز ہر اپنی پسند کی چیز جب میرے پاس ہے تو پھر ریحان کیوں نہیں، تم دیکھنا......مجھ سے شادی کے بعد اسے خود اپنی قسمت پر رشک آیا کرے گا۔" مینا نے مسکرا کر کہا۔ اور اپنے گروپ کے ساتھ دیگر باتوں میں محو ہو گئی۔ مگر علی اسے حیرت اور تاسف سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ پسند کی چیز کی طرح پسند کے لوگ بھی اب حاصل کیے جاتے ہیں۔

☆☆☆

دروازہ نہاں نے کھولا تھا اور ساجدہ بیگم تو اس کی خوب صورتی اور اس کی باتیں سن کر اپنا دل مسوس کر ہی رہ گئیں۔

"نسرین بھابی......آپ کس کھوہ میں چھپی ہوئی تھیں......میں تو آپ کی بیٹی کو ابھی اسکول کی طالبہ ہی سمجھ رہی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ کی بیٹی گریجویشن کر رہی ہے۔"

"لڑکیاں ایک دم ہی بڑی ہو جاتی ہیں کہ پتا نہیں چلتا......" انہیں ساجدہ کی بات سن کر ہنسی آ گئی۔

"سچ کہہ رہی ہوں......مجھے آپ کی نہاں بہت اچھی لگی......کاش میں ایک ہفتہ قبل آپ کے گھر آ گئی ہوتی......" دل کی بات انہوں نے کہہ ڈالی۔

"نہاں کا رشتہ ماشاء اللہ بہت اچھی جگہ طے ہوا ہے......اور اس کے گریجویشن کے فوراً بعد ہی میں اس کی شادی کے فرض سے فارغ ہو جاؤں گی۔ اب آپ بتائیں......آپ نے اپنے بیٹے کی منگنی کہاں کی۔"

"سرفراز احمد......بہت بڑے صنعت کار ہیں ان کی بیٹی مینا کے ساتھ......"

"ظاہر ہے......ہم تو ان لوگوں کو نہیں جانتے......یقیناً بڑے لوگ ہوں گے۔"

"ہاں بڑے لوگ ہی ہیں، مینا کی تصویر میرے پاس ہے، دیکھیں......" انہوں نے پرس کی زپ کھول کر انہیں تصویر دکھائی۔

"اچھی ہے آپ کی بہو۔" چائے کی ٹرے لے کر آتی نہاں نے ٹرے رکھ کر تصویر دیکھی تو حیرت سے کہا۔

"ارے یہ تو مینا ہیں......ہاں ٹی وی کے کئی ڈراموں میں کام کر چکی ہیں اور شاید ایک دو اشتہاروں میں بھی آئی ہیں۔"

"کیا......آج کل بھی کوئی ڈراما ان کا ٹی وی پر آ رہا ہے۔"

"آج کل تو نہیں......مگر چند سال پہلے آیا تھا جو ان کے ڈانس کی وجہ سے بہت مقبول ہوا تھا۔"

"ٹی وی پر ڈانس کیے تھے......؟" ساجدہ بیگم کا سر چکرا سا گیا۔

"کیا آپ کو پہلے معلوم نہیں تھا، آپ کے گھر کے ماحول میں اور ان کے ہاں کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" نسرین بیگم نے ان کی اڑتی رنگت دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں، میں واقعی کچھ نہیں جانتی تھی۔"

"آنٹی......اب تو یہ ٹی وی پر بالکل نہیں آتیں، لوگ تو بھول چکے ہوں گے، مجھے تو صرف اس وجہ سے یاد رہ گیا کہ ہمارے انٹر کالج میں فن ڈیک میں یہ اپنے ڈرامے کی کاسٹ کے ساتھ آئی تھیں اور میں نے ان کو بے حد قریب سے دیکھا تھا۔ واقعی بے حد پیاری سی ہیں مینا

جی۔'' نہاں بات چیت میں دکھ اور تاسف کے اثرات کو زائل کرنے کی سعی کرتے ہوئے بولی مگر ساجدہ بیگم رکیں نہیں فوراً ہی اٹھ گئیں۔ حد تو یہ تھی کہ انہوں نے وہ چائے تک نہیں پی جس کا گھونٹ بھر کر انہوں نے چائے کی تعریف کی تھی۔

نسرین بیگم ان کے جانے کے بعد پریشان سی ہو گئیں...... اور دل میں سوچنے لگیں کہ کہیں ان سے یا نہاں سے کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی جو مینا کے بارے میں ایسی باتیں کہہ دیں۔ جن سے ان کو دکھ پہنچا...... اور ہنستی مسکراتی ساجدہ آب دیدہ سی اٹھ کر گئیں۔

☆☆☆

''یہ بات آپ کو ہمیں بتانی چاہیے تھی کہ آپ کی بیٹی صرف گھر کی تقاریب میں ہی نہیں، ٹی وی کے پروگرامز میں بھی ڈانس کیا کرتی ہے۔'' گھر آ کر انہوں نے پہلا فون مینا کے گھر کیا، جو ان کی دادی نے ریسیو کیا تھا۔

''آپ سے یہ کس نے کہہ دیا؟'' ہمارے رشتے داروں نے بتایا ہے، ریاض بھائی کی فیملی تو تصویر دیکھ کر ہی پہچان گئی کہ یہ ٹی وی اداکارہ ہونے کے ساتھ ماڈل گرل بھی ہیں اور یہ بات میں آپ کو بالکل سچ بتا رہی ہوں ہمارے گھروں میں تو ٹی وی بھی کوئی رغبت سے نہیں دیکھا جاتا۔ ریاض بھائی نے ایدھی ہوم سے چند دن کی لڑکی گود لی تھی مگر اس کی تربیت ایسی کی ہے کہ میں تو حیران رہ گئی عبایا پہننے والی حجاب پہننے والی...... نیک اور پیاری سی بیٹی...... جو کالج میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ گھریلو امور میں بھی طاق ہے۔ شادی بیاہ کے معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ پہلے ہی سے کھول کر بتا دینے چاہئیں۔''

''افوہ...... ساجدہ بیٹی تم نے تو اپنی رشتے دار کی ذرا سی باتیں سن کر بتنگڑ بنا دیا۔ ایسی باتیں تو اکثر فیملی میں اس وجہ سے کی جاتی ہیں کہ وہ خود اپنی لڑکی وہاں دینا چاہتے ہیں اسی وجہ سے وہ ایسی باتیں کر کے دوسروں کی لڑکیوں کو گرایا کرتے ہیں۔''

''نہیں آنٹی، یہ بات تو ہے ہی نہیں۔ میں آپ سے یہ سچ کہہ رہی ہوں کہ اس منگنی سے پہلے اگر میں نہاں کو دیکھ لیتی تو اسے ہی اپنی بہو بناتی...... کہ وہ ہمارے گھر کے ماحول کے حساب سے تھی مگر نہاں کی منگنی ہو چکی ہے...... اور ان لوگوں کا یہ بات بتانے کا مطلب کسی قسم کی تذلیل کرنا بھی نہیں تھا مگر انہیں حیرت اس بات پر تھی کہ ہم دونوں فیملیز کے رکھ رکھاؤ میں اور زندگی برتنے میں بے حد فرق ہے۔''

''ہمارے گھر میں تو ریحان بیاہ کر نہیں آئے گا ناں...... مینا تمہارے گھر جائے گی تو تم اسے اپنے حساب سے رنگ لینا......'' دادی نے ملائمت سے ہنس کر بات ختم کر دی اور غصے میں کھول کر اپنی بہو پر آئیں۔

''تمہارے سمدھیانے والوں نے چار دن میں ہی اپنی اوقات بتا دی۔ گھٹی ہوئی ذہنیت کے لوگ ہیں، ذرا بھی وسعت نہیں ان کی سوچ میں۔ بہو کو آبے لونڈے جابے لونڈے سمجھنے والا خاندان ہے۔ وقت نہیں گیا ابھی بھی ہوش کے ناخن لو، میں نے اسی دن بتا دیا تھا کہ مینا کا ڈانس دیکھ کر ساجدہ بیگم اور ان کے تمام مہمانوں کے چہرے کا جغرافیہ بگڑ رہا تھا بلکہ وہ تو مینا کے دوستوں کے گروپ کو ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھیں جیسے کوئی غنڈوں کے گروپ کو دیکھ رہی ہوں اور ابھی ہماری پوتی رخصت ہو کر ان کے گھر نہیں گئی ہے۔ وہ ہمیں لیکچر سنانے پر اتر آئی ہیں۔ پروفیسر ہوں گی اپنے گھر کی...... آج تو میں نے ان کی بات ہنسی میں برداشت کر لی، آئندہ اگر انہوں نے مجھے کوئی جارحانہ انداز میں فون کیا تو طبیعت صاف کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گی۔'' دادی کا جلال کسی صورت کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

''اپنی اوقات لوگ بھول جاتے ہیں، یہ تک بھول جاتے ہیں کہ وہ کس سے بات کر رہے ہیں اور کیا بات کر رہے ہیں۔ ان سے زیادہ حیثیت کے لوگ تو ہمارے ہاں ملازمت کر رہے ہیں...... اور آتے جاتے سلام کر کے گذر جاتے ہیں۔''

''اماں...... آپ تو جانتی ہی ہیں کہ یہ سب مینا کی وجہ سے ہی ہو رہا ہے۔ میں نے مینا کو منع بھی کیا تھا دبے دبائے ماحول کے لوگ ہیں، یہ تو کسی محفل میں غزل سن کر رغبت سے تالی تک بجانا نہیں جانتے...... تم اگر ڈانس کرو گی تو انہیں یہ سب بالکل اچھا نہیں لگے گا۔ یہ تو خوشی کو بھی خوشی کی طرح منانا نہیں جانتے۔ اس لیے اعتراضات تو ہونے ہی تھے اور اس کے لیے میں پہلے سے تیار بھی تھی۔'' شائستہ جہاں نے ساس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں یہ رشتہ طے کرنے سے قبل ہی انہیں بتا دینا چاہیے تھا کہ ہماری لڑکی ان کے چھوٹے سے گھر میں نہیں جائے گی بلکہ اپنے باپ کی دی گئی کوٹھی میں قدم رکھے گی۔''

''اماں آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، ریحان کی امی سے اگر میں اس قسم کی باتیں کرتی تو وہ کب کی رشتہ تڑوا لیتیں۔ آپ یہ مت بھولیں کہ ہم انہیں گھیر کر لائے ہیں۔ وہ ہمارے گھر آئیں نہیں بلکہ لائی گئی ہیں...... صرف اور صرف مینا کی وجہ سے۔ شادی ہو جانے دیجیے پھر جو

دل چاہے بینا کرے یا ہم کریں ہمیں ان کی پرواتک نہیں ہوگی۔ بلکہ گھاس بھی نہیں ڈالیں گے ہم...... ہمارا ملنا جلنا...... صرف اور صرف اپنی بیٹی اور اپنے داماد سے ہوگا اور ہم اپنے داماد کے اتنے لاڈ اٹھائیں گے کہ وہ اپنی سگی ماں کو بھول نہ جائے تو نام بدل دیجیے گا آپ میرا۔ ہماری بڑی آپا کے چاروں داماد کیسا ان کا کلمہ پڑھا کرتے ہیں اور ان چاروں نے نہ صرف اپنے والدین کو بلکہ بہن بھائی تک چھوڑ دیے ہیں ملنا تو دور کی بات...... وہ انہیں پہچانتے تک نہیں ہیں اور ان سب کے ذہنوں میں ایک ہی بات ہے کہ میرے یہ رشتے دار میری عزت، شہرت سے جلتے ہیں اس لیے مجھے ان سے دور ہی رہنا چاہیے۔'' شائستہ جہاں نے مسکرا کر کہا تو ان کی ساس بھی بے اختیار ہنس دیں۔

☆☆☆

''امی آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں؟'' ریحان کمرے میں داخل ہوا تو ماں کو پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے دیکھا تو پاس آ کر بولا۔

''بیٹا مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی کہ بینا جیسی لڑکی سے تمہاری منگنی کر دی۔''

''امی لڑکی آپ نے خود ہی پسند کی ہے اب آپ اس میں خود ہی کیڑے نکال رہی ہیں۔ جو ہوگا بعد میں دیکھا جائے گا آپ اس کو اپنے حساب سے ٹریننگ دیجیے گا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے جس ماحول میں پلی بڑھی وہ لڑکی ہے اس کو ہم اپنے ماحول میں ڈھال سکیں گے، کبھی نہیں...... ہرگز نہیں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے بولیں۔

''ساجدہ...... بینا آج کی لڑکی ہے اگر اس نے خوشی میں ناچ، گا لیا تو آپ نظر انداز کر دیں۔'' ان کے شوہر نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہماری فیملی کی سب خواتین حجاب اور عبایا پہن کر نکلا کرتی ہیں۔ پردے دار گھرانے کی بہو...... بھری تقریب میں ڈانس کرے گی تو یہ بری بات تو ہے ناں...... ہمارا ایک ہی بیٹا ہے اس کے لیے ہم ایسی بہو لائیں جس پر لوگ انگلیاں اٹھائیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ یہ رشتہ ہی ختم کر دیا جائے۔'' ساجدہ بیگم نے اپنے دل کی بات آخر شوہر کے اور بیٹے کے سامنے کہہ ہی دی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟'' شوہر نے حیرت سے بیوی کو دیکھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں، یہ سب دیکھنے کے بعد میرا دل نہیں چاہ رہا کہ ایسی لڑکی کو

میں اپنی بہو بناؤں۔''

''منگنی کرنے کے بعد رشتہ ختم کرنا نامناسب ہوگا۔ لوگ تو ایسے ہی باتیں بناتے ہیں۔'' شوہر نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''امی مجھے بینا سے نہ تو محبت ہے اور نہ ہی نفرت...... مگر منگنی توڑنا کوئی اچھی بات بھی نہیں ہوگی۔'' ریحان نے ماں سے کہا تب ساجدہ بیگم چپ سی ہو گئیں۔

کوئی آیا گیا آتا اور ان کی بہو کے بارے میں کوئی بات کرنے کی کوشش کرتا تو وہ سرعت سے موضوع ہی بدل دیا کرتیں۔

☆☆☆

شائستہ جہاں نے منگنی کے بعد سمدھیانے والوں کو دعوتوں میں بلانے کی کوشش کی مگر انہوں نے کسی نہ کسی بہانے سے منع کر دیا۔ کبھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کبھی کہیں ضروری جانا نکل آتا اور کبھی وہ اپنے اور اپنے شوہر کے کولیسٹرول لیول بڑھ جانے کا تذکرہ اس طرح کرتیں کہ جیسے کہیں جا کر دعوتی کھانا نقصان کے زمرے میں آ جاتا۔

ریحان کو بھی اکیلے...... انہوں نے اس وجہ سے نہیں بلایا تھا کہ وہ یہ بات جانتی تھیں کہ نہ تو وہ آئے گا دوسرے اس گھرانے میں یہ بات اچھی نہیں سمجھی جائے گی۔

عجب ٹھس سے لوگوں سے پالا پڑا ہے کہ نہ تو خود خوش ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اکلوتے بیٹے کی ماں کے دل میں اپنی بہو کے لیے ارمان کتنے زیادہ ہوا کرتے ہیں مگر یہاں تو سارے کے سارے اکل کھرے سے نظر آ رہے تھے۔ ساجدہ بیگم کا نہ تو اپنی بہو سے بات کرنے کو دل چاہتا تھا اور نہ ہی وہ اس سے ملنے کے لیے جاتی تھیں۔ حد تو یہ تھی کہ منگنی کے بعد انہوں نے سمدھیانے والوں کو اپنے گھر ایک مرتبہ بھی نہیں بلایا تھا۔

''بینا تیری ساری کی ساری سسرال ایک دم بور ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ ان لوگوں میں تو خوش رہ پائے گی۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا...... سوچ لے، ہاں۔'' وہ اپنے طور پر بیٹی کو ہر ممکن سمجھانے کی کوشش کیا کرتیں۔

مگر بینا کو تو ریحان کے سوا کوئی بھا ہی نہیں رہا تھا۔ ریحان منگنی کے بعد بھی بینا سے کوئی رابطہ نہیں رکھ رہا تھا مگر بینا خوش تھی۔

''شریف لڑکے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں، ان کا سارا پیار صرف اپنی بیوی کے لیے

ہی ہوا کرتا ہے اور ریحان صرف میرا ہے، صرف میرا......" تب بیٹی کی یہ باتیں سن کر شائستہ جہاں کا خون کھول سا جاتا۔

☆☆☆

کتنے ڈھیر سارے دنوں کے بعد وہ گھر سے نکلی تھیں ورنہ ان کا دل ایسا بجھ سا گیا تھا کہ کہیں جانے کو ہی نہیں چاہتا تھا۔ اپنی کزن کے ہاں جانا بھی وہ کب سے ٹالے چلی جا رہی تھیں۔ آصفہ ان کی سگی خالہ زاد بہن لاہور سے کب کی کراچی شفٹ ہو گئی تھی اور وہ ایک دفعہ بھی اس کے گھر نہیں جا پائی تھیں۔ جبکہ وہ کتنے ہی چکر لگا گئی تھی اور اب تو وہ ناراض ہو کر اپنے گھر بیٹھ گئی تھی...... فون کرنا بھی اس نے چھوڑ دیا تھا اور جب ساجدہ بیگم اس کے ہاں گئیں تو آصفہ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔

"ساجدہ آپا کیا آپ بیمار رہی ہیں...... آپ کا چہرہ اترا ہوا سا لگ رہا ہے؟" آصفہ نے انہیں بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بیمار تو نہیں ہوں مگر اپنے آپ کو بیمار محسوس ضرور کر رہی ہوں۔ نہ کھانا اچھا لگ رہا ہے اور نہ کہیں جانا...... جب ہی تو تمہارے گھر آنے میں اتنی تاخیر ہوئی ہے۔"

"اور اس کی وجہ آپ کے بیٹے کی منگنی ہو گی ناں۔" آصفہ نے بے ساختہ کہا۔

"یہ تم کیوں کہہ رہی ہو؟" ساجدہ تو پریشان ہو کر پسینے پسینے سی ہو گئیں۔

"آپ کا اور لڑکی والوں کے گھر کا ماحول جو مختلف ہے۔ ایک تو کلاس کا فرق...... دوسرے ماحول کا بھی فرق...... میں تو سوچ رہی تھی کہ مینا آپ کے گھر کیسے رہ پائے گی۔"

"لڑکیاں اپنے آپ کو اپنے شوہر کے رنگ میں خود ہی ڈھال لیا کرتی ہیں۔ میرا بیٹا تھوڑی رخصت ہو کر کہیں جائے گا۔" ساجدہ بیگم نے وہی سبق دہرا دیا جو ان کے شوہر انہیں باور کروایا کرتے تھے۔

"ایسا مت کہیں آپا...... میری بہو تو اپنے حساب سے چلتی ہے۔ اس نے سسرال کا کوئی رنگ نہیں اپنایا ہے بلکہ اپنے رنگ میں سب کو رنگنا چاہتی ہے جبکہ یہاں تو کلاس کا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔"

"وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟"

"اب ساری بہوئیں ہی ایسا کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ہماری زندگی ہے، ہم اپنے

حساب سے بسر کریں گے، ہماری بہو نے بھی ہمارے گھر کا ماحول چینج کر دیا ہے۔ اب تو الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ پہلے ہم لوگ سسرال کے بچے بچے سے ڈر کر رہا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے اور کہیں ویسا نہ ہو جائے کی تلوار ہر وقت ہمارے سر پر لٹکا کرتی تھی۔ اب تو بہویں ڈر کر نہیں رہا کرتیں بلکہ ڈرا کر رہتی ہیں۔ شوہر سے اپنے کمرے میں لڑیں گی بھی تو ان کے چلانے کی آواز باہر تک آیا کرتی ہے، بیٹے کی نہیں آتی۔" تب ساجدہ بیگم یہ سوچ کر ملول سی ہو گئیں کہ ان کا گھرانا بھی اپنا صاف و شفاف ماحول کھو دے گا۔

☆☆☆

"لڑکے کی ماؤں کے دماغ خراب اکثر کے دیکھے ہیں مگر ریحان کی ماں کا دماغ تو لگتا ہے کہ ساتویں آسمان پر رہتا ہے۔ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھ ہی نہیں رہی ہیں، میں نے خود فون کر کے بتا دیا کہ آج ہماری مینا کی سالگرہ ہے، گھر میں ایک چھوٹی سی تقریب ہے، آپ سب لوگ آیئے گا تو فوراً منع کر دیا اور جب میں نے کہا آپ کی بہو کی سالگرہ ہو رہی ہے تو آپ کی بھی خوشی ہے۔ تب بڑے نروٹھے پن سے بولیں...... ہمارے ہاں یہ سب بیکار کی خرافات نہیں ہوا کرتیں، ریحان اپنے آفس کے کام سے اسلام آباد گیا ہوا ہے اور اس کے ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے معذرت خواہ ہیں کہ ہمارے گھر سے کوئی بھی نہیں آ سکے گا جیسے مہارانی کو دوسرے شہر سے آنا پڑ رہا ہے۔" دادی جان غصے میں اپنی بہو کو سنا رہی تھیں۔

"اماں بات یہ ہے کہ نہ ہم انہیں پسند کرتے ہیں اور نہ وہ ہمیں...... یہ تو زبردستی کا رشتہ جوڑا گیا ہے...... جب تک چل رہا ہے چلنے دیجیے ورنہ...... مجھے ایسا ہرگز نہیں لگ رہا ہے کہ یہ بیل منڈھے چڑھے گی...... ہاں۔" شائستہ جہاں نے ساس کے سامنے اپنے دل کی بات کر دی۔

"اگر ایسی بات ہے تو ان سے فوری شادی پر زور ڈالو اور جب شادی ہو ہی جائے گی تو ہمارا ان سے ناتا ہی کوئی نہیں رہے گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے...... میں کل ہی جا کر ان سے بات کرتی ہوں۔" شائستہ جہاں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مٹھائی میں لپیٹ کر کڑوی گولی دینا کہ تمہاری بات ان کے حلق سے اتر جائے۔"

ساس نے سمجھایا۔

"آپ فکر نہ کریں، میں اچھے اچھوں کو کیا شیشے میں نہیں اتار لیا کرتی ہوں۔" لہجے میں زعم تھا۔

"مگر اس دفعہ تمہارا ٹکراؤ ایک بے حد چالاک عورت کے ساتھ ہے، جو دوسروں کے فائدے یا دوسروں کے طفیل پہنچنے والے مفادات تک کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی ہے۔"

☆☆☆

"پتا نہیں میری آنکھوں پر پٹی کیسے بندھ گئی...... کہ اپنے لیے ایسی بہو پسند کر لی...... جو کسی بھی طرح میری پسند کے آئینے میں فٹ ہو ہی نہیں سکتی۔" ان کی نظر میں بوتیک کا وہ منظر گھوم رہا تھا جب یونیورسٹی کا کوئی لڑکا مینا کے گلے میں اپنی بانہیں ڈالے اپنے لیے شاپنگ کر رہا تھا اور مینا چپ چاپ اس کو شاپنگ کروا رہی تھی۔

"منو......! میں یہ شرٹ لے لوں، یہ رنگ تو تمہارا فیورٹ ہے۔" وہ خوشامدی لہجے میں ہر شرٹ لیتے ہوئے ندیدے سے لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

ساجدہ بیگم...... جو اپنے بھانجے کے لیے گفٹ لینے کے لیے بوتیک میں داخل ہوئی تھیں ...... مینا کو اس طرح شاپنگ کرتے دیکھ کر الٹے قدموں ہی واپس ہو گئی تھیں۔ مینا کی تو ان پر نظر تک نہیں پڑی تھی۔ ہاں شہزاد نے انہیں پہلی نظر میں پہچان لیا تھا اور ان کی غصیلی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کے ہالے میں اس نے مینا کو لے لیا تھا۔ مینا کی منگنی ہونا...... ان کے پورے گروپ کو ہضم نہیں ہوا تھا۔ منگنی پھر...... شادی...... اس کا مطلب تو یہی تھا کہ سونے کی چڑیا ان کے ہاتھ سے نکلنے والی تھی۔

ساجدہ بیگم جس طرح پیر پٹختے ہوئے بوتیک سے باہر نکلی تھیں...... ان کے تیور دیکھ کر ہی شہزاد کو ایک آسودگی سی محسوس ہوئی تھی۔

"ان دنوں تو گلاس سے زیادہ منگنیاں ٹوٹا کرتی ہیں...... اگر مینا کی بھی منگنی ٹوٹ جائے تو ہماری وہ پریشانیاں جو اس کے جانے سے آسکتی ہیں وہ آ ہی نہیں سکتیں۔" شہزاد خود ہی سوچ کر مسکرائے جا رہا تھا۔

☆☆☆

ریحان اپنے کسی دوست کی شادی میں لاہور گیا ہوا تھا...... اور ظہیر حسن طبیعت خرابی کے باعث دوا کھا کر جلد لیٹ گئے تھے اور ساجدہ بیگم اپنے گھر کے لاؤنج میں چپ چاپ بیٹھی

تھیں۔ سر کا درد کسی صورت میں ٹھیک نہیں ہو رہا تھا...... اور طبیعت میں بے چینی بدستور بڑھ رہی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کریں تو کیا کریں۔

غیر ارادی طور پر انہوں نے ریموٹ ہاتھ میں لے کر چینل سرچ کرنے شروع کیے اور ایک چینل پر بے ہودہ سی ماڈلنگ دیکھنے کے لیے رکیں۔ لاحول ولاقوۃ کہہ کر وہ ریموٹ کا بٹن دبانے ہی والی تھیں کہ مینا کو دیکھ کر وہ ششدر سی رہ گئیں...... موسم بہار کے ملبوسات کے لیے لڑکیاں کیٹ واک کر رہی تھیں مگر انتہائی مختصر اور باریک سا لباس جو کسی بھی طرح ستر پوشی کا حق ادا نہیں کر رہا تھا...... مینا اسے پہنے...... زگ زیگ انداز میں ریمپ پر چل رہی تھی۔ ساجدہ بیگم کی آنکھوں سے تو جیسے برسات شروع ہو گئی۔ کب پروگرام ختم ہوا...... اور اس میں کیا کیا ہوا......؟ یہ سب انہیں بالکل معلوم نہیں تھا...... انہیں تو بس یہ پتا تھا کہ سینے سے شروع ہونے والا جھبلا جوان کی ہونے والی بہو نے پہن رکھا تھا، وہ انتہائی معیوب سا تھا جسے پہن کر وہ انہیں واقعی ایک چڑیل سی لگ رہی تھی۔

اگلے دن انہوں نے فون کر کے انتہائی دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ ''کل رات ٹی وی پر مینا کو ماڈلنگ کرتے ہوئے دیکھا...... بے حد رنج ہوا۔''

''اس سال تو اس نے کسی ماڈلنگ والے پروگرام میں حصہ لیا ہی نہیں۔'' فون چونکہ دادی نے ریسیو کیا تھا تو جواب بھی انہوں نے ہی دیا۔

''میں نے کل رات خود دیکھا ایسا پروگرام......'' ان کا لہجہ ہنوز شکایتی سا تھا۔

''جس میں وہ بے بی پنک جارجٹ کا جھبلا سا پہنے ہوئے تھی۔''

''ارے وہ تو دو سال پرانا پروگرام ہے۔ جب گڑیا نے نیا نیا یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ ان کے کہنے میں آ کر یہ پروگرام کر لیا تھا۔ سچی بات ہے میں بھی بہت خفا ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے کبھی ماڈلنگ کی ہی نہیں۔'' دادی نے قصداً جھوٹ بولا۔

ان کا جھوٹ اس وقت کھل گیا جب وہ ٹیلر کے ہاں سے اپنے کپڑے لینے گئیں تو کسی فیشن میگزین کے سرورق پر مینا کی تصویر اسی لباس میں موجود تھی اور ان کا ٹیلر ماڈسی خواتین کو وہ میگزین دکھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اس سال کے گرمیوں کے نئے ڈیزائن اس میگزین میں ہیں اور ایک چینل پر تو ان ملبوسات کی نمائش گزشتہ تین ماہ سے ہر ویک اینڈ پر ہو رہی ہے۔''

ساجدہ بیگم کو یوں لگا کہ اگر وہ کچھ دیر اور یہاں رکی رہیں تو چکرا کر گر جائیں گی۔

☆☆☆

''بڑی فتنی عورت ہے بھئی...... زبان پر کچھ، دماغ میں کچھ...... آنکھوں میں کچھ...... ویسے تو بڑی قابلہ بنتی ہیں...... میں ایسی ہوں ویسی ہوں، یہاں نہیں جاتی، وہاں نہیں جاتی...... یہ اچھا نہیں لگتا، وہ پسند نہیں، جیسی باتیں ہر وقت اپنے منہ میں دابے پھرتی ہیں اور ٹی وی پر کیٹ واک دیکھ کر ماڈلز تک کو پہچان رہی ہیں۔ ارے بھئی...... تمہیں کس نے کہا تھا کہ یہ فیشن کے پروگرام دیکھو، یہ تو یوتھ کے پروگرامز ہیں...... ان کو دیکھنے چاہئیں نا کہ سٹھیائی ہوئی عورتوں کو......'' ساس کی باتیں سن کر شائستہ کے آگ ہی تو لگ گئی تھی۔

''مجھے تو صاف لگ رہا ہے کہ ریحان کی منگنی انہوں نے ہماری مینا کے ساتھ کر تو دی ہے مگر وہ کر کے پچھتا رہی ہیں۔'' دادی نے تمسخر بھرے لہجے میں کہا۔

''پچھتا تو ہم بھی رہے ہیں...... کہ مینا کے لیے یہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا گھرانہ ملے گا...... جہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اعتراض کی انگلیاں اٹھیں گی۔'' شائستہ نے کلس کر کہا۔

''مینا نے تو ہم سب کو ہی مشکل میں ڈال دیا ہے۔'' دادی نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ایسی ویسی مشکل میں، بہت بڑی مشکل میں...... سائیکی بیٹی کو سنبھالنا کوئی آسان کام ہوتا ہے بھلا۔ جس چیز کی ضد ہو جائے اس کو لیے بغیر کبھی باز نہیں آتی۔ یہاں تو پھر...... اس کی زندگی کا معاملہ ہے...... وہ ریحان کو اپنی زندگی کہتی ہے۔'' شائستہ نے اپنی ساس سے دل گرفتہ سے لہجے میں کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... مگر مینا کو سائیکی بنانے میں تمہارا بھی ہاتھ ہے۔'' دادی نے قدرے غصے سے کہا۔

''میرا ہاتھ......؟ یہ آپ کہہ رہی ہیں۔'' ''اپنے بیٹے کا مزاج نہیں جانتیں...... کہ وہ مینا سے کیسے پاگلوں کی طرح محبت کرتے ہیں۔''

''ہاں...... تم دونوں کا ہی ہاتھ ہے، بیٹی کو کبھی ہتھیلی کا چھالا بنا کر نہیں رکھا جاتا مگر تم نے شروع سے اس کے منہ سے نکلی ہر بات کو اپنے لیے حکم کا درجہ دیا۔ کوئی ایسا کیا کرتا ہے بھلا۔

جس کی وجہ سے تم خود پریشان ہو رہی ہو۔ ایسے لوگ...... جن سے تم ناتا کبھی نہ جوڑتیں صرف اپنی بیٹی کی ضد کی وجہ سے جوڑا ہے اور اسے پایہ تکمیل تک...... جتن کر کے پہنچانا الگ ہوگا۔“

”جتن کر کے۔“ شائستہ نے حیرت سے ساس کو دیکھا...... اور ان کا کہا ہوا جملہ دہرایا۔

”ہاں ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔ ساجدہ بیگم تو کوئی بہانہ ڈھونڈ رہی ہیں...... کہ موقع ملے تو وہ رسی تڑوا کر بھاگیں۔“

”میں انہیں...... ان ہی کی رسی سے جکڑ دوں گی تب وہ کیسے بھاگ پائیں گی۔“ شائستہ نے مسکرا کر کہا تو دادی بھی بے اختیار ہنس دیں۔

☆☆☆

ظہیر حسن کئی دنوں سے دیکھ رہے تھے...... ساجدہ کے آنسو بات بے بات نکل رہے تھے...... ان کے ہاتھ سے گلاس ٹوٹا تو وہ رو دیں، ملازمہ نے اپنے بیٹے کی بیماری کی کہانی سنائی تو ان کی آنکھیں چھلک پڑیں اور جب مالی نے انہیں بتایا کہ جو انار کا پودا انہوں نے لگایا تھا وہ بالکل جل گیا ہے...... تو وہ یوں پھوٹ پھوٹ کر روئیں جیسے وہ کوئی پودا نہ ہو جیتا جاگتا انسانی وجود ہو۔

”کیا بات ہے ساجدہ......؟“ وہ ان کے مقابل ہو کر حیران سے بولے۔

”کچھ نہیں۔“ کہنی سے آنسو پونچھ کر وہ مٹر چھیلنے میں محو ہو گئیں۔

”کوئی بات تو ضرور ہے۔“ انہوں نے ان کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”کوئی بات نہیں......“ آنسو پھر بہنے لگے۔

”کیا ابھی تک منگنی کا سوگ چل رہا ہے۔“ انہوں نے مسکرا کر بیوی سے پوچھا۔

”نہیں...... یہ بات نہیں ہے۔“ ان کا لہجہ گلوگیر سا تھا۔

”ساجدہ...... اب ایک جیسا ماحول تو ان اپنے بہن بھائیوں کے گھروں کا بھی نہیں ہوتا۔ مینا جب ہمارے گھر آئے گی تو وہ ہمارے ہی ماحول میں ڈھل جائے گی۔“

”ہوں......“ انہوں نے تائید میں سر ہلایا۔ اب وہ ان سے کیا کہتیں کہ اس وقت ان کے دل و دماغ میں ایک قیامت سی چھائی ہوئی ہے جسے وہ کھل کر بیان بھی نہیں کر سکتیں۔ اپنی بات نہ وہ انہیں سمجھا سکتی ہیں اور نہ وہ اسے سمجھ سکتے ہیں کہ اب گانا، ناچنا اور ماڈلنگ کرنا

برائی رہی ہی نہیں بلکہ یہ تو اضافی خوبیاں ہیں۔ ہاں، خوبیاں جو چار چاند لگا رہی ہیں مگر ان کے گھرانے میں یہ خوبیاں، خامیاں سمجھی جاتی تھیں۔

وہ ایک عرصے تک کالج میں لڑکیوں کو اسلامک اسٹڈیز پڑھاتی رہی تھیں...... ان کے لیکچرز نے بہت زیادہ پر تو نہیں مگر چند ایک پر واقعی گہرا اثر بھی ڈالا تھا اور ان کے لباس سے لے کر ان کی گفتگو تک میں واضح تبدیلی آئی تھی۔ جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں اور جو عورت یا لڑکی اپنی زینتوں کا نظارہ کرانے کے لیے لباس پہنتی ہے وہ بے حیا ہے اور اب ان کے اپنے گھر میں آنے والی بہو...... ان کے تمام اصولوں کی نفی کر رہی تھی۔ وہ جس بات، جس چیز کو ناپسند کرتی تھیں وہ ساری چیزیں اس میں موجود تھیں سوچ سوچ کر ان کا دماغ پھٹا جا رہا تھا کہ وہ کریں تو کیا کریں۔ مسلسل سر کے درد نے ان کی آنکھوں کے گرد گہرے حلقے سے ڈال دیے تھے۔

☆☆☆

ریاض گھر میں آئے تو چپ چپ سے تھے نسرین بیگم نے ان کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں نے دو نوالے کھا کر ٹرے پیچھے کھسکا دی۔

”کیا بات ہے...... آپ نے کھانا نہیں کھایا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟“ بیوی کے لہجے میں فکرمندی گھلی ہوئی تھی۔

”ٹھیک ہوں۔“ وہ گہری سانس لے کر بولے۔

”تو پریشان سے کیوں ہیں؟“ اب نسرین ان کے پاس بیٹھ کر پوچھ رہی تھیں۔

”نہاں کے سسرال والے جلدی شادی پر زور دے رہے ہیں۔“

”کتنی جلدی چاہ رہے ہیں؟“

”وہ کہہ رہے ہیں کہ بس عید کے بعد۔“

”مگر پہلے تو انہوں نے خود کہا تھا کہ نہاں گریجویشن کر لے۔“

”ہاں، اب وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر اسے پڑھنا ہوگا تو شادی کے بعد پڑھ لے گی۔“

”عید آنے میں تو صرف تین ماہ باقی ہیں۔“

”جب ہی تو سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں، اتنے کم عرصے میں شادی کی تیاری کیونکر

ہو پائے گی۔"

"تو حامی بھرلیں......شادی تو کرنی ہی ہے۔" نسرین نے مسکرا کر کہا۔

"میرے پاس جو کچھ بھی ہے......وہ نہال کا ہی تو ہے۔"

"مگر میں اپنی بیٹی کی شادی دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہوں اتنے کم عرصے میں یہ سب نہیں ہو سکے گا۔"

"لڑکی کا لینا دینا ساری زندگی چلتا ہے اگر کوئی کمی رہ جائے گی تو بعد میں اس کا ازالہ کر دیں گے۔" نسرین بیگم نے شوہر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تو کیا میں یہ کہہ دوں کہ ہمیں آپ کی رائے سے کوئی اختلاف نہیں......ہم راضی ہیں۔"

"ہاں، ہم اپنی بیٹی کی شادی جلدی کر دیں گے۔" ریاض مسکراتے ہوئے اپنے موبائل کے بٹن پش کرنے لگے۔

☆☆☆

موبائل اٹھا کر انہوں نے دور پھینکا۔

"ہونہہ......جس سے بات کرو، اس کا مشورہ ہی انوکھا ہوتا ہے۔ جب میرا دل مینا کو اپنی بہو بنانے کے لیے قبول ہی نہیں کر رہا تو میں الٹے سیدھے چکروں میں کیوں گھن چکر بنوں۔ جب میں اس لڑکی کو پسند نہیں کر رہی......تو میں کیوں شادی کا جوا کھیلوں اور پھر ہار کو اپنا نصیب بناؤں۔" تب ساجدہ بیگم......اپنے بیٹے کی منگنی توڑنے کی ترکیبیں سوچنے لگیں۔ وہ خود ہی کوئی بات سوچتیں اور خود ہی اسے رد کر دیتیں......اپنی ترکیبیں انہیں خود ہی بودی اور ٹھس معلوم ہونے لگتیں۔

تین دن اسی سوچنے اور رد کرنے میں گزر گئے اور پھر ایک اچھوتا سا خیال ان کے دل میں ایسا آیا جسے سوچ کر ان کے لبوں پر مسکراہٹ رچ سی گئی۔

بیٹے کی منگنی کے بعد وہ پہلی مرتبہ اپنے سمدھیانے گئیں اور ان کی دادی سے بولیں۔

"آپ لوگوں کا تقاضا ہے کہ شادی جلدی ہو......مگر میرے بچے کو حال ہی میں ایسا یرقان ہوا کہ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ سال بھر تک تو اس کی شادی کا نام نہیں لینا۔ میں نے کہا......تم اتنے باہر سے جا کر ایم ایس کر آؤ......شادی کیا ہے وہ بعد میں بھی ہو جائے گی۔"

"ایسی بات ہے تو آپ کو فوراً شادی کر دینی چاہیے، بیوی ساتھ ہو گی تو آپ کے بیٹے کا اچھے سے خیال تو رکھ سکے گی۔ بیمار لڑکا، وہ بھی پردیس چلا جائے تو وہ مزید بیمار بھی ہو سکتا ہے۔" دادی نے بھی چھوٹے کو گھر تک پہنچایا۔

"نہیں بھئی......اتنی جلدی وہ شادی کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔"

"جب منگنی کی رسم کی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے ناں کہ اب اس لڑکی سے ہمارے بچے کی شادی ہو گی اور سیانے کہتے ہیں کہ کبھی شادی کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اچھا ہے مینا آپ کے گھر میں بہو بن کر جائے اور آپ کی خدمت کرے۔" شائستہ جہاں نے پینترا بدل کر کہا۔

"میں زبردستی تو نہیں کر سکتی ناں......" ساجدہ بیگم، ساس بہو کی باتیں سن کر بدحواس سی ہو گئیں۔

"اگر آپ کہیں تو ہم خود ریحان سے بات کر کے پوچھ لیتے ہیں کہ جلدی شادی کرنے میں آخر اسے کیا پریشانی ہے؟"

"وہ یہاں ہو گا تو آپ بات کریں گی......وہ یہاں ہے ہی نہیں۔"

"دیکھیں یہ گڈے گڑیا کی شادی نہیں ہو رہی، آپ اس کو بلاوجہ کیوں ٹالنا چاہ رہی ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ آپ کے پاس ایسی کوئی ٹھوس وجہ بھی موجود ہو گی۔" شائستہ جہاں کا جملہ تھا کہ برچھی......وہ بلبلا ہی تو گئیں اور خاصے ہتک آمیز لہجے میں بولیں۔

"ہمارے ہاں تو شادی میں ابھی خاصی دیر ہے اگر آپ لوگوں کو جلدی ہے تو مینا کی شادی کہیں اور کر دیں۔ میں اس بات کا بالکل برا نہیں مانوں گی۔ ظاہر ہے آپ لوگ لڑکی والے ہیں اور آپ لوگ اپنی بیٹی کی جلدی شادی کرنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے آپ کو وہی کرنا چاہیے جو آپ کی خواہش ہے۔ ماشاءاللہ حسین ترین آپ کی بیٹی ہے اور جیسی اچھی آپ کی فیملی ہے اس کے بارے میں تو صرف سن کر ہی اکثر لوگوں کی یہ خواہش ہو گی کہ آپ سے ناتا جوڑا جائے۔"

"آپ کیا چاہتی ہیں آپ دوسرے لوگوں کی نہیں اپنی بات کریں صرف اپنی بات؟" دادی کو ان کی باتیں سن کر غصہ ہی تو آ گیا۔

"میرے بیٹے کی شادی میں تو ابھی خاصی دیر ہے۔"

"کتنی دیر......؟ پانچ سال، دس سال یا اس کو بوڑھا کرنے کے بعد آپ اس کی شادی کریں گی۔" شائستہ جہاں کے جلال کا گراف بڑھنے لگا۔

"جب اللہ کا حکم ہو گا تب ہو جائے گی، مجھے کیا معلوم کہ کب ریحان کی شادی ہو گی۔" ساجدہ بیگم نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں وہ ساس بہو کو سوچوں کے منجدھار میں چھوڑ کر چلتی بنیں۔

"یہ سب منگنی توڑنے کا بہانہ ہے۔" ان کے جانے کے بعد دادی کا لہجہ حتمی سا تھا۔

"ریحان نے کل میرے میسج کا جواب دیا تھا...... وہ لوگ کبھی منگنی نہیں توڑ سکتے......" مینا اپنی دادی کی بات سن کر سرشار سے لہجے میں بولی۔

"مینا...... یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا...... اپنی منگنی کی تقریب میں تمہیں اپنے یونیورسٹی کے دوستوں کے ساتھ ڈانس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ قدامت پسند لوگ ہیں۔ ان کے ہاں کی خواتین کا بس نہیں چلتا کہ خواتین سے بھی پردہ کریں۔ آج بھی تمہاری ساس آئیں......تو اپنا برقع اوڑھے بیٹھی رہیں۔ صرف تمہارے ڈانس کرنے کی وجہ سے تمہاری منگنی ٹوٹ بھی سکتی ہے۔ تمہاری ساس کے مزاج اور عزائم مجھے کچھ اچھے نظر نہیں آ رہے ہیں۔" شائستہ جہاں نے خفگی بھری نظروں سے بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سب آپ کی خام خیالی ہے، ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔ میرا ڈانس دیکھ کر تو ریحان بہت خوش ہو رہا تھا اور اس کے دوست تو ہکا بکا سے رہ گئے تھے......ان لوگوں نے منگنی کی ایسی تقریب کہاں دیکھی ہو گی۔ ماما نے کس قدر تو تحائف دیے تھے۔ ساس کے لیے کڑے اور سیٹ چاچیوں، خالہ کے لیے لاکٹ اور مردوں کے لیے سب کے لیے راڈو گھڑیاں......اور بنارسی ساڑیاں تو بے حساب تھیں کہ جس کو دل چاہے وہ ان میں بانٹیں۔"

"بعض لوگ صدیوں کے بھوکے ہوتے ہیں، انہیں کتنا ہی کچھ ملے...... وہ سب ڈکار جاتے ہیں ان کی بھوک نہیں مٹتی۔ تمہاری ساس کا شمار بھی شاید ایسی ہی خواتین میں ہوتا ہے۔" شائستہ جہان نے کلس کر کہا۔

"یہ تو اچھی بات ہے پھر تو وہ منگنی توڑنے کی بات سوچ بھی نہیں سکتیں۔ آپ انہیں حلق تک تحائف ٹھنسا دیں......ان کی آواز خود ہی بند ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ آج وہ صرف آئی بھی اس وجہ سے ہوں کہ انہیں مزید تحائف کی بھوک ستا رہی ہو۔" مینا نے تمسخر سے کہا تو ماما

بھی اس کی ہم خیال ہو گئیں، واقعی اس نہج پر تو انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اس سے قبل کہ وہ سلکی کامدار ساڑیوں کے ساتھ میچنگ گولڈ کے ٹاپس ساجدہ بیگم کے ہاں بھجواتیں۔ ساجدہ بیگم کے گھر سے منگنی کا وہ تمام سامان واپس آ گیا...... جو انہوں نے لڑکے کو دیا تھا یا ان کے عزیز و اقارب کو دیا تھا۔ رتی سے رائی تک ایک، ایک چیز اس طرح واپس آئی تھی جیسے اسے کھول کر دیکھا تک نہ ہو اور ایک خط میں انتہائی معذرت کے ساتھ یہ لکھا گیا تھا۔

"ہمارے ہاں شادی میں ابھی دیر ہے اور آپ کو بے حد جلدی ہے اس لیے ہم یہ منگنی صرف آپ کی آسانی کے لیے ختم کر رہے ہیں۔ لڑکیوں کی شادی بروقت ہونی چاہیے، لڑکے کی شادی میں دیر سویر ہو تو کوئی ایسی معیوب بات نہیں سمجھی جاتی۔" یہ سب دیکھ کر شائستہ جہاں تو حق دق سی رہ گئیں۔ وہ تو ساجدہ بیگم کو بھوکی، ننگی، پتا نہیں کیا کیا سمجھ رہی تھیں...... مگر انہوں نے تو ان کی کوئی چیز نہیں رکھی تھی اور اپنے چڑھائے ہوئے کسی زیور کے مانگنے کا مطالبہ تک نہیں کیا تھا۔ مینا یہ سب احوال جان کر سراسیمہ سی ہو گئی۔ ریحان جو اسے اپنی زندگی لگا تھا جس کو دیکھ کر اس نے سوچا تھا کہ اپنی زندگی اسی کے ساتھ بسر کرے گی اس نے بھی ماں کو نہیں روکا...... تب اس نے ریحان کے موبائل پر میسج کر کے پوچھا۔

"یہ کیا مذاق ہو رہا ہے؟ منگنی کرنے کے بعد کیا کوئی اس طرح کیا کرتا ہے کہ لڑکی کے خوابوں میں آگ لگا دی جائے۔" ریحان نے اس ایس ایم ایس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا بلکہ اگلے دن اس نے اپنی سم ہی تبدیل کر لی تھی۔

سرفراز صاحب کا مارے طیش کے برا حال تھا......اور وہ ایک ہی بات کہہ رہے تھے کہ یہ منگنی ٹوٹی نہیں ہے بلکہ کسی نے تڑوائی ہے۔

"ریحان کے باپ سے جب بھی ملاقات یا فون پر بات ہوئی...... مجھے ایسا کوئی اندازہ نہیں ہوا۔ ریحان بہت اچھا لڑکا ہے جہاں وہ جاب کرتا ہے وہاں کا ہر شخص اس کے اچھے اخلاق کی تعریف کرتا ہے۔ سیدھا سادہ نیک لڑکا...... دیگر غلط چکروں میں بھی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں منگنی توڑنے کا فیصلہ ان کا گھرانہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ یہ کسی اور وجہ سے ٹوٹی ہے۔ جس کی وجوہ بھی مجھے جلد پتا چل جائیں گی۔"

"ریحان کی ماں بڑی چلتر عورت ہے، اس کی باتوں سے ہمیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنے ریحان کی شادی ہماری مینا کے ساتھ نہیں کرنا چاہتی...... یہ منگنی صرف اور صرف اس کی

وجہ سے ٹوٹی ہے۔'' دادی نے بیٹے کو بتایا۔

''نہیں اماں...... شادی بیاہ کے معاملات ہوں یا دوسرے، ہمارے گھروں میں اتنے بڑے فیصلے کوئی عورت تن تنہا نہیں لے سکتی۔ ہاں اس وقت لے سکتی ہے...... جب اسے کسی نے ایسی انفارمیشن دی ہو...... اور اس طرح دی ہو...... جس سے وہ پریشان ہوگئی ہو اور میں یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس شہر میں میرا کون ایسا دشمن چھپا بیٹھا ہے جس نے چھپ کر یوں وار کیا ہے کہ میری جان سے زیادہ عزیز بیٹی کی منگنی تڑوا دی۔''

''جو بھی ہوا...... اچھا ہی ہوا...... مجھے تو ریحان کا گھرانا بھایا ہی نہیں تھا...... اپنی مینا کی شادی کہیں اچھی جگہ پر ہو جائے گی۔'' دادی نے بیٹے کو تشفی دیتے ہوئے کہا وہ جانتی تھیں کہ وہ غصے میں پاگل ہو جاتے ہیں۔ شائستہ جہاں کا خیال تھا کہ منگنی ٹوٹنے کا سن کر مینا خوب شور و غل مچائے گی اور رونا دھونا ڈالے گی...... مگر وہ تو ایک لفظ بھی شکایت کا اپنی زبان پر نہیں لائی۔ ہاں وہ خاموش ضرور ہوگئی تھی اور اپنے ہاتھ میں پہنی رنگ اتار کر ماں کو دے دی تھی مگر کسی کو بھی کوئی الزام دینے سے احتراز کیا تھا۔

☆☆☆

''طبیعت خراب ہے تمہاری......؟ امتحان میں فیل ہوئی ہو...... یا گھر میں کوئی ایسی ویسی بات ہوئی ہے۔'' اس شام مینا اپنی ایک پرانی سہیلی کے پاس پہنچی تو اس کا ایک دم اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اس نے کہا۔

''میری منگنی ٹوٹ گئی۔'' مینا نے گلوگیر سے لہجے میں بتایا۔

''یقیناً تمہارے پاپا نے توڑی ہوگی۔''

''نہیں...... لڑکے والوں نے توڑی ہے۔''

''کوئی وجہ نہیں بتائی؟''

''کوئی خاص وجہ نہیں...... بس انہیں ابھی اپنے بیٹے کی شادی ہی نہیں کرنی ہے۔''

''کوئی دوسری لڑکی نظر آگئی ہوگی......؟'' سہیلی نے کہا۔

''کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی دوسری لڑکی نظر آ جائے تو پہلی والی منگنی تک کو توڑ دیا جاتا ہے۔'' مینا نے سادہ لوحی سے پوچھا۔

''ارے یار...... منگنی تو ڈھنگنی ہوتی ہے، یہ تو بغیر کسی وجہ کے ٹوٹ جایا کرتی ہے۔''

''بغیر کسی وجہ کے......؟'' مینا نے اپنی آنکھوں پٹپٹائیں۔

''ہاں، یار...... قسمیں، وعدے، گھڑے، اسمبلیاں اور منگنیاں تو ہمیشہ سے یوں ہی ٹوٹتی آئی ہیں۔''

''تو پھر میں کیا کروں''؟

''کچھ بھی نہیں، تھوڑے عرصے بعد...... ٹھاٹ سے شادی کر وہ...... اور اب منگنی ونگنی کے چکر میں بالکل بھی مت پڑنا۔ سمجھدار گھرانے تو اب منگنی کے مخالف ہوگئے ہیں۔''

مینا گم صم سی واپس لوٹ آئی۔ وہ اپنے دل سے جتنا ریحان کو نکالنا چاہ رہی تھی وہ اتنا ہی وہاں جم کر بیٹھا تھا۔ ''میرا تم سے اب کوئی واسطہ نہیں، تم میرے دل سے میری یادوں سے نکل جاؤ......'' وہ تکیے میں اپنا منہ چھپا کر سسک کر کہتی اور اسے یوں لگتا...... جیسے وہ اس سے کہہ رہا ہو۔

''جاؤ ہم نہیں جاتے، تم کیا کر لوگی۔'' تب اس کی گھٹی گھٹی چیخیں...... تکیے کی روئی میں مدغم ہو جاتیں۔

☆☆☆

''ہماری بات کا مطلب آپ بالکل غلط سمجھے ہیں، ہم نے شادی کی جلدی کے لیے تو ضرور کہا تھا مگر ہماری کسی بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ آپ نہاں کے جہیز کے لیے ہنگامی طور پر شاپنگ کرنا شروع کر دیں۔'' نہاں کے ہونے والے سسر ریاض صاحب کے گھر آئے...... تو ان کے گھر سوزوکی سے مختلف سامان اترتا دیکھ کر پریشان ہو کر بولے۔

''بھائی صاحب بیٹی کی شادی ہے...... اسے خالی ہاتھ رخصت کروں گا تو سب یہی کہیں گے کہ اپنی بیٹی ہوتی تو میں جہیز دیتا...... پالی ہوئی بیٹی کو اپنے سر سے بوجھ کی طرح اتارا ہے...... اللہ جانتا ہے کہ نہاں میرے دل کا ٹکڑا ہے...... اور اس سے مجھے اتنی محبت ہے کہ جس کا میں لفظوں میں ذکر بھی نہیں کر سکتا۔''

''مجھے آپ کی بات کا یقین ہے اور میں آپ کے حالات سے بھی بخوبی واقف ہوں تو آپ یہ یقین کیوں نہیں کر لیتے کہ آپ کی بیٹی...... اب میری بیٹی بن جائے گی...... اور جب بیٹیاں اپنے گھر جاتی ہیں تو ان کا استقبال کرنے والے ان کی ضروریات کا خود ہی خیال رکھتے ہیں۔ آپ نے نہاں کو اچھی تربیت دی، پڑھایا لکھایا، یہ فرض کوئی کم ادا کیا ہے آپ نے۔''

نہاں کے سسر کی باتیں سن کر ریاض صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو دوسروں کی پریشانیوں کو سمجھتے ہیں۔

☆☆☆

''تم نے اپنی پسند سے ریحان کی منگنی کی اور خود ہی ختم کرنے کے لیے ایسی اتاؤلی ہو گئیں کہ بیمار تک پڑ گئیں اور آخر منگنی تڑوا کر ہی دم لیا۔'' ظہیر حسن نے اپنی بیوی سے کہا۔

''ہاں، منگنی ختم ہونے کے بعد میرے سر سے ایک انجانا سا بوجھ اتر سا گیا۔''

''اور میرے سر پر ڈھیر سارے وزنی گٹھر آ گئے ہیں۔'' ظہیر حسن نے دھیمے مگر پریشان سے لہجے میں کہا۔

''آپ کو کیسی پریشانی......؟'' ساجدہ بیگم نے حیرانی سے شوہر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سرفراز صاحب کا مقام...... نہ صرف ہمارے شہر میں بلکہ ہمارے ملک میں بہت بڑا ہے اور لوگ ان کی بے حد عزت کرتے ہیں، میں تو اس بات پر ہی حیران تھا کہ انہوں نے ہمارے ریحان کا رشتہ قبول ہی کیونکر کر لیا اور اب ہم نے منگنی ختم کر کے ان کو دکھ تو پہنچایا ہے۔ ایک نیک اور نفیس سے شخص کے ساتھ یہ سلوک ہوتا دیکھ کر میرا دل مجھے صبح شام صلواتیں سنا رہا ہے اور جب کبھی ان سے اگر ملاقات ہو گئی تو میں تاسف سے چھپتا پھروں گا۔''

''ہم نے کوئی بے عزتی تھوڑی کی ہے اور نہ ہی ان سے کوئی ایسی بات کہی ہے کہ جس سے ان کو کوئی صدمہ ہوتا ہو۔ ہم نے تو بے حد مہذب انداز میں منگنی اس وجہ سے ختم کی ہے کہ ہم اتنی جلدی اپنے بیٹے کی شادی نہیں کرنا چاہتے۔''

''آپ کچھ ہی کہیں مگر آپ کی بات کا مطلب وہ یہی لیں گے کہ مینا آپ کے معیار پر پوری نہیں اتری، اس لیے آپ نے یہ منگنی ختم کر دی۔''

''اب وہ جو چاہیں سمجھیں...... ہماری بلا سے۔ ہمارے بچے کی تو جان چھوٹ گئی۔''

تب ریحان جو اپنے لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا وہ بے اختیار ہنس دیا۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' ظہیر صاحب اور ساجدہ نے ایک آواز بیٹے سے پوچھا۔

''کچھ نہیں...... اپنے دوستوں کی شرارت پر ہنسی آ رہی تھی۔''

''کیسی شرارت؟'' ساجدہ بیگم نے پوچھا۔

''کوئی خاص نہیں، بس ایسے ہی۔'' وہ لیپ ٹاپ بند کر کے کمرے سے جاتے ہوئے بولا۔

''بیٹا تمہیں تو اپنی منگنی ٹوٹنے کا غم نہیں ہے؟'' ماں نے پوچھا۔

''نہیں امی، غم کیسا جتنی خوش آپ ہیں اتنا ہی میں بھی۔'' وہ ماں کو متفکر سا پا کر دلاسا دیتے ہوئے بولا۔

''تمہارے پاپا کو بہت افسوس ہو رہا ہے۔'' وہ تمسخر سے بولیں۔

''پاپا کو کیوں افسوس ہو رہا ہے؟'' ریحان نے باپ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ساری زندگی سرکاری افسر رہے ہیں ناں...... افسران کے آگے یس سر کی عادت ان کی گھٹی میں رچ بس جو گئی ہے۔ اب نو سر کہتے ہوئے یا سنتے ہوئے انہیں عجیب سا تو لگے گا ناں......'' ظہیر حسن کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆☆☆

''نہ وہ سہیلیوں کے ساتھ کیفے ٹیریا گئی تھی نہ اس نے کوئی کلاس اٹینڈ کی تھی۔ کلاسز آف ہونے کے بعد اس کے دوستوں کا گروپ مووی دیکھنے نکلا تو اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ وہ وہیں گھاس پر بیٹھی گھاس نوچ نوچ کر پھینک رہی تھی۔

''ارے تم ابھی تک یہاں ہو؟'' شہزاد کسی کام سے دوبارہ وہاں آیا تو اسے یوں پریشان سا بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس آ کر بولا۔

''ہاں...... گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔''

''کوئی بات نہیں، مت جاؤ...... آج تم میرے ساتھ گھومو۔''

''نہیں......''

''بات کیا ہے، یہ تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟'' شہزاد نے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''میری منگنی ٹوٹ گئی۔'' وہ شہزاد کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''تو کیا ہوا......؟'' ایک طمانیت کی گہری سانس لے کر اس نے پوچھا۔

''ریحان کی امی نے مجھے ریجیکٹ کر دیا۔''

''تمہیں کوئی ریجیکٹ کر ہی نہیں سکتا اور جس نے ایسا کیا ہے، اس نے اپنے پیر پر

خود کلہاڑی ماری ہے۔"

"آنٹی سے کسی نے آ کر کہہ دیا کہ مینا سے شادی مت کرنا...... تو انہوں نے منگنی توڑ دی۔"

"ایسا کس نے جا کر کہہ دیا، یہ تو بہت بہادری کا کام ہے۔"

"پتا نہیں، کون میرا دشمن ہے۔"

"میں نے تو نہیں کہا حالانکہ مجھے بھی ریحان سے جلنا تو چاہیے تھا ناں......" وہ تمسخر سے ہنس کر بولا۔

"میں کیا کروں شہزاد......؟" مینا گلوگیر لہجے میں بولی۔

"میرے ہوتے ہوئے تمہیں فکر اور غم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، میرے ساتھ گھومو، پھرو اور عیش کرو۔"

"مگر میری تو منگنی ہوئی تھی۔" اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"مینا ایک بات کہوں، برا تو نہیں مانو گی۔" وہ کچھ سوچ کر بولا۔

"تم جیسی لڑکی کو یہ منگنی ونگنی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... یہ تو مڈل کلاس فیملیز میں ہوا کرتی ہیں۔ تم جیسی لڑکی کو پانے کے لیے تو لوگ خواب دیکھا کرتے ہیں، جتن کیا کرتے ہیں۔ اس لیے تمہیں ریحان کے نہ ملنے کا دکھ بالکل بھی نہیں کرنا چاہیے۔ اسمارٹ نس میں کیا میں ریحان سے کم ہوں...... جو تم یہ غم منا رہی ہو۔" شہزاد ہنستے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔

"یوں بھی جوائنٹ فیملی سسٹم...... تو تم جیسی لڑکیوں کو کبھی سوٹ ہی نہیں کرے گا، سوٹ تو خیر شادی بھی نہیں کرے گی۔" اور مینا حواس باختہ سی شہزاد کی باتیں سنتی رہی اور پھر چپ چاپ اٹھ کر چل دی...... وہ پیچھے سے آوازیں دیتا رہا...... مگر اس نے ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا۔ شہزاد نے کہا تھا ہنس کے اور مینا کے لگا تھا کس کے...... اس کے دماغ پر شہزاد کی بات...... "سوٹ تو تمہیں خیر شادی بھی نہیں کرے گی......" کسی پتھر کی طرح لگی تھی۔

"جب ہی ساجدہ آنٹی نے یہ منگنی توڑ دی......" اس نے اپنے آپ کو باور کرایا۔

"کیا میں ایک نارمل لڑکی نہیں ہوں۔" اس کے ذہن میں نیا فتور سمایا۔ اپنی سہیلی نوما کو فون کر کے پوچھا تو اس نے ہنس کر کہا۔

"جو تمہیں نارمل تسلیم کرے، وہ خود ایب نارمل ہوگا۔" سہیلی کی بات سن کر وہ پھیکی سی

ہنسی ہنس دی۔

"امی...... کیا میں نارمل لڑکی نہیں لگتی آپ کو۔" وہ ماں کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ نہ جانے کس بات پر آف موڈ میں تھیں غصے سے بولیں۔

"کس نے تم سے کہہ دیا کہ تم نارمل ہو۔ اگر نارمل ہوتیں تو تمہاری منگنی کبھی نہ ٹوٹتی۔ کاش تم انسانوں کی طرح رہو تو ہماری پریشانیاں کبھی نہ بڑھیں۔"

"خدایا...... میں گھر کے لوگوں کے لیے پریشانی ہوں اور مجھے اس کا علم ہی نہیں۔ جب ہی تو کسی نے آسانی سے میری منگنی تڑوا دی۔" تب اس نے ایک لمبا چوڑا خط لکھا...... جس میں اپنی محرومی کا ذمے دار اس ہستی کو ٹھہرایا جس نے اس کی منگنی تڑوائی ہے اسی لیے یہاں سے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ خط لکھ کر کافی دیر تک روتی رہی۔ ماما کی تصویر سینے سے لگا کر معافی مانگتی رہی، پاپا کی تصویر آنکھوں سے لگا کر دھواں دھار روتی رہی مگر سائیکی ہونے کے سبب وہ یہ جان نہیں سکی کہ اپنی جان خود لینا گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی لئے وہ ایسی ضرر رساں گولیاں کھا گئی...... جس کو کھا کر موت یقینی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن جب وہ ناشتا کرنے باہر نہ نکلی تو ملازمہ نے اندر آ کر دیکھا...... تو وہ ہمیشہ کے لیے سو چکی تھی۔ پورے گھر میں کہرام مچ گیا اور یہ خبر جنگل میں لگی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی...... مصروف صنعت کار سرفراز کی اکلوتی بیٹی نے خودکشی کر لی۔ سرفراز احمد تو جیسے پاگل سے ہو گئے۔

"میری بیٹی نے خودکشی نہیں کی ہے، اس کو قتل کیا گیا ہے۔ ہمارے کسی دشمن نے اسکو مار دیا۔" وہ تڑپ تڑپ کر ہر آئے گئے سے کہہ رہے تھے اور تعزیت کرنے والوں کو ان کی ذہنی حالت جان کر صدمہ ہو رہا تھا۔

ظہیر حسن، ساجدہ بیگم بھی ان کے ہاں پرسے کو آئے تھے۔ اور اپنے گھر جا کر شکر ادا کیا تھا کہ یہ سانحہ شادی کے بعد بھی ہو سکتا تھا۔

دادی جان کو بھی اپنی لاڈلی پوتی کی جدائی شاق گزری تھی۔ دونوں بھائی بھی صدمے سے چور تھے۔ ماں کی حالت بھی کچھ جدا نہیں تھی...... مگر جو حالت سرفراز احمد کی تھی...... وہ خاصی تشویشناک تھی انہیں کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔

''میری شہزادی سی بیٹی نے صرف اتنی سی بات پر یہ دنیا چھوڑ دی کہ اس کی منگنی ٹوٹ گئی۔ اس نے اپنے دل پر اتنا غم لے لیا تھا اور میں اس کے غم سے غافل رہا۔ کاش مجھے وہ گھرانہ کہیں ایک بار تو مل جائے تو میں ان سے جا کر پوچھوں...... کہ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ میری تم سے کیا دشمنی تھی جو تم نے میری بچی کے حق میں یوں کانٹے بو دیے۔ تم کیسے شقی القلب لوگ ہو کہ تم نے میری بیٹی کی جان لے لی...... میری معصوم سی بچی پر کیوں ایسا قہر ڈھایا تم نے۔'' ان کا رونا شروع ہوتا تو کسی صورت رکنے میں ہی نہیں آتا تھا۔

''غلطی تو آپ کے سمدھیانے والوں کی بھی ہے اگر کسی نے کوئی الٹی سیدھی بات کہہ بھی دی تو انہیں منگنی تو نہیں توڑنی چاہیے تھی۔ کوئی پلاسٹک کی منگنی تھوڑی تھی جو جھٹ سے توڑ بھی ڈالی۔'' کسی نے سرفراز احمد کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں غلطی تو ان کی بھی ہے مگر جب کوئی کسی کے کانوں میں زہر بھرے گا تو میرے لحاظ سے تو اصل مجرم تو وہی ہوا ناں......'' وہ غصے سے سرخ آنکھوں کو گھماتے ہوئے بولے۔

''اور مجھے جلد پتا بھی چل جائے گا کہ یہ حرکت کس کی ہے...... جس کی وجہ سے میری معصوم سی بچی ہم سب کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی ہے۔'' دادی جان اپنے بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر مزید پریشان ہو جاتیں کہ وہ دیکھ رہی تھیں کہ سرفراز احمد کی ذہنی حالت ابتر سے ابتر ہوتی جا رہی تھی اور ان کے دماغ میں بدلے کی آگ بری طرح دہک رہی تھی۔

یہ بھی اللہ کا ہی کرم تھا کہ انہیں اس سارے معاملے میں ریحان کا گھرانہ اتنا قصوروار نظر نہیں آ رہا تھا جتنا کہ وہ گھرانہ نظر آ رہا تھا جس کے کہنے میں آ کر انہوں نے منگنی توڑی تھی اور وہ اس سے ناواقف تھے۔ دادی یہ سوچ کر بھی پرسکون تھیں کہ اگر کہیں انہیں ظہیر حسن کے رشتے دار ریاض کے بارے میں علم ہو جاتا تو پتا نہیں سرفراز احمد اس کا کیا حشر کرتے۔ اب وہ بیٹے کو تسلی دینے کی اپنی جانب سے پوری کوشش کر رہی تھیں۔

''اللہ کے پاس سب نے جانا ہے، موت کا ذائقہ ہر ذی روح نے چکھنا ہے۔ کوئی جلدی چلا جائے گا تو کوئی دیر سے مگر موت تو برحق ہے۔'' سرفراز احمد ماں کے پاس آ کر بیٹھتے تو وہ اسی طرح کی باتیں کرتیں۔

''مگر مینا کی عمر ابھی جانے کی تو نہیں تھی۔ وہ گئی نہیں ہے، اسے بھیجا گیا ہے اور کسی نے پری پلان بھیجا ہے۔ میں نے ظہیر حسن کی تمام فیملی کی لسٹ بنالی ہے اب مجھے جلد پتا چل

جائے گا کہ کس کس گھرانے کی نظر ریحان پر تھی۔ وہ کون لوگ تھے جو اپنی بیٹی...... ریحان کو دینا چاہتے تھے اور حقیقتاً وہی لوگ ہماری مینا کے دشمن ہوں گے۔ میں ان کے پورے خاندان کو موت کی نیند نہ سلا دوں تو میرا نام سرفراز نہیں۔'' وہ دہاڑتے ہوئے بولے۔

''انہیں پتا تو چل سکے گا کہ وہ کس سے بھڑے ہیں۔ سرفراز احمد...... کوئی معمولی شخصیت کا نام نہیں ہے...... ان جیسوں کو تو میں خرید کر پھینک دوں...... یہ لوگ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جائیں گے اور مجھے پتا بھی نہیں چلے گا۔''

''نہیں بیٹا...... ایسی کوئی بات نہیں ہے، ظہیر حسن کے بہن بھائی ایسے مزاج کے نہیں ہیں اور نہ ہی ان لوگوں نے منگنی توڑنے کی بات کی تھی...... انہوں نے تو خیر سے شادی کے لیے کہا تھا تو ہم نے ہی الٹا ان کو باتیں سنا کر کہا کہ ہمیں شادی کی جلدی ہے۔ اسی وجہ سے منگنی کا سامان واپس آ گیا تھا۔ وہ بے چارے تو سب ہی پریشان ہو گئے جب انہیں مینا کے انتقال کی خبر ملی۔ ان کے گھر سے سب ہی تو آئے تھے اور بے حد رنجیدہ بھی تھے۔''

''مگر اماں...... یہ باتیں بھی تو آپ نے بتائی تھیں کہ ریحان کی ماں جب مٹھائی بانٹنے اپنے عزیزوں کے ہاں گئیں تو انہوں نے کہا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی منگنی کہاں کر لی۔ دونوں خاندانوں کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ان کی تو لڑکی بھی بہت آزاد خیال ہے...... آپ کے گھر میں کیسے چلے گی۔''

''وہ تو ریاض کی بیوی نے کہا تھا۔'' دادی جان کے منہ سے بے ساختہ نکل ہی گیا اور وہ خود ہی سٹپٹا گئیں۔ اپنی بات کو ہلکا کرنے کے لیے خود ہی بولیں۔

''ان لوگوں نے صحیح ہی تو کہا تھا ہم لوگ امیر...... وہ لوگ ہمارے آگے غریب ہی تو ہیں فرق تو بہت ہے ناں۔''

''یہ ریاض...... ساجدہ بیگم کے رشتے دار ہوں گے...... ظہیر حسن کی فیملی کی لسٹ میں میرے پاس یہ نام تو نہیں ہے۔''

''ارے بیٹا، یہ تو عام سی باتیں ہیں جو عموماً لوگ بولا کرتے ہیں۔'' دادی جان اپنے بیٹے کا ذہن اپنی باتوں کی جانب لگانے کی پوری سعی کر رہی تھیں مگر سرفراز احمد کی حالت تو اس وقت عجیب سی ہو رہی تھی۔

''یقیناً ان کی کوئی لڑکی بھی ہو گی۔''

''ہاں ہے مگر نہاں کی تو منگنی ہو چکی ہے اور اس کی شادی بھی جلدی ہونے والی ہے۔ان کا ریحان اور اس کی فیملی سے کوئی ایسا ناتا بھی نہیں ہے۔''

''میری بیٹی اپنی جان سے گزر گئی دوسروں کی بیٹیوں کی شادیاں ہوں گی...... ہونہہ، میں بھی دیکھتا ہوں کیسے ہوتی ہے یہ شادی......'' سرفراز احمد ہاتھ میں پکڑا کپ زمین پر مارتے ہوئے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

''گزشتہ ماہ تو آپ کی پروموشن ہوئی تھی اور آپ کی پی آر اچھی ہونے کی وجہ سے ایک اضافی بونس بھی ملا تھا...... پھر بھی کمپنی کے مالک نے آپ کو نوکری سے کیوں نکال دیا؟'' نسرین بیگم حیرت سے ریاض سے پوچھ رہی تھیں جو خود حیران تھے کہ ان کی یہ نوکری آناً فاناً کیوں ختم کر دی گئی۔

''کیا آپ نے پوچھا نہیں کہ کوئی شکایت ہے یا کوئی دوسری بات...... جس کی وجہ سے نوکری جو اتنی پرانی ہے یک لخت کیوں ختم کر دی گئی۔''

''ہاں، میں نے یہ سب پوچھا تھا مگر مالک کا یہ جواب تھا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے...... بس ہمیں اپنا اسٹاف کم کرنا ہے اس لیے چھانٹی شروع کر دی گئی ہے۔'' ریاض احمد نے مایوس سے لہجے میں بتایا۔

''کیا کسی دوسرے ورکر کو بھی نکالا گیا ہے۔''

''معلوم نہیں...... میرے ساتھ کام کرنے والے تمام لوگ خود حیران ہو رہے تھے کہ ایسا میرے ساتھ کیوں ہوا ہے۔اس کا مطلب تو یہی ہے کہ فی الحال میں ہی نکالا گیا ہوں۔''

''پریشان مت ہوں، اس شہر میں صرف اکیلی ہی کمپنی تھوڑی ناں ہے۔اللہ آپ کو کسی دوسری جگہ جاب دلوا دے گا۔''

''ہاں، میں اپلائی تو اب ہر جگہ کروں گا۔''

☆☆☆

''دیکھتا ہوں...... یہ ریاض احمد اب کہاں جاب کرے گا۔فاقے نہ کرنے پڑے تو دیکھوں گا۔'' سرفراز احمد کسی سے فون پر بات کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ریاض احمد کو کسی

دوسری کمپنی میں انٹرویو کے بعد رکھ لیا گیا تھا مگر سرفراز احمد کے صرف ایک ہی فون نے ان کو نوکری دینے کے بعد از خود ان سے معذرت کر لی گئی تھی۔اب وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہو رہے تھے۔

''آج تک میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا، یہ اب کیا ہو رہا ہے۔'' بہن بھائی...... زبان واخلاق کے چاہے کتنے ہی برے تھے مگر اس قماش کے ہرگز نہیں تھے کہ بھائی کو یوں نقصان پہنچایا جائے۔

''میری تو نہ کبھی کسی سے کوئی لڑائی ہوئی اور نہ کبھی دشمنی ہوئی۔تو ایسا کون ہے جو مجھے یوں پریشان کر رہا ہے۔'' ریاض دکھ بھرے لہجے میں اپنے چھوٹے بھائی کے پاس جا کر پوچھ رہا تھا۔

''دشمن تو صاف نظر آتے ہیں مگر دوست نما دشمن ہمیشہ چھپے ہوئے ہوتے ہیں، یقیناً یہ آپ کو کوئی ایسا دوست ہوگا جو آپ کے پروموشن سے جلا ہوا اور اس نے ایسا قدم اٹھایا ہو۔''

''مجھے نوکری سے نکالے جانے کے بعد اس کی جلن ختم ہو جانی چاہیے...... یہ کون سی دشمنی ہے کہ کسی دوسری جگہ بھی وہ مجھے کام کرنے نہیں دے رہا۔'' اب وہ خاصے روہانسے سے ہو گئے تھے۔

''بھیا...... اگر ایسی بات ہے تو کچھ دنوں کچھ نہ کریں۔دشمن آپ کے سامنے ضرور آئے گا، آپ جاب نہیں کریں گے تو وہ یقیناً کوئی دوسرا وار کرے گا مگر کرے گا ضرور۔''

''ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بھی تو نہیں بیٹھ سکتا...... نہاں کی شادی سر پر ہے، کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔''

''مگر اب کریں گے کیا؟ آپ کا کوئی نادیدہ دشمن آپ کو جاب کرنے تو دے نہیں رہا۔''

''تمہاری ایک شاپ بند پڑی ہے...... کچھ عرصے کے لیے مجھے دے دو تاکہ گھر کا دال دلیہ تو چلتا رہے۔''

''لے لیں...... مگر شاپ کا کرایہ دیجیے گا۔بہت موقع کی دکان ہے یہ تو آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دے گی۔'' چھوٹے بھائی کو ایسے حالات میں بھی اپنے منافع کی فکر پہلے تھی۔

''تم فکر نہ کرو...... مارکیٹ ریٹ کے حساب سے میں کرایہ بھی ضرور دوں گا۔''

ریاض نے کسی زمانے میں کپڑے کی دکان پر کام کیا تھا اس کا تھوڑا بہت تجربہ تھا...... بیوی کے مشورے سے ہول سیل مارکیٹ سے کپڑا خریدا اور دکان کا آغاز کیا۔ ان کی قیمتیں دیگر دکانوں کی نسبت قدرے کم تھیں اس لیے دکان فوراً ہی چلنے لگی۔

تھوڑا بہت جو جمع سرمایہ تھا اس کا کپڑا لے کر دکان میں ڈال لیا...... اب ریاض مطمئن تھے کہ نوکری کے مقابلے میں دکان کا تجربہ زیادہ بہتر ثابت ہو رہا ہے۔ اپنی مدد کے لیے دو سیلز مین بھی رکھ لیے اور دل و دماغ سے پریشانی اور خوف کا چولا ابھی اترا ہی تھا کہ ایک شب وہ گھر میں سو رہے تھے کہ ان کے چھوٹے بھائی نے موبائل پر اطلاع دی کہ ان کی دکان کو کسی نے آگ لگا دی۔ دکان کا کپڑا تو سب جل ہی گیا تھا مگر بھائی کو یہ پریشانی تھی کہ ان کی دکان کو بہت نقصان پہنچا ہے اور جس کا حرجانہ انہیں ادا کرنا ہوگا اور ریاض احمد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سن کیا رہے ہیں اور ہو کیا رہا ہے۔

"کیا کپڑا مارکیٹ کی تمام دکانوں میں آگ لگی ہے؟" گھبرا کر پہلا سوال یہی تھا۔

"نہیں بھیا...... صرف آپ کی دکان کو آگ لگی ہے، پولیس نے کہا ہے کہ شارٹ سرکٹ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔"

"نہیں یہ جھوٹ ہے، سو فی صد جھوٹ...... آگ لگی نہیں ہے لگوائی گئی ہے۔" ریاض احمد بے اختیار چیخ اٹھے۔

"ہاں، یہ اتفاق نہیں ہو سکتا...... مجھ سے پہلے کی پانچ دکانوں کو چھوڑ کر میری دکان کا ہی انتخاب کیوں کیا گیا اور آگ دکان کھول کر کپڑوں میں لگائی گئی تاکہ نقصان کا تخمینہ زیادہ سے زیادہ رہے۔"

"برا وقت آتا ہے تو کہہ کر آتا نہیں۔" نسرین بیگم حتی الامکان شوہر کو دلاسا دے رہی تھیں۔ کسی سے دشمنی کی جانب ان کا دماغ بھی نہیں جا رہا تھا کہ اس قماش کے یہ لوگ ہی نہیں تھے۔

"مجھے تو حیرت ہو رہی ہے اور میں واقعی یہ جاننا بھی چاہ رہا ہوں کہ آخر وہ ہے کون...... جو میری بربادی سے خوش ہو رہا ہے۔ میں واقعی اس انسان کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں جو مجھے تباہ کرنے کے لیے پاگل ہو رہا ہے۔ پاس رکھا جمع جتھا یہ سوچ کر بزنس میں لگا دیا تھا کہ اس سے دگنی رقم ملے گی تو نہاں کی شادی میں کام آ جائے گی...... مگر یہاں تو اصل رقم بھی ڈوب

گئی۔ میری بچی کی شادی کیسے ہوگی؟" ریاض اپنے نقصان سے زیادہ بچی کا سوچ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے...... اور ان کا ہر آنسو نہاں کے سینے پر پہاڑ بن کر گر رہا تھا۔

"کاش مجھے...... ایدھی کے جھولے میں ڈالنے کے بجائے مار دیا ہوتا...... تو آج اپنے باپ کو یوں روتے ہوئے تو نہ دیکھنا پڑتا۔" ٹیوشن کے جمع شدہ پیسے جب اس نے گنے تو وہ پینتیس ہزار نو سو پچاس رہے تھے۔ اس نے یہ رقم جب نسرین بیگم کے ہاتھ پر رکھی تو وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر بلک ہی تو پڑیں۔

"پتا نہیں، کون ہمارے پیچھے لگ گیا ہے...... جسے شاید ہماری بدبختی ہی عزیز ہے۔"

☆☆☆

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہے، کچھ بھی نہیں...... ان کی پریشانیاں میرے سینے کی دہکتی آگ کو ٹھنڈا نہیں کر سکتیں۔ میں نے اپنی جوان بیٹی کھوئی ہے، میں اپنی معصوم بچی پر کیچڑ اچھالنے والے کو کیسے معاف کر سکتا ہوں۔ بالکل معاف نہیں کر سکتا۔"

"سر آپ کا حکم ہو تو ہم لڑکی کو ختم کر دیں۔" سرفراز کے ملازم نے کہا۔

"نہیں، مجھے ختم نہیں کرنا ہے۔" "مجھے اس لڑکی کے چہرے پر اتنی کیچڑ ملنی ہے کہ وہ اسے کتنا ہی چھڑانے لگے مگر اس کا چہرہ کیچڑ سے لتھڑا ہی رہے۔" سرفراز ایک جنونی کے سے لہجے میں یوں ہنستے ہوئے بولے جیسے ان کے سامنے کوئی ایسا منظر چل رہا ہو، جس میں نہاں کا چہرہ کیچڑ میں لتھڑا انہیں واضح نظر بھی آ رہا ہو۔ ملازم سلام کر کے واپس جا چکا تھا مگر ان کے ہذیانی قہقہے کسی طور نہیں رک رہے تھے۔

☆☆☆

"میں اپنے میکے گئی تھی...... بھائیوں اور بہنوں سب سے ہی قرض کے لیے بات کی...... اپنی ناگہانی پریشانی بھی بتائی مگر وہ کہہ رہے ہیں پانچ، چھ ہزار تو ہم دے سکتے ہیں مگر اس سے زیادہ دینا ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ چاروں بہن بھائیوں سے اگر میں قرض لوں تو زیادہ سے زیادہ میں پچیس ہزار ہو جائیں گے۔" نسرین بیگم نے شوہر کو رازداری سے بتاتے ہوئے کہا۔

"میں نے بھی یہی سوال اپنے بہن بھائیوں کے سامنے رکھا تھا تو ان کا یہ کہنا ہے کہ نہاں کون سی ہماری سگی بیٹی ہے...... جہیز دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے جبکہ اس کے سسرال سے

جہیز کی فرمائش ہی نہیں ہوئی ہے، سادگی سے شادی کر کے اپنی جان چھڑا لیں۔ جو بیکار کی مصیبت از خود آپ نے مول لی ہوئی ہے۔"

"آپ نے انہیں ڈانٹا نہیں...... کہ ہماری بیٹی کے بارے میں یہ سب بولنے کی ہمت بھی کیسے کی۔" نسرین بیگم نے غصے سے کہا۔

"میں چپ چاپ اٹھ کر چلا آیا...... کہاں تک لڑوں...... کہ اب تو اپنی اوقات بھی دو کوڑی کے برابر ہے...... نہ پاس پیسہ ہے نہ ہی کوئی نوکری...... مجھے تو لگ رہا ہے کہ دو وقت کا کھانا پینا بھی کہیں دو بھر نہ ہو جائے۔"

"ایسا بالکل نہیں ہوگا...... حالات چاہے کتنے ہی ابتر ہو جائیں، میرے پاس ٹیوشن پڑھنے والے بچوں کی ہرگز کمی نہیں ہوگی۔ جس سے کرایہ بھی نکلتا رہے گا اور گھر کے کھانے پینے کا خرچا بھی پورا ہوتا رہے گا۔" نہاں نے ریاض احمد کی بات سن کر ماں سے کہا تو وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیں کہ ان کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس آنے والی افتاد سے کس طور نمٹیں۔

☆☆☆

"آپ کو جو بات بتائی ہے وہ بالکل سچ ہے...... ان دنوں ہم واقعی کسی ایسے آسیب کا شکار ہیں جس کے بارے میں جانتے تک نہیں ہیں۔ مالی طور پر بری طرح برباد ہو چکے ہیں...... اب ہمیں شادی کی تھوڑی سی مہلت دے دیں تا کہ ہم اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی حسب مرضی کر سکیں۔" ریاض اور نسرین دونوں نے جب اپنے سمدھیانے میں جا کر کہا تو وہ لوگ ششدر سے رہ گئے۔

"ایسا کون ہے جو آپ کو پے در پے نقصان پہنچا رہا ہے؟"

"اس بارے میں ہم لاعلم ہیں مگر بچی کی شادی کے لیے تھوڑی سی مہلت درکار ہے۔"

"ریاض بھائی آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں، ان حالات میں تو آپ کو نہاں کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہیے...... اور آپ یقین کیجیے...... نہاں جیسی آپ کی بیٹی ہے، ویسی ہی ہماری بیٹی بن کر رہے گی۔"

"میری بیٹی میرے سر کا بوجھ ہرگز نہیں ہے...... جو میں جلد بازی میں یہ فریضہ بھگتاؤں۔"

"آپ سے یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ نہاں شادی کے بعد آپ کی بیٹی نہیں رہے گی...... شادی کے بعد بھی آپ جو دل چاہے اپنی بیٹی کے لیے کر سکتے ہیں مگر ہمارا مشورہ یہ ہے کہ نہاں پندرہ دن بعد دلہن بن کر ہمارے گھر آ جائے۔" لڑکے کے باپ نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کی جیسی مرضی......" ریاض احمد کو بھی ان حالات میں یہی صورت زیادہ بہتر لگی۔

☆☆☆

"ایک ماہ ہو گیا...... اس پگلو نے کیا کوئی دوسری نوکری ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔ ایسا کون سا اس کے پاس قارون کا خزانہ ہے جو وہ جاب بھی نہیں ڈھونڈ رہا یا وہ ہمت ہار بیٹھا ہے۔" سرفراز فون پر رعونت بھرے لہجے میں کسی سے بات کر رہے تھے۔

"نوکری تو واقعی وہ نہیں ڈھونڈ رہے مگر ان دنوں مصروف بہت ہیں۔"

"بیروزگار شخص کی مصروفیات کیا ہوا کرتی ہیں کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔" وہ ہنس کر بولے۔

"صاحب، وہ ان دنوں اپنی بیٹی کی شادی میں مصروف ہیں...... دس دن بعد اس کی شادی ہو رہی ہے مگر بے حد سادگی سے ہو رہی ہے۔ فرنیچر میں انہوں نے ایک معمولی سا بیڈ روم سیٹ بک کروایا ہے۔ ان کے پاس پیسے ہی نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو کچھ دے سکیں اور ان کے بھائیوں نے بھی ان کو قرض دینے سے انکار کر دیا ہے اور وہ......؟"

"مگر شادی کیوں ہو رہی ہے؟" وہ بات کاٹ کر غصے سے چلائے۔

"سر، اس لڑکی کی شادی پہلے سے ہی طے تھی۔"

"جب میری بیٹی کی شادی اس گھرانے نے تڑوا دی تو ان کی بیٹی کی شادی کیونکر ہو سکتی ہے۔" وہ گرجدار آواز میں بولے۔

"حکم جناب! جو آپ کہیں گے، وہی ہوگا۔" فون کی دوسری جانب شخص نے عاجزی سے کہا۔

"تم لڑکے والوں کے ہاں جا کر کہہ دو...... کہ اگر اس لڑکی سے تم نے اپنے بیٹے کی شادی کی تو تم خود اپنے بیٹے کی موت کے ذمے دار ہو گے۔" دوسری جانب فون بند ہو گیا تھا مگر

سرفراز کا چیخنا چلانا بند نہیں ہوا تھا...... وہ گھر میں چیزیں توڑ رہے تھے۔ گالیاں دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

"جب میری مینا دلہن نہیں بن سکی...... تو میں کسی کو دلہن نہیں بننے دوں گا اور وہ گھرانہ جو میرا مجرم ہے ان کے ہاں شادیانے کسی صورت میں نہیں بجیں گے۔ ہاں، ہرگز نہیں بجیں گے۔"

☆☆☆

ریحان آفس سے گھر آ رہا تھا...... گرین سگنل پر اس کی گاڑی رکی...... غیر ارادی طور پر اس کی نظر برابر کھڑی گاڑی کی جانب گئی۔ اس میں سرفراز صاحب بیٹھے اسی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ نظر پڑتے ہی ریحان نے انہیں سلام کیا مگر وہ اسے ایسی خونی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے اسے کھا ہی جائیں گے۔ یکبارگی ریحان نے اپنے جسم میں تھرتھری سی محسوس کی مگر ان کی یہ کیفیات...... شاید چند ثانیوں کی ہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہنس رہے تھے اور یوں ہنس رہے تھے کہ اس میں بریک ہی نہیں آ رہا تھا...... پریشان ہو کر ریحان نے اپنی نظر دوسری جانب کر لی۔ گھر پہنچ کر اس نے ماں سے پہلی بات جو کی وہ یہی کی۔

"امی...... یہ سرفراز صاحب تو مجھے پاگل سے لگتے ہیں۔"

"پورا گھرانہ ہی شاید سائیکی ہے...... بہت سی باتیں مجھے اس کی ایک سہیلی کے توسط سے بھی معلوم ہوئیں کہ وہ میڈیسن لیتی تھی...... خلاف توقع کوئی بھی بات ہو جانے پر کبھی کبھار اس کو دورے بھی پڑ جایا کرتے تھے۔" ساجدہ بیگم نے بیٹے کو بتایا۔

"اسی وجہ سے اس نے خودکشی بھی کی ہو گی۔" ریحان نے کہا۔

"کیا پتا، کس وجہ سے خودکشی کی تھی...... مگر وہ نارمل لڑکی نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھسکے ہوئے لوگوں سے بال بال بچا لیا۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" ریحان نے کہا اور اپنی اسٹڈی میں چلا گیا۔

☆☆☆

ڈھولک کی تھاپ خاصی زوردار تھی...... نہاں کی سہیلیاں ڈھولک پر گیت بھی گا رہی تھیں اور ڈانس کی پریکٹس بھی کر رہی تھیں۔ آج عصر کے بعد نسرین بیگم اور دیگر خاندان کی عورتوں نے نہاں کو پیلا جوڑا پہنا کر مایوں بٹھا دیا تھا۔ ٹھیک دو دن بعد شادی تھی اسی لیے آج قریبی عزیز ریاض احمد کے گھر میں جمع تھے۔

نسرین بیگم مہمانوں کے لیے قورمہ اور کھیر گھر میں بنا رہی تھیں۔ شیرمال اور روٹیاں ریاض احمد لینے گئے ہوئے تھے کہ فون کی بیل بجی۔ فون نسرین بیگم نے ہی اٹھایا تھا۔

"ریاض بھائی سے فوری بات کرنی ہے۔" ان کی آواز گھبرائی ہوئی سی تھی۔

"وہ تو روٹیاں لینے گئے ہوئے ہیں، آج ہمارے گھر قریبی عزیز جمع ہیں بس یہ رت جگا ہے۔ ڈھولک کی آواز تو آپ کو بھی سنائی دے رہی ہو گی۔"

"جی ہاں......" وہ بولے مگر لہجے سے پریشانی عیاں تھی۔

"بھائی صاحب...... نہاں کا بیڈروم انشاء اللہ کل دن میں آپ کے ہاں پہنچ جائے گا۔" نسرین بیگم اپنی بات تفصیل سے کرنے کی عادی تھیں۔ ان کی بات کا جواب دیے بغیر وہ پریشان سے لہجے میں بولے۔

"میں دس منٹ بعد دوبارہ فون کرتا ہوں۔" پانچ منٹ بعد ہی دوبارہ فون آیا۔ مگر ریاض ابھی بھی گھر نہیں پہنچے تھے ان کا موبائل گھر پر ہی تھا۔

"خیریت تو ہے ناں......؟" ان کے لہجے میں غم گینی سے وہ گھبرا گئیں۔

"ہاں، بات کچھ ایسی ہی ہے اور ہم آپ کے گھر آ رہے ہیں۔" وہ بولے اور نسرین بیگم متفکری ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ دونوں میاں بیوی ریاض صاحب کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے، کمرے کا دروازہ بند کروانے کے بعد انہوں نے کہا۔

"ہم ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ لوگ اور آپ کی بیٹی بہت اچھی ہے مگر اس کے باوجود ہم یہ شادی نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کی وجہ آپ کو بتا سکتے ہیں۔" ریاض صاحب ان کی بات سن کر ہنس پڑے اور بولے۔

"میں جانتا ہوں بغیر جہیز کے لڑکی قبول کرنا آسان نہیں ہوا کرتا مگر میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں اپنی نہاں کو ہر وہ چیز دوں گا جو آج کے دور میں لوگ اپنی بیٹیوں کو دیا کرتے ہیں۔"

"ریاض بھائی...... چیزوں کا لالچ نہ ہمیں پہلے تھا اور نہ اب ہے...... مگر ہماری مجبوری اتنی بڑی ہے کہ آپ سے معذرت کرتے ہیں کہ اپنے بیٹے کی شادی آپ کی بیٹی سے کسی

صورت نہیں کر سکتے۔"

"بھائی صاحب یقیناً آپ کے خاندان والوں نے آپ کو اکسایا ہوگا کہ ایک لے پالک لڑکی سے شادی نہیں کرنی چاہیے مگر ہم نے تو آپ سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی...... آپ کو بتا دیا تھا کہ دو دن کی بچی کو ہم ایدھی کے جھولے سے تو ضرور لائے تھے مگر اس کو پڑھانا، لکھانا اور تربیت دینا...... ہم نے ایسا ہی کیا ہے کہ جتنا اپنی اولاد کا کرتے۔ خدارا آپ لوگوں کی باتوں میں نہ آئیں میری بچی مایوں کا پیلا جوڑا پہن چکی ہے اگر اس کے خواب برباد ہو گئے تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔" نسرین بیگم تو اپنی سمدھن کے پیروں میں بیٹھ گئیں اور اپنے آنسوؤں سے ان کے پیروں کو تر کر چکی تھیں مگر وہ دونوں ہی روتے ہوئے بار بار ہاتھ جوڑ کر معافیاں مانگ رہے تھے مگر ریاض صاحب اور نسرین بیگم کی کوئی بات انہیں سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شاید...... وہ سننا بھی نہیں چاہ رہے تھے۔ ان کے جانے کے بعد ریاض صاحب کو سکتہ سا ہو گیا اور نسرین بیگم چکر کھا کر گر پڑیں۔

☆☆☆

ریحان آفس سے آیا تو بے حد خوف زدہ سا تھا...... اور چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔

"بیٹا خیریت تو ہے ناں......؟"

آج آفس سے نکلتے ہی مجھے لگا کہ دو بائیک والے میرا پیچھا کر رہے ہیں، میں انہیں والٹ چھیننے والے سمجھ کر کچھ دیر کے لیے ایک قریبی آفس میں چلا گیا تا کہ وہ مجھے چھوڑ کر آگے نکل جائیں مگر جب میں آدھے گھنٹے بعد باہر نکلا تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ دونوں بائیک والے گھر تک ساتھ آئے ہیں۔"

"بیٹا ان دنوں شہر کے حالات ایسے ہی ہیں، لٹیرے اور چور دندناتے ہوئے گھوم رہے ہیں۔ تم کہہ رہے تھے کہ آفس والے تمہیں پندرہ بیس دن کے لیے لندن بھیجنا چاہ رہے تھے میرا مشورہ ہے کہ تم فوری چلے جاؤ...... وہاں سے واپسی پر چھٹی لے کر ایک ماہ اپنی بڑی آپا کے پاس دبئ گزار آؤ...... اللہ کرے کہ ہمارے علاقوں میں یہ چوری چکاری کا موسم ختم ہو یا کم ہو...... گزشتہ ہفتے سے ڈرائیور بھی یہی کہہ رہا ہے کہ اس کی گاڑی کا ہر جگہ پیچھا کیا جاتا ہے مگر میں اس کا وہم سا سمجھا تھا۔"

"ٹھیک ہے...... ڈیلیگیشن لندن جانے والا ہے میں اس میں سے اپنا نام اب نہیں کٹواؤں گا کہ موسم سرما میں کراچی چھوڑ کر کہیں جانے کو دل نہیں چاہتا مگر اب تو جانا ہی پڑے گا۔"

"جانے میں ہفتہ دس دن تو یقیناً ہوں گے۔" ظہیر حسن کچھ سوچتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"جی ہاں...... اتنا وقت تو لازمی لگے گا مگر آپ یہ سب پوچھتے ہوئے متفکر کیوں ہیں؟" ریحان نے باپ سے پوچھا۔

"بیٹا...... دہشت گردوں سے ہر شخص خوف کھایا کرتا ہے...... تم اپنے آفس کی سکیورٹی کو خاص طور پر ہدایت دے دو...... کہ چیکنگ سخت رکھیں، غیر متعلقہ افراد پر کڑی نظر رکھیں اور خاص طور پر اگر کوئی تمہارا نام لے کر پوچھے تو اسے فور طور پر تمہارے پاس لے کر نہیں آئیں کہ آج کے واقعے سے تو میں بہت پریشان ہو گیا ہوں۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

☆☆☆

"اماں! رات بھی میں نے اپنی مینا کو خواب میں دیکھا......" سرفراز اپنی ماں کے کمرے میں آ کر کسی بچے کی طرح خوش ہو کر بولے۔

"کیا کہہ رہی تھی میری شہزادی؟"

"کہہ رہی تھی مجھے ریحان نہیں ملا...... وہ بہت یاد آتا ہے۔"

"میری بچی کے نصیب میں ہی نہیں تھا۔" دادی جان نے ایک آہ بھر کر کہا۔

"کیسے نصیب میں نہیں تھا۔" لہجے میں خفگی رچی ہوئی تھی۔

"میری مینا اسے یاد کر رہی ہے، اس کا انتظار کر رہی ہے تو اسے اس کے پاس جانا تو ہوگا، لازمی جانا پڑے گا مگر کیسے جائے گا وہ۔" سر پر ہاتھ رکھ کر وہ خود کلامی میں بڑبڑائے۔

"ہاں چلا جائے گا وہ...... بڑی آسانی سے سیدھا ہی جائے گا وہ۔ ہاں، میں اس کو اپنی مینا کے پاس بھیج دوں گا پہلے نہ سہی تو بعد میں ہی سہی۔" اب سرفراز احمد زوردار قہقہے لگا رہے تھے اور ایک ہی بات کہہ رہے تھے۔ "ریحان کو مینا کے پاس جانا تو ہوگا، وہ اس کو بے حد یاد کر رہی ہے۔" اور ان کی اماں بیٹے کی باتیں سن کر یک بارگی کانپ سی گئیں...... اور کھوکھلی سی آواز

میں انہیں سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''بیٹا! ایسے نہیں کہا کرتے۔ ہماری بیٹا وہاں بے حد خوش ہے، وہ بہت معصوم سی بچی تھی...... بے حد پیاری تھی...... اور اسی لیے شاید اللہ نے اپنے پاس جلدی بلا لیا۔''

''یہی تو میں بھی چاہتا ہوں جب وہ ریحان کو بھی وہاں دیکھے گی تو اور زیادہ خوش ہو گی اور میں بھی خوش ہوں گا...... بلکہ بہت زیادہ خوش ہوں گا۔'' اب وہ وحشت زدہ انداز میں قہقہے لگا رہے تھے۔

☆☆☆

پورے آفس میں ایک بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ آفس کے لوگ اپنے اپنے کمروں سے نکل کر بھاگ رہے تھے۔ اتنی زبردست سیکورٹی والے آفس میں بھی کوئی محفوظ نہیں تھا۔ دن کے گیارہ بجے ایک گفٹ پیک لیے ایک شخص آفس میں آیا کہ مجھے ریحان صاحب سے ملنا ہے۔ گارڈ نے اسے ایڈمن آفیسر کے پاس پہنچا دیا۔ نوجوان قاسم بے حد ذہین تھا، اسے آنے والے لڑکے کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی نظر آئی۔ اس نے اسے ٹٹولنے کی غرض سے کہا۔

''جی میں ہی ریحان ہوں، فرمائیں آپ کس غرض سے آئے ہیں؟'' تب آنے والے نے وہ گفٹ پیک دیتے ہوئے بنا آواز والے ریوالور سے دو گولیاں چلائیں اور گفٹ پیک دے کر یوں باہر نکل گیا جیسے اس کا کام پورا ہو گیا ہو۔ برابر کے کمرے سے مسز شاکر نے جب قاسم کو زخمی حالت میں نیچے گرتے دیکھا تو انہوں نے شور مچا کر سب کو اکٹھا کیا۔ تو یہ ساری صورت حال معلوم ہوئی اور ریحان کو یہ پورا اندازہ ہو گیا کہ اس شہر میں کوئی یقیناً ایسا ہے جو اس کی جان لینا چاہتا ہے۔ ظہیر حسن اور ساجدہ بیگم بری طرح پریشان ہو گئے۔

''تم اب آفس بھی نہیں جاؤ گے۔'' ماں نے کہا۔

''جو مجھے مارنا چاہتے ہیں، وہ گھر پر آ کر بھی مار سکتے ہیں۔ میرا گھر ان کی نظروں سے چھپا ہوا تھوڑی ہے۔''

''تم آج ہی کی فلائٹ سے اپنی بہن کے پاس چلے جاؤ اور یہ بات اپنے آفس میں اپنے کسی دوست کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو۔''

''مگر پاپا...... یہ اس مسئلے کا کوئی دائمی حل تھوڑی ہے۔ میں کب تک آپا کے پاس رہ سکتا ہوں۔''

''وہاں سے کہیں اور چلے جانا مگر فی الحال تم یہاں نہیں رہو گے۔'' ساجدہ بیگم نے

سراسیمہ سے لہجے میں کہا۔

''میں اپنے گھر سے دور رہوں گا تو آپ ہی سب سے زیادہ مجھے یاد کریں گی۔'' ریحان نے ماں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ جن کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

''ہاں، یاد تو ضرور کروں گی مگر دل میں یہ اطمینان تو رہے گا کہ میرا بچہ خیریت سے ہے اور یہ اطمینان کسی بھی ماں کے لیے بہت بڑا ہوتا ہے...... مگر یہ ہے کون، جو میرے بچے کی جان کا دشمن ہو گیا ہے۔ ہماری تو کبھی کسی سے لڑائی تک نہیں ہوئی۔ سیاست سے ہمارا تعلق نہیں۔ جاگیردار ہم نہیں، دولت ہمارے گھر کی باندی نہیں تو یہ ایکا ایکی کون میرے لعل کا دشمن نکل آیا۔'' ساجدہ بیگم نے پریشان سے لہجے میں شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ سرفراز صاحب ہی ایسا کچھ کر سکتے ہیں۔ اپنی بیٹی کی خودکشی کی وجہ اس کی منگنی کا ٹوٹنا سمجھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہی یہ سب کر رہے ہوں۔''

''ہم نے منگنی کا دورانیہ لمبا رکھنے کو کہا تھا جس کے لیے ان کی دادی نے ہی منع کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں جلدی شادی کرنی ہے۔''

''ہاں، امی، پاپا...... ٹھیک کہہ رہے ہیں کئی دفعہ سرفراز صاحب نے مجھے اس طرح دیکھا ہے جیسے وہ مجھے کھا جائیں گے۔''

''وہ شخص پاگل سا ہی ہے، کچھ بھی کر سکتا ہے۔'' ظہیر حسن نے سوچتے ہوئے کہا۔

''نہیں کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے...... مگر میرا دل بار بار یہی کہہ رہا ہے کہ یہ حرکت سوائے سرفراز صاحب کے کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔''

☆☆☆

جس کی بیٹی مایوں کا پیلا جوڑا پہنے ہو جس کی سہیلیاں سہاگ کے گیت گا رہی ہوں اور جس کا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہو۔ وہ کیا کہیں کہ یہ سب بند کر دو اور سب لوگ اپنے اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ نسرین بیگم نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنے سب عزیزوں سے آ کر بہ مشکل کہا۔

''نہاں کے سسرال والوں کے ہاں فوتگی ہو گئی ہے اور ان سب لوگوں کو فوری طور پر پنجاب جانا پڑ گیا ہے اس لیے...... یہ شادی فی الحال موخر ہو گئی ہے۔''

''لڑکے کی نہ ماں مری ہے، نہ باپ، نہ کوئی بہن بھائی...... تو خاندان میں ہونے

والی فوتگی میں گھر کا کوئی ایک فرد شرکت کے لیے چلا جاتا...... شادی کینسل کرنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں تھی جب یہ پتا تھا کہ لڑکی مایوں بھی بیٹھ چکی ہے۔''

''خاندان کے بزرگوں کی بہت اہمیت ہوا کرتی ہے، وہ لوگ معذرت کرنے آئے تھے تو کیا کر سکتے ہیں۔'' ایک جھوٹ کے بعد...... انہیں بار بار جھوٹ بولنا پڑ رہا تھا۔

''اچھا تو وہ لوگ سوئم کر کے تو آ جائیں گے ناں؟'' ان کی بھاوج نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔''

''تم نے ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ نکاح کر کے چلے جائیں؟''

''نہیں۔''

''تم نے یہ نہیں پوچھا کہ کتنے لوگ اور کہاں جا رہے ہیں، کون سے شہر میں؟''

''نہیں۔''

''تم نے پوچھا نہیں کہ اب نکاح کس تاریخ کو ہو گا؟''

''نہیں۔''

''کیا لڑکا بھی ان لوگوں کے ساتھ گیا ہے؟''

''پتا نہیں۔''

''نسرین! کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئیں جو اپنے سمدھیانے والوں سے کوئی کام کی بات پوچھی ہی نہیں۔''

''ہاں...... ہو گئی ہوں، پریشانیاں میرے سر پر ایسی گری ہیں جیسے اینٹیں...... تو کیا میں پاگل نہیں ہوں گی۔'' نسرین بیگم تڑپ تڑپ کر رونے لگیں۔ تب ان کو دیکھ کر ان کی جیٹھانی نے دوسری سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

''نسرین کے تڑپنے سے تو یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ شادی ٹلی نہیں ہے بلکہ ٹوٹ گئی ہے۔ لڑکے والے ان کی غربت جان کر بھاگ گئے ہیں۔'' تب دوسری دیورانی نے بھی تائید میں گردن ہلا کر سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تو خیر ہونا ہی تھا ایسی شکل و صورت لے کر کسی کو کیا کرنا ہے جو بغیر لوازمات کے ل رہی ہو۔ اب تو غریب لوگ بھی اپنی اوقات سے زیادہ اپنی بیٹیوں کو جہیز دیا کرتے ہیں مگر ان کی بدنصیبی یہ رہی کہ جو پاس تھا وہ بھی جل بھن کر خاک ہو گیا۔''

"جب ہی تو ان کے آنسو نہیں رک رہے۔ جلدی کھسک لو یہاں سے کہیں کچھ مانگ لیں۔" ایک نے دوسرے سے کہا اور دوسرے نے تیسرے سے اور یوں گھنٹے بھر میں بھرا ہوا گھر خالی ہو گیا۔

نہاں کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے امی، ابو کو تسلی دے تو کیسے دے۔ شادی کا کینسل ہو جانا اس کے لیے کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں تھی مگر ریاض صاحب اور نسرین بیگم جتنے پریشان نظر آ رہے تھے اسے اندازہ تک نہیں تھا کہ ہوا کیا ہے۔

نسرین بیگم اپنے شوہر کو حتی المقدور یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ یہ بخت دس دن اس تیزی سے گزر جائیں گے کہ پتا نہیں چلے گا مگر انہیں خود اپنی بات کا یقین تک نہیں تھا اور بے یقینی کی کیفیت صدمے کے لمحات سے کہیں زیادہ بھاری ہوا کرتی ہے۔

☆☆☆

ٹیلی فون پر بات ختم کر کے ظہیر حسن نے گہری سانس لی۔ صد شکر کہ ان کا خیال غلط تھا۔ سرفراز صاحب اخبار میں خبر پڑھ کر ریحان کی خیریت فون پر دریافت کر رہے تھے۔

"جوان اولاد کا غم کھا کے بیٹھا ہوں تو ہر بچہ اپنا لگتا ہے۔ اللہ آپ کے ریحان کو سلامت رکھے اور اولاد کا غم کسی والدین کو نہ دکھائے۔ جس کسی نے ریحان سمجھ کر دوسرے لڑکے پر جو حملہ کیا ہے اس سے بے خبر آپ ہرگز مت رہیے گا اور ہو سکے تو کچھ دن کے لیے کہیں باہر بھیج دیں۔"

زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ کون، کب تک گھر میں بیٹھ سکتا ہے۔" ظہیر حسن نے سادگی سے کہا اور سرفراز صاحب نے دعائیں دیتے ہوئے فون بند کر دیا اور بے اختیار ہنس دیے۔

"ہوں، ہم سے زیادہ چالاک بن رہے ہیں حضرت۔" ان کے خاص آدمی کو ان کے گھر کے ملازم نے یہ اطلاع دے دی تھی کہ گھر والوں کا شک سرفراز صاحب پر ہے۔ اس لیے اس طرح کا فون کرنا ان کے لیے ضروری تھا۔ جس سے ظہیر حسن اپنے بیٹے کو پنجرے میں بند نہ کر سکیں اور صرف ایک فون کر کے وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے تھے اور اپنے لاؤنج میں بیٹھے مسلسل ہنس رہے تھے۔

☆☆☆

سرفراز بیٹا! کتنے دن ہو گئے نہ تم اپنی فیکٹری گئے ہو اور نہ ہی اپنے آفس جا کر اپنے کام کرنے والوں کو دیکھ رہے ہو۔ ایسا طریقہ تو تمہارا کبھی نہیں تھا۔ مالک جب تک اپنے کاروبار کو خود نہ دیکھے اس کے ماتحت کبھی دل جمعی سے کام نہیں کرتے۔" دادی جان نے بیٹے کو جب از خود ہنستے دیکھا تو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اماں! اب میرا کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہتا۔"

"ایسا کیوں ہے بیٹا؟"

"گھر میں ہوتا ہوں تو ہر جانب مجھے اپنی مینا نظر آتی ہے۔ میں گھر میں رہتا ہوں تو اپنی بیٹی سے باتیں کرتا رہتا ہوں۔"

"بیٹا! مینا ہمیشہ ہماری یادوں میں رہے گی، وہ ہمارے دل میں رہے گی مگر تم اپنا کاروبار دیکھو..... ورنہ وہ چوپٹ ہو جائے گا۔"

"نہیں ہو سکتا چوپٹ..... میرے دو شیر جیسے بیٹے ہیں، میرے بیٹوں کی عزت بھی ہے، شہرت بھی ہے اور دہشت بھی ہے۔ کوئی مائی کا لعل ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا کہ نہ کسی میں ہمت ہے اور نہ کسی میں اتنی سکت۔"

"پھر بھی بیٹا..... تمہاری جو بات ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ گھر سے باہر نکلو گے تو تمہارا غم کم ہو گا۔" ماں نے بیٹے کو رسانیت سے سمجھایا۔

"اماں..... میرا یہ غم گھر سے باہر نکلنے میں کم نہیں ہو گا۔ جس کے قاتل باہر دندناتے پھر رہے ہوں تو میرا غم کیسے کم ہو سکتا ہے۔ ہاں، جب ان کو سزا مل جائے گی تو میرے دل کو قرار آ جائے گا۔" اب وہ از خود یوں مسکرا رہے تھے جیسے ان کے حق میں کسی جج نے فیصلہ سنا دیا ہو اور ماں بیٹے کو ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھیں جیسے ان کا دماغ بیٹی کے غم نے ماؤف سا کر دیا ہو۔

☆☆☆

ایک، دو، تین، چار..... دس دن تو کیا پورا مہینہ گزر گیا تھا۔ نہاں کے سسرال والوں نے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ ان کے تمام موبائل نمبر مسلسل بند تھے یا انہوں نے سم تبدیل کر لی تھی۔ وہ از خود دو مرتبہ ان کے گھر بھی گئے تو ملازم نے یہی بتایا تھا کہ وہ کچھ عرصے ابھی پنجاب میں ہی رہیں گے۔ وہ کب واپس آئیں گے، اس کا انہیں علم نہیں اور ریاض صاحب کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ گھر میں موجود لوگوں کے ہونے کا انہیں اندازہ

ہو گیا تھا، اسکول وین سے اترتے بچے بھی انہوں نے دیکھ لیے تھے پھر ایک دن انہوں نے نہاں کے سسر اور ان کے لڑکے کو بھی دیکھ لیا۔ وہ کسی شاپ پر خریداری کر رہے تھے۔ ریاض صاحب اپنی بائیک سے اتر کر جب ان کے پاس پہنچے۔

''معاف کیجئے گا اس وقت بہت جلدی میں ہیں۔'' تو وہ ہاتھ ملا کر یہ کہتے ہوئے نکل گئے اور ریاض صاحب کو پہلی مرتبہ یہ خیال آیا کہ نہاں کی شادی ختم کروانے میں بھی وہی ہاتھ کام کر رہا ہے، جس نے ان کی نوکری ختم کروائی، کرائے کے مکان سے باہر دھکیلا گیا اور شاپ میں آگ لگوائی۔

''کسی کو ایسا کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ اس کی سسرال والے تو ضرور اس شخص کو جانتے ہوں گے، مجھے کم سے کم ان سے جا کر پوچھنا تو چاہیے۔'' ان خیالات کا اظہار نسرین بیگم کے سامنے کیا تو وہ بولیں۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آناً فاناً شادی ختم کرنے کی یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے مگر وہ آپ سے کسی صورت نہیں ملیں گے۔''

''کیوں نہیں ملیں گے؟'' ریاض نے حیرت سے بیوی سے پوچھا۔

''وہ خوف زدہ ہوں گے اس لیے کہ آپ سے بات کرنا کہیں ان کو مہنگا نہ پڑ جائے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے کہ اپنے گھر میں وہ مجھ سے بات نہیں کریں گے۔''

''وہ آپ کو اپنے گھر میں ہی نہیں آنے دیں گے، ان کا ملازم آپ کو دروازے سے ہی بھگا دے گا کہ وہ ہیں ہی نہیں تو آپ زبردستی تو کسی کے گھر میں داخل ہونے سے رہے۔''

''مگر میں معلوم تو کرنا چاہتا ہوں کہ کون ہے وہ جو کسی بھی طرح میری خوشیوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔''

''اس کی صرف ایک ہی صورت ہے۔'' نسرین بیگم نے سوچ کر کہا۔

''وہ کیا؟'' ریاض صاحب کے لہجے میں بے تابی سی تھی۔

''آپ ان کے محلے کی مسجد میں عشا کی نماز پڑھیں اور نماز کے بعد مسجد میں ہی رازدارانہ لہجے میں اپنی بات اس طرح کریں کہ کسی کو پتا تک نہیں چلے کہ انہوں نے آپ سے کوئی بات کی ہے۔'' پھر ایک دن ریاض صاحب نے انہیں نماز ختم ہونے کے بعد جا لیا۔ وہ گھبرا سے گئے اور ادھر ادھر اس طرح دیکھنے لگے جیسے کوئی انہیں دیکھ تو نہیں رہا۔

''پلیز...... صرف ایک منٹ میری بات سن لیں۔''

''مجھے ضروری کام سے کہیں جانا ہے، میں آپ کی بات نہیں سن سکتا۔'' انہوں نے اپنے قدم آگے کی جانب بڑھائے۔

''اچھا، صرف اتنا تو بتا دیں کہ جو آسیب مجھے تباہ کرنے پر تلا بیٹھا ہے...... کیا یہ حرکت بھی اسی کی ہے۔'' ریاض صاحب کی بات سن کر انہوں نے ایک نظر ہمدردی کی ان پر ڈالی اور تائید میں سر ہلایا...... اور پھر پریشان سے ہو کر کہا۔

''مجھے کیا معلوم، مجھے کیا پتا...... میں آپ سے جب کوئی ربط رکھنا ہی نہیں چاہتا تو کیوں میرے بیٹے کی جان کے دشمن ہو رہے ہیں آپ۔'' یہ کہہ کر وہ اس تیزی سے مسجد سے نکلے کہ ان کے ایک پیر کی چپل پیر سے نکل گئی۔ جس کو پیر میں ڈالنے کے لیے وہ رکے نہیں اور ننگے پیر ہی تیزی سے یوں باہر نکل گئے جیسے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی بلا ان کو دبوچ لے گی اور ریاض صاحب سر جھکائے افسردہ سے گھر لوٹ آئے اور نسرین بیگم کی سوالیہ نظریں دیکھ کر گہری سانس لے کر کہا۔

''ہمارا خدشہ صحیح تھا اس شہر میں یقیناً کوئی ہے ضرور...... جو ہماری ہر خوشی کا دشمن ہے اور اللہ نے بھی اس کی رسی دراز کر رکھی ہے۔ آزما لے وہ اپنا ہر تیر...... مگر تم دیکھ لینا ایک دن وہ اللہ کے غضب سے کبھی نہیں بچے گا اور میری آہ اسے ضرور لگے گی۔'' یہ کہہ کر وہ اتنا روئے کہ ان کی سسکیاں بندھ گئیں اور نسرین بیگم کے آنسو ان کے دل پر گرتے رہے۔

☆☆☆

ریحان نے یہ نوٹ کیا تھا۔ وہ جب بھی گھر میں آتا ہے یا کہیں جاتا ہے گھر میں موجود ملازمہ کا شوہر کسی کو موبائل ضرور کرتا ہے۔ پہلے تو اس نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی مگر اپنے باس کے کہنے پر اس نے گھر میں موجود ملازمہ اور اس کے شوہر پر نظر رکھنی شروع کی تو اسے حیرت ہوئی تھی کہ اس کے پاس ایک نیا موبائل بھی آ گیا تھا اور وہ ان دنوں کپڑے بھی اچھے پہن رہا تھا، ورنہ عام طور پر ساجدہ بیگم جو پرانے اور نئے کپڑے دیا کرتی تھیں عموماً وہ وہی پہنا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جس دن وہ دبئی جا رہا تھا تو اس نے بلند آواز میں ساجدہ کو پکارتے ہوئے کہا تھا۔

''میں دس بارہ روز کے لیے مری جا رہا ہوں۔ ساجد! تم گھر کا خیال رکھنا۔'' اس

نے دانت نکالتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ فکر ہی مت کریں۔ اس گھر کے لیے تو ہماری جان حاضر ہے۔'' گھر سے باہر نکل کر وہ قصداً لوٹ کر آیا اور دبے قدموں اس کے قریب پہنچا تو ساجد رازدارانہ لہجے میں یہ اطلاع دے رہا تھا۔

''ریحان صاحب مری دس دن رہنے کے لیے روانہ ہو گئے ہیں۔'' ریحان...... ان ہی قدموں لوٹ کر گھر کے اندر چلا گیا...... اس کی فلائٹ رات کی تھی اور وہ جان گیا تھا کہ دشمن نے اس کے گھر میں بھی گھات لگا رکھی ہے۔

☆☆☆

''نہ ہم نے کہیں جانا ہے اور نہ ہی کسی کو اپنے گھر بلانا ہے۔ نہاں کسی بھی کام سے گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔ اب ہم اپنے گھر میں ہی رہیں گے۔''

''اگر کسی نے مارنا ہے تو بے شک ہم تینوں کو ہی ایک مرتبہ مار دے۔'' ریاض صاحب نے نسرین بیگم سے کہا تو وہ پریشان ہو گئیں۔

''ہمیں ویسے ہی لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔ اگر ہم نے بالکل آنا جانا چھوڑ دیا تو سب سے ہی کٹ کر رہ جائیں گے۔''

''کٹ کر کیا رہ جائیں گے، کٹ ہی چکے ہیں۔ غریبوں کے گھر آتا کون ہے۔''

''میری باجی کہہ رہی تھیں وہ نہاں کے رشتے کے لیے کسی کو لانا چاہتی ہیں۔''

''تم خود ہی منع کر دو...... ورنہ رشتہ اگر طے ہو بھی گیا تو وہ لوگ بھاگ تو جائیں گے ہی۔''

''ہاں...... اب تو ہمیں پتا چل گیا ہے کہ ہونا تو یہی ہے، تو کیا فائدہ خوامخواہ کی دردسری مول لی جائے۔''

''تو کیا ہماری بیٹی...... ہمارے پاس بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو جائے گی۔ اس کو ہم کبھی دلہن بنا ہوا نہیں دیکھ سکیں گے۔'' نسرین بیگم نے ایسی حسرت سے کہا کہ ریاض صاحب کے پانی پیتے ہوئے پھندا سا لگ گیا۔ یوں آنسوؤں کے پرنالے کو گرنے کا ایک بہانہ مل گیا۔

☆☆☆

''ان کی زندگی میں ہی قبرستان جیسی خاموشی چھا گئی ہے۔'' سرفراز صاحب خاموش رہے۔

''میری اطلاع کے مطابق...... ریاض صاحب روزانہ روتے ہیں اور ان کی بیوی کی آنکھیں بھی وقتاً فوقتاً روتی رہتی ہیں۔ اب ان لوگوں کا آنا جانا بھی ختم ہی سمجھیں۔ نماز پڑھنے کے بعد ریاض ہمہ وقت اپنے گھر میں ہی رہتے ہیں۔''

''ہوں......'' سرفراز احمد ایک گہری سانس لے کر بولے۔

''سر! کیا آپ خوش نہیں ہوئے؟ آپ کا دشمن روزانہ آنسو بہاتا ہے۔''

''خوشی کیسی۔'' انہوں نے خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا۔

''دشمن رو رہا ہے تو یہ خوشی کی بات ہوتی ہے۔'' ان کے وفادار ملازم نے چاپلوسی سے کہا۔

''تم نہیں سمجھ سکتے کہ خوشی کیا ہوتی ہے۔ خاص طور پر دشمن کی طرف سے ملنے والی خوشی کا فلیور کیسا ہونا چاہیے۔ ریاض اور ان کی بیوی کا رونا دھونا تو اس ہلکی سی بوندا باندی کی طرح ہے جو صحرا میں برسے تو صحرا کی پیاس اور بڑھ جائے۔ میرے سینے میں بھی بدلے کی آگ بری طرح دہکی جا رہی ہے۔ جب تک یہ خاندان تہس نہس نہیں ہو جائے گا مجھے خوشی نہیں ہوگی۔ جب ان کی آنکھ میں آنسو بھی ٹپکنے کے لیے نہ بچے، تب مجھے خوشی ہوگی۔''

''اب میں کیا کروں سر؟''

''تمہیں کچھ نہیں کرنا، تم جاؤ، آرام کرو۔'' جیب سے نوٹوں کا ایک بنڈل دیتے ہوئے انہوں نے شفیق سے لہجے میں کہا۔ وہ سلام کرتا ہوا چلا گیا اور سرفراز احمد کے ہاتھ اپنے موبائل کے بٹن پش کرنے لگے۔

☆☆☆

ریحان نے دبئی پہنچتے ہی ماں سے کہا تھا کہ آپ جمیلہ اور اس کے شوہر کو فوراً کام سے نکال دیں کہ یہ لوگ اب قابل بھروسہ نہیں رہے۔ ساجدہ بیگم کا خیال تھا کہ ملازمہ کو تنخواہ دے کر وہ آسانی سے نکال باہر کریں گی مگر جمیلہ سے زیادہ اس کا شوہر ان کی خوشامد کر رہا تھا اور ان کے گھر سے جانے کو اپنے لیے بڑا ظلم گردان رہا تھا۔

''بیگم صاحبہ! اگر آپ ہمیں پیسے بھی نہ دیں، ہم تب بھی یہ گھر نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نمک خوار لوگ ہیں آپ کو اپنے جیتے کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔'' ساجدہ بیگم نے شوہر کو یہ بات بتائی

تو وہ بھی سوچنے لگے۔

''گھریلو ملازمین پر شبہ کرنا غلط ہوگا اگر یہ لوگ ملازمت نہیں چھوڑ رہے تو رہنے دو۔'' تب ساجدہ بیگم بھی خاموش ہوگئیں۔

مگر چند دن بعد ہی ظہیر حسن کو یہ اندازہ ہوگیا کہ جمیلہ اور اس کا شوہر ان کے گھر کی رتی رتی کی خبر موبائل پر کسی کو دے رہے ہیں۔ وہ نماز پڑھنے مسجد میں دیر سے پہنچے تو جماعت ختم ہوگئی تھی۔ فوراً ہی گھر لوٹے تو دیکھا جمیلہ کا شوہر لان کی گھاس پر لیٹا کہہ رہا تھا۔

''ریحان صاحب مری چلے گئے ہیں، دس دن میں واپس آئیں گے بڑے صاحب صبح جاتے ہیں تو شام میں گھر واپس آتے ہیں۔''

''تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟'' ظہیر حسن، اس کے سامنے کھڑے پوچھ رہے تھے۔

''اپنے گھر بات کر رہا تھا، میرا چاچا آپ کو سلام کہہ رہا تھا۔'' پہلے وہ گھبرایا اور پھر سنبھل کر بولا۔

''تم انہیں بھی سلام کہنا اور بتانا کہ ہمارا بھی مری جانے کا پروگرام ہے...... اس لیے فی الحال تمہاری اور تمہاری بیگم کی چھٹی۔''

''صاحب جی آپ جائیں۔ گھر پر ہم لوگ رہ لیں گے۔''

''نہیں، آپ کو ابھی ہی جانا ہوگا کہ ہمارے پروگرام کا کچھ پتا نہیں ہے کہ کب واپسی ہو۔'' ظہیر حسن کے لہجے میں سختی رچی ہوئی تھی کہ وہ کھسیا کر رہ گیا مگر اصل بات کی تہ تک وہ نہیں پہنچا تھا۔ اسی لیے پوچھنے لگا۔

''صاحب جی! آپ یہ تو بتا دیں کہ ہم واپس کب آئیں۔''

''کبھی نہیں۔'' جملہ کہہ کر وہ قصداً ہنسے۔

''کیا مطلب جی...... کیا آپ ہمیں کام سے نکال رہے ہیں؟''

''یہ بات نہیں ہے۔'' وہ مسکرائے۔ ''تمہیں خود سے آنے کی ضرورت نہیں ہے، جب ہم آئیں گے تو تمہیں فون کر کے بلالیں گے۔ ہوسکتا ہے بیگم صاحبہ چند ماہ واپس نہ آئیں تو میں بلا کر کیا کروں گا۔''

''تو آپ اکیلے رہیں گے تو گھر میں کھانا نہیں کھائیں گے کیا؟ اکیلے شخص کو تو زیادہ

ضرورت ہوگی۔''

اگر میں یہاں اکیلا ہوا تو اماں کے گھر چلا جاؤں گا۔ وہاں جا کر بھی تو رہنا چاہیے ناں...... اپنے بہن بھائیوں کے گھروں میں گھومیں گے تو ہماری بھی تفریح ہو جائے گی۔''

''ہاں یہ بات تو ہے۔'' وہ کھسیا کر بولا۔

''آپ کل کب تک جائیں گے۔'' اس نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''ہم جب بھی جائیں تم لوگ ابھی نکل جاؤ اور ہاں یہ اس ماہ کی اور آئندہ ماہ کی تنخواہ بھی پوری رکھ لو۔'' ظہیر حسن نے ان کو تنخواہ دیتے ہوئے کہا۔

ایک گھنٹے کے بعد جب وہ دونوں گھر سے جا رہے تھے تو ایسے پیر پکڑ کر رو رہے تھے جیسے ان کو جانے میں تکلیف ہو رہی ہو۔

''نمک حرام کہیں کے، جہاں کا کھا رہے تھے وہیں کی رپورٹنگ کر رہے تھے۔'' ظہیر حسن کا غصہ کسی صورت ختم نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ریاض مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلنا ہی چاہ رہے تھے کہ ان کی پشت پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا ایک چھبیس سالہ نوجوان انہیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ریاض صاحب نے حیرت سے اسے دیکھا وہ ان کے لیے قطعی انجان تھا۔

''السلام علیکم سر! آپ نے مجھے پہچانا؟'' انہوں نے نفی میں گردن ہلائی۔

''آپ نے ایک سال ایک اکیڈمی میں پڑھایا تھا ناں!'' اس نے جیسے انہیں یاد دلایا۔

''ہاں، وہ تو بہت پرانی بات ہے۔''

''میں نے اپنے میٹرک کے زمانے میں آپ سے ٹیوشن پڑھی ہے۔ سر میں تو آپ کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔''

''مگر مجھے ابھی تک یاد نہیں آ رہا کہ میں نے تمہیں پڑھایا ہے۔ یوں بھی بہت کم عرصے پڑھایا تھا شاید سال بھی نہیں۔''

''سر میں پڑھائی میں خاصا کمزور تھا صرف آپ کی وجہ سے پاس ہوا تھا۔''

''سچ کہہ رہا ہوں، مجھے کچھ یاد نہیں مگر کیا تم یہاں رہتے ہو اس سے قبل تو تمہیں اس

مسجد میں میں نے نہیں دیکھا؟" اب وہ دونوں مسجد سے باہر نکل کر ساتھ ساتھ چلتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

"میں ایک کام سے آیا تھا ایک صاحب کے پاس، میں جس جگہ کام کرتا ہوں انہیں ایک اکاؤنٹنٹ کی شدید ضرورت تھی مگر آج جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے بتایا کہ انہیں جاب مل چکی ہے۔ اس لیے اب وہ اس جگہ کام نہیں کر سکیں گے اور میں نے اپنے باس سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ انہیں اپنے ادارے کے لیے محنتی اور ایماندار اکاؤنٹنٹ مل جائے گا۔"

"یہ دنیا بھی عجیب گورکھ دھندا ہے، کوئی کسی کو جاب دلوانے کے لیے بے چین ہے تو کوئی کسی کو نکلوانے کے لیے۔" ریاض صاحب نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"سر میں آپ کی باتوں کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"بیٹا! اس دنیا میں بہت سی باتوں کے مطلب سمجھ میں آتے ہیں اور نہ ہی بہت سے لوگوں کے رویے...... آج کے اس دور میں بھی بیشمار لوگ ان درندوں کی طرح ہیں جنہیں انسانی خون پینے کی عادت ہے۔ جن کو دوسروں کو لہولہان کرنے میں ایک طمانیت سی ملتی ہے۔"

سر ریاض کی باتیں سن کر نواز یک لخت کانپ گیا اور معصومیت سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"سر یقین نہیں آتا کہ اس مہذب معاشرے میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہوں گے۔"

ریاض صاحب کا گھر آ گیا تھا۔ وہ نواز کے شانے پر شفقت بھرا ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"اللہ نہ کرے، تمہارا کبھی ایسے لوگوں سے سامنا ہو۔" نواز انہیں سلام کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

"آپ بھی عجیب ہیں، جب آپ کا پرانا شاگرد کسی اکاؤنٹنٹ کو ڈھونڈ رہا تھا تو آپ کو اس سے کہنا چاہیے تھا ناں کہ آپ بے روزگار ہیں اور آپ برسوں سے اکاؤنٹنٹ ہی رہے ہیں، وہ یہ جاب آپ کو دلوا دیتا، استاد کا تو بڑا حق ہوتا ہے۔" نسرین بیگم نے شوہر کی تمام بات سن کر ان سے کہا۔

"اول بات تو یہ کہ آج کل کسی کا کسی پر کوئی حق ہوتا ہی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی کسی دوسرے کو اس کا حق دینا چاہتا ہے۔ نواز تو پھر ایک اجنبی لڑکا تھا جو مجھے ابھی تک یاد نہیں آ رہا کہ

میں نے کبھی اسے پڑھایا بھی تھا۔ میں تو اپنا کوئی بھی شاگرد نہیں بھول پایا...... حیرت ہو رہی ہے مجھے اپنے آپ پر کہ وہ میرے ذہن سے کس طرح محو ہو گیا۔"

"عمر کا بھی تقاضا ہے، اب دل و دماغ پہلے جیسے کہاں رہے ہیں۔" نسرین نے کہا تو وہ ایک آہ بھر کر تائیدی انداز میں سر ہلانے لگے۔

"کاش آپ کہہ دیتے...... تو جاب آپ کو مل ہی جاتی۔" نسرین بیگم مسلسل تاسف سے کہہ رہی تھیں اور انہیں ایسا ہی لگ رہا تھا کہ ملتی ہوئی جاب انہوں نے از خود منع کر دی ہو۔

"کیا فائدہ ہے جاب کرنے سے...... وہ آسیب جو ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے وہ نہ صرف یہ جاب بھی ختم کروا دے گا...... بلکہ ذہنی اذیت مزید دے گا کہ میں بے وجہ کی پریشانیوں میں علیحدہ گرفتار ہو جاؤں گا۔"

"کسی کو ہم بتائیں گے ہی نہیں...... تو اسے کیسے پتا چلے گا۔"

"نہیں اسے تو شاید مجھ سے پہلے پتا چل جائے گا۔"

"خوامخواہ میں ہی......" نسرین نے تیوری تانی۔

"شاید اس نے کوئی خفیہ کیمرا ہمارے گھر میں فٹ کر رکھا ہے۔ جس سے ہماری ہر بات کی خبر ہو جاتی ہے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے، یہ سب ہمارا خوف ہے جو اس نے ہمارے اوپر طاری کر دیا ہے۔ اب اگر وہ آپ کا شاگرد دوبارہ ملے تو آپ نے اس سے یہ بات ضرور کہنی ہے۔" نسرین بیگم نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اب اس سے ملاقات ہو ہی نہیں سکتی۔"

"کیوں بھلا...... آج بھی تو ہو ہی گئی۔"

"وہ ہمارے علاقے میں رہتا ہی نہیں ہے، وہ کہاں رہتا ہے یہ میں نے پوچھا ہی نہیں۔ کسی سے ملنے کے لیے وہ آیا تھا۔ اب وہ کیوں آئے گا، اس علاقے میں مجھے جاب دلوانے کے لیے...... جبکہ میں نے اسے کچھ بتایا بھی نہیں۔"

"سنیں اگر یہ ملازمت آپ کے نصیب میں ہو گی تو آپ کو ضرور ملے گی۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" ریاض صاحب پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے کہ وہ جانتے تھے کہ ایسا ہونا ناممکن ہو گا۔

مگر صرف چار دن کے بعد ہی عصر کی نماز میں وہ نواز کو دیکھ کر واقعی حیران سے رہ گئے۔ وہ سلام کر کے ان کی خیریت پوچھنے آیا تو وہ اسے بے یقینی سے دیکھنے لگے۔

''آج یہاں کیسے؟'' بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

''میں اپنے گھر جا رہا تھا دوست کے ساتھ اچانک ہی اس کی گاڑی خراب ہو گئی، میں نے کہا تم مجھے یہیں اتار دو، عصر کی نماز پڑھ کر ویگن سے گھر چلا جاؤں گا۔''

''تم کو میں نے اپنے گھر لے جا کر چائے نہیں پلائی تھی اس وجہ سے دوبارہ یہاں آئے ہو۔'' ریاض صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''یقیناً یہی بات ہو گی کہ اس شب میرا دل چاہ رہا تھا کہ سر آپ کے ساتھ آپ کے گھر جاؤں۔''

''چلو گھر چلتے ہیں، وہاں اچھی سی چائے پی کر جانا۔'' اپنے گھر میں مختصر سے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ریاض صاحب نے نسرین بیگم سے کہا۔

''میرا شاگرد آ گیا ہے...... شاید ہماری دعا پوری ہو جائے، تم چائے کے ساتھ ایک آدھ چیز بھی رکھ کر بھیجو۔'' ریاض صاحب کے مزاج میں وضع داری اتنی تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی نواز سے یہ کہہ نہیں پا رہے تھے کہ تم مجھے کہیں سے جاب دلوا دو۔ چائے پینے کے دوران نواز نے ازخود پوچھا۔

''سر کیا آپ اب بھی کسی اکیڈمی میں پڑھاتے ہیں یا کوئی دوسری جاب کرتے ہیں۔'' تب وہ انتہائی شرمساری سے بولے۔

''میں ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتا تھا، وہاں اکاؤنٹنٹ تھا، پرموشن کے اگلے ماہ ہی مجھے نکال دیا گیا بغیر کسی وجہ کے۔ دوسری، تیسری کئی جگہ جاب ملی مگر کسی کے کہنے پر مجھے نکال دیا گیا۔''

''تو پھر اب......؟'' وہ مضطرب سا ہو گیا۔

''کچھ نہیں کرتا۔''

''مگر آپ کو جاب تو کرنی چاہیے ناں؟''

''کیا کروں گا...... وہ پھر نکلوا دے گا۔''

''سر ایسی اندھیر نہیں مچی ہوئی کہ آپ یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟''

''میں اپنے باس سے کہہ کر اپنی ذمے داری پر جاب لگوا سکتا ہوں، آپ بے فکر رہیے۔ آپ کو جاب جلد ملے گی اور اسے کوئی بھی مائی کا لعل ہٹوا نہیں سکتا۔'' نواز کا لہجہ آہنی سا تھا۔

''مجھے امید تو نہیں ہے مگر تم میرا سی وی لے لو اگر ایسا ہو جائے تو مجھے دلی خوشی ہو گی۔'' نواز ان کے دل میں بہت سی امیدیں بو کر چلا گیا۔

ایکدن، دو دن پورا ہفتہ گزر گیا نہ وہ آیا اور نہ ہی اس نے کوئی رابطہ کیا۔

''دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ وہ بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔ میرا دشمن یہ ہرگز نہیں چاہے گا کہ میں کچھ کما سکوں، کچھ پیسے جوڑ سکوں۔ اگر نہاں کی ٹیوشن کا سہارا نہ ہوتا تو شاید ہم لوگ فاقوں سے مر جاتے۔''

''ہاں...... اب تو مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' نسرین بیگم کے لہجے میں رنجیدگی سے گھلی ہوئی تھی۔

وہ لڑکا...... تو یہی کہہ کر گیا تھا کہ صرف دو دن میں وہ اپائنٹمنٹ لیٹر لے کر آ جائے گا اور اب دس دن گزر گئے اور اس کا کوئی اتا پتا نہیں۔ اور نہ ہی اس نے کوئی فون کر کے انہیں جھوٹی تسلی بھی دی تھی۔

''نہیں کر سکا ہو گا وہ...... تو بے چارا کیا کرتا اس کو کیا دوش، جو اپنی قسمت میں لکھا ہے وہ ہر حال میں پورا ہو گا۔ میں تو منع بھی کر رہا تھا کہ جیسے ہیں ہم ٹھیک ہیں، نوکری کے لیے اب تگ و دو کرنی ہی نہیں چاہیے۔ مگر تم نے کہا تھا اور میں بھی تمہاری بات مان گیا۔'' ریاض روزانہ اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ نسرین بیگم دل میں شرمندہ سی ہو رہی تھیں کہ ناحق انہوں نے ایسا کہا۔ خوامخواہ ڈپریشن کی سطح مزید بلند ہو گئی۔

مگر ایک شام نواز کو اپنے دروازے پر کھڑا دیکھ کر وہ حیران سی رہ گئیں۔

''آنٹی...... سر کہاں ہیں؟'' وہ سرشار لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ بڑا سا مٹھائی کا ڈبا اس کے ہاتھ میں تھا۔ ریاض آئے تو وہ ان کے ہاتھ میں اپائنٹمنٹ لیٹر دیتے ہوئے بولا۔

''معاف کیجیے گا سر! مالک بیمار ہو گئے تھے ان سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ کل جب ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے پہلا کام یہی کروایا اور جتنے پیسوں پر آپ کی نوکری ختم ہوئی تھی

میں نے اس سے دو ہزار زائد پر لگوائی ہے کہ آپ جیسا قابل شخص، کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔" ریاض صاحب پہلے تو متحیر انداز میں اپائنٹمنٹ لیٹر الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے اور پھر نواز کو بے اختیار گلے سے لگا لیا۔

"پیارے بیٹے! یہ تمہارا مجھ پر احسان ہے۔" وہ جذبات سے مغلوب، گلوگیر لہجے میں صرف اتنا ہی کہہ سکے۔ باقی تمام جملے ان کے حلق میں ہی کہیں اٹک گئے۔

"سر، آپ یہ کیسی بات کہہ رہے ہیں۔ اگر آپ نے میرے دل میں پڑھنے کا شوق نہیں پیدا کیا ہوتا تو میں اپنے گھر میں بیٹھا ڈنڈے بجا رہا ہوتا۔ آج میرے گھر کے جو حالات تبدیل ہوئے تو اس کی وجہ صرف آپ ہیں۔ ورنہ کیا ہوتا، یہ میں نہیں بتا سکتا۔" یہ کہتے ہوئے نواز کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ اور ریاض صاحب سوچنے لگے کہ کون کہتا ہے کہ آج کے دور میں استاد کی عزت کرنے والے لوگ ختم ہو گئے ہیں۔ آج بھی ہیں جو اپنے استاد کو اپنے روحانی باپ کا درجہ دیتے ہیں۔

☆☆☆

"امی میں گھر آ رہا ہوں، دبئی میں مزید رہنا میرے لیے بور ترین ہے۔" ریحان نے فون پر کہا۔

"مگر بیٹے تم جانتے ہو ناں...... یہاں کوئی خوامخواہ ہی تمہارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ دبئی میں رہو گے، تو مجھے تقویت تو رہے گی ناں!"

"میرے سامنے میرے ماں باپ ہوں گے تو مجھے تقویت اور طمانیت دونوں ہی رہیں گی۔" ریحان نے کہا۔

"اچھا کب آنے کا ارادہ ہے؟" بیٹے کی عادت کو وہ اچھی طرح جانتی ہی تھیں کہ وہ کبھی نہیں مانے گا۔

"کل صبح کی فلائٹ سے، کل ہی ان شاء اللہ ملتے ہیں، لگتا ہے کہ برسوں سے اپنے گھر سے کہیں دور گیا ہوا ہوں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا، اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔" ساجدہ بیگم نے دعا دیتے ہوئے کہا۔ فون بند ہو گیا تھا مگر ساجدہ بیگم کی پریشانی شروع ہو گئی تھی۔

"سنیں...... ہمارا ریحان کل آ رہا ہے۔" ظہیر حسن گھر میں داخل ہوئے، تو انہوں نے

پہلی بات یہی کی۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔" وہ سرشار سے لہجے میں بولے۔

"مگر مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔"

"ڈرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

"پہلے بھی اللہ نے اس کی حفاظت کی اور آئندہ بھی وہی کرے گا مگر نہ گھر میں نہ خاندان میں کسی کو بھی یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ریحان آ گیا ہے۔"

"اگر کوئی دیکھ لے اور پوچھ بیٹھے تو کہہ دینا کہ ہاں آفس کے کام کے سلسلے میں ہی آیا ہے، چلا جائے گا، اب اس کی مستقل پوسٹنگ باہر کی ہو گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن......" وہ کچھ کہتے کہتے چپ سی ہو گئیں۔

"لیکن کیا؟" ظہیر حسن نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اگر دروازے پر کوئی گارڈ رکھ لیتے تو اچھا تھا۔"

"تا کہ سب کو پتا چل جائے، یہ خاص الخاص لوگ ہیں، ان سے اپنی حفاظت تک خود نہیں ہوتی۔ یہ جمائی لینے والے گارڈ پر بڑا بھروسا رکھتے ہیں۔" ظہیر حسن کا لہجہ خاصا تمسخر آمیز سا تھا۔ اس لیے وہ چپ سی ہو گئیں۔

☆☆☆

ریاض احمد بے حد خوش تھے کمپنی بہت اچھی تھی اور ان کی یہاں بے حد عزت تھی، علیحدہ کمرا سہولتوں سے آراستہ...... انہیں ملا ہوا تھا۔ وہ اپنا کام بہت محنت سے کر رہے تھے پہلے ہی مہینے انہیں بیسٹ ورکر ہونے کے ناتے ایک اضافی بونس بھی دیا گیا۔ انہیں حیرت ہوئی تو بتایا گیا کہ یہ اس کمپنی کا اصول ہے کہ ہر ماہ بہترین ورکر کا انتخاب اس کے کام کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ یوں اس کمپنی میں کام کرنے والے تمام ورکر انتہائی مستعد ہیں۔

ان کے دل میں یہ خوف دامن گیر تھا کہ ان کے پوشیدہ دشمن کے ایک فون آنے سے وہ فوری طور پر یہاں سے بے دخل بھی کر دیے جائیں گے اور اپنے اس وہم کا اظہار وہ کئی مرتبہ نواز کے سامنے بھی کر چکے تھے۔

"سر! ایسا ہرگز نہیں ہوگا، میں یہ باتیں اپنے مالک کو بتا چکا ہوں، جس کو سن کر وہ بہت ہنسے بھی تھے اور کہہ رہے تھے کہ اس کمپنی میں کوئی دشمن پرندہ بھی اپنا پر نہیں مار سکتا۔ انسان

کی بات تو دوسری ہے کہ وہ اپنی کمپنی اپنے حساب سے چلاتے ہیں۔ دوسروں کی مرضی یا حساب سے نہیں۔'' اور واقعی یہ وہم، صرف وہم ہی ثابت ہوا۔ چار ماہ گزرنے کے بعد ریاض صاحب نے ایک اطمینان سا محسوس کیا۔ اب ان کے دل میں پھر سے نہاں کے لیے ارمان جاگنے لگے۔

مگر نہاں کا معاملے پتا نہیں کیوں اتنا بھاری پڑ گیا تھا یا لوگوں کی توقعات اتنی زیادہ بڑھ گئی تھیں کہ لوگ آتے نہاں کو دیکھ کر پسند بھی کرتے مگر پھر دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے۔

نسرین بیگم کا تو یہ پکا خیال تھا کہ کسی نے نہاں کا رشتہ باندھ دیا ہے، جب ہی تو اس کی شادی ہونے میں اتنے رخنے پڑ رہے ہیں۔ مگر ریاض صاحب کو بیوی کی یہ ساری باتیں فضول لگا کرتی تھیں۔

نواز کبھی کبھار ریاض صاحب کے گھر آجاتا۔ نسرین بیگم اس کی خوب خاطر مدارات کرتیں مگر ان کے گھر کا ماحول ایسا تھا کہ نہ اس نے کبھی نہاں کو دیکھا اور شاید اسے یہ پتا بھی نہیں تھا کہ سر ریاض کی کوئی بیٹی بھی ہے۔ جب ہی تو ایک دن اس نے کہا۔

''آنٹی آپ کے اگر بچے ہوتے تو آپ کا گھر یوں خاموش سا نظر نہ آیا کرتا۔''

''اللہ کا احسان ہے کہ ہماری ایک بیٹی ہے۔'' نسرین بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''واقعی!'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، بیٹا، وہ ان دنوں بی اے کے امتحان کی تیاری کر رہی ہے، کالج بھی قریب ہی ہے۔''

''انکل پڑھا دیتے ہوں گے تو کالج جانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا اور نسرین بیگم مسکرا کر چپ ہو گئیں۔ انہیں نواز بہت اچھا لگتا تھا، خوب صورت سی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والا لڑکا بے حد ہی بھولا بھالا سا تھا۔ تمیز اور شائستگی اس کے مزاج میں جیسے رچی ہوئی تھی۔ اس کی وجاہت کے ساتھ ساتھ اس کے نیک اطوار کو دیکھ کر انہون نے دل ہی دل میں سوچا تھا کہ کاش...... نواز میرا داماد بنتا۔ اس خواہش کے باوجود نہاں ایک بار بھی نواز کے سامنے نہیں آئی تھی۔

ایک شام نسرین بیگم، نواز کو کھانے پر روک رہی تھیں تو وہ بولا۔

''میری باجی گھر پر میرا انتظار کر رہی ہوں گی...... کراچی میں، میں اپنی باجی کے گھر

رہتا ہوں، والدین تو ہیں نہیں، انہوں نے ہی مجھے پالا پوسا ہے۔''

''پھر تم اپنی باجی کو لے کر کیوں نہیں آئے، ہم تمہاری بہن سے بھی مل لیں گے۔''

''باجی نے تو کئی مرتبہ کہا تھا مگر میں نے سوچا پتا نہیں آنٹی کو اچھا لگے یا نہیں۔''

''بیٹا! کیسی غیروں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ اب اتوار کو تم اپنی باجی کو لے کر آؤ گے تو ہمارے ساتھ ہی کھانا کھاؤ گے۔'' اور نواز کے چہرے پر مسکراہٹ سی پھیل گئی۔

☆☆☆

''امی، خوامخواہ ہی ڈر رہی تھیں۔ ساری پریشانی نمک حرام نوکروں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جب ہی تو اب لوگ اپنے اپنے گھروں کا کام خود کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور ملازم نہیں رکھتے۔'' ریحان نے ماں سے کہا۔

''تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''مجھے تو حیرت کے ساتھ افسوس بھی تھا کہ اتنا پرانا ملازم ہمارے ہی گھر میں بیٹھ کر ہمارے لیے کانٹے بو رہا تھا۔''

''پیسے کے آگے لوگ اپنا دین ایمان بھی بھول جاتے ہیں۔''

''ہمارے گھر سے مشکل سے گیا اور پھر اس نے اسی محلے میں نوکری حاصل کرنے کی کوشش کی، ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے یہی کہا کہ قابل بھروسا نہیں تھا جب ہی تو ہم نے نکالا ہے۔ اسی وجہ سے اسے کسی نے بھی نہیں رکھا۔''

''یہ بھی اچھی بات ہے کہ وہ ہمارے محلے میں نہیں ہے ورنہ بہت سی معلومات تو وہ یہاں کسی بھی گھر میں بیٹھ کر دے سکتا تھا۔ اللہ برے لوگوں سے بچا کر رکھے۔'' ساجدہ بیگم نے بیٹے پر دم کر کے کہا۔

''ملازمہ کے بغیر کام کرنے میں آپ کو دشواری تو بہت ہوتی ہوگی۔''

''شروع، شروع میں تو واقعی ہوئی مگر اب تو عادت سی ہو گئی ہے اور اپنا کام کرنا اچھا بھی لگ رہا ہے۔ اچھا ہے اسی بہانے ہاتھوں کی ورزش بھی ہو رہی ہے۔ ورنہ ہم جیسی خواتین جو گھر میں کوئی کام نہیں کرتیں ان کے تو ہاتھ پیر پہلے تو سن ہونا شروع ہوتے ہیں اور پھر جام ہو جاتے ہیں۔''

☆☆☆

نواز کی بہن نواز جیسی خوب صورت تو نہیں تھی اس کا ناک نقشہ خاصا موٹا تھا مگر بے حد گوری تھی اور بے حد اچھے اخلاق کی۔ ریاض صاحب کے ہاں برقع اوڑھ کر آئی تھی اور ان لوگوں کے لیے خوب سارے تحائف بھی لے کر آئی تھی۔

''زرینہ یہ سب کیا ہے؟'' نسرین بیگم نے حیرت سے اپنا ایمبرائیڈری سوٹ، ریاض صاحب کے لیے شلوار کرتہ اور نہاں کے لیے شیفون کا سوٹ دیکھ کر کہا۔

''نواز کے یہ استاد کا گھر ہے، جنہوں نے ہمارے بھائی کو پڑھایا تو ہمارا کیا اتنا بھی قرض نہیں ہے کہ اپنے محسنوں کو کوئی تحفہ دے سکیں۔''

''مگر بچے کبھی بڑوں کو تحائف نہیں دیا کرتے، ان کا تو صرف لینے کا حق ہوتا ہے۔'' نسرین بیگم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اب نہ نواز بچہ رہا ہے اور نہ میں۔ ہم دونوں بہن بھائی ایک ساتھ رہتے ہیں، میرے شوہر بہ سلسلہ ملازمت دبئی میں ہیں کچھ دنوں کے بعد میں بھی ان کے پاس چلی جاؤں گی۔''

''تمہارے ساتھ نواز بھی دبئی چلا جائے گا؟'' نسرین بیگم نے بے اختیار پوچھا۔

''نواز! دبئی گھوم آیا ہے اور اسے بالکل پسند نہیں آیا۔ کہتا ہے کہ وہاں مجھے وحشت ہوتی ہے۔''

''تو کیا وہ کراچی میں ہی رہے گا؟''

''ہاں، مجھ سے ملنے کے لیے دبئی آتا جاتا رہے گا، دبئی اور کراچی کوئی دور دور تھوڑی ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹے کی فلائٹ ہے۔''

''تمہارا صرف ایک ہی بھائی ہے، یہاں اکیلے رہے گا تو تمہارا دل نہیں گھبرائے گا؟'' نسرین بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''آنٹی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، اسی لیے میں سوچ رہی ہوں کہ اپنے دبئی جانے سے پہلے بھائی کی شادی نہیں تو کم از کم منگنی تو کر ہی جاؤں۔ اگلے سال جب اپنے شوہر کے ساتھ آؤں گی تو بھائی کی شادی بھی کر دوں گی۔''

''ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔'' نسرین بیگم نے ان کی بات کی جیسے تائید کر دی۔

☆☆☆

ریاض صاحب آفس سے گھر آئے تو خاصے خوش تھے صرف چھ ماہ بعد ہی ان کا پروموشن ہو گیا تھا، وہ ہنستے مسکراتے لہجے میں بیوی سے بولے۔

''آج میں جتنا خوش ہوں، بتا نہیں سکتا۔''

''آج میں بھی بہت خوش ہوں۔'' نسرین بیگم نے ہنس کر کہا۔

''پہلے آپ اپنی خوشی کی وجہ بتائیں۔'' ریاض صاحب نے بیوی سے پوچھا۔

''نہیں پہلے آپ......'' نسرین بیگم نے مسکرا کر شوہر کو دیکھا۔

''لیڈیز فرسٹ کے اصول کے تحت پہلے آپ......'' ریاض ہنسے۔

''آج ہماری عاتکہ باجی آئی تھیں وہ کہہ رہی تھیں ان کی نند کے کرائے دار کے لیے لڑکی ڈھونڈی جا رہی ہے۔ انہوں نے ہماری نہاں کی تصویر دکھائی تھی جو انہیں بے حد پسند آئی ہے اور وہ کہہ رہی ہیں کہ ہمیں لڑکی والوں کے گھر لے کر چلو۔ اب آپ بتائیں، میں ان لوگوں کو کب اپنے گھر بلاؤں۔'' نسرین بیگم نے ریاض صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہاری باجی کی نند کے کرائے دار کو ہم بھلا کیا جانیں اور انجان لوگوں کو ہم اپنے گھر پر کیوں بلائیں گے؟'' ریاض صاحب کا لہجہ حتمی سا تھا۔

''جب وہ ہم سے ملیں گے تو ہی ہم انہیں جانیں گے ناں!'' نسرین بیگم نے حیرت سے شوہر کو دیکھا۔

''ہمیں اجنبی لوگوں پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔'' توقف کے بعد ریاض صاحب نے کہا۔

''مگر باجی کہہ رہی تھیں لڑکا بہت اچھا ہے، کماؤ ہے، ہاں شکل صورت کا واجبی سا ہے۔'' نسرین بیگم نے شوہر کو بتایا۔

''ہماری بیٹی نہاں...... اتنی خوب صورت سی ہے، اس کی شادی ہم معمولی شکل کے لڑکے سے کیوں کریں گے، اس کے لیے تو کوئی خوب صورت سا لڑکا ہونا چاہیے۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ لڑکوں کی شکل و صورت بھلا کون دیکھا کرتا ہے۔'' نسرین بیگم کو اپنے شوہر کی باتوں پر حیرت سی ہو رہی تھی۔

''ہاں...... میں اب اپنی بیٹی کی شادی کسی خوب صورت سے لڑکے سے کروں گا۔''

''کسی خوب صورت لڑکے کا رشتہ آئے گا تو ہم کریں گے ناں۔ یہ رشتہ بھی میری

باجی کی وجہ سے آ رہا ہے کہ انہوں نے ہماری نہاں کے سلیقے کی بے حد تعریف بھی کی تھی۔''

''ہماری بیٹی ہے ہی ایسی، انہوں نے کوئی جھوٹی تعریف تھوڑی کی تھی۔'' ریاض صاحب نے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔ نسرین خاموش ہو گئیں...... اور ریاض صاحب کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ جن کے چہرے کی سرشاری نے ان کی امید کی لو بھی بڑھا دی تھی۔

''کیا بات ہے......'' بتائیں تو، ایسا کیا ہوا ہے جو آپ مجھے پہلے والے ریاض نظر آ رہے ہیں؟''

''میرا پروموشن ہوا ہے، اکٹھے دس ہزار تنخواہ بڑھی ہے میری۔''

''اٹھارہ ہزار کی نوکری چھوٹی تھی تو بیس ہزار کی ملی اور اب مجھے تیس ہزار ملا کریں گے۔ سال کے چار بونس کے ساتھ۔''

''بہت اچھے مالک ہیں، جنہیں اپنے ورکرز کا اتنا خیال ہے۔'' نسرین بیگم نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

''یہ دنیا ہے، یہاں بھانت، بھانت کے لوگ ہیں۔ بعض کا یہ پلان ہوتا ہے کہ کسی کے منہ سے لقمہ بھی کیونکر چھینا جائے اور بعض کا خیال ہوتا ہے کہ لوگوں میں طمانیت اور مسرت کیسے بانٹی جائے۔''

''یہ نواز...... آپ کا شاگرد تو ہمارے لیے فرشتہ ثابت ہوا ہے۔''

''ہاں، جب ہی تو میرا دل چاہ رہا ہے کہ ایسا فرشتہ صفت لڑکا میرا داماد بنے۔ مجھے دلی خوشی ہوگی کہ میری بیٹی نہاں کی شادی نواز کے ساتھ ہو...... دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگے گی۔'' ریاض صاحب مسکرا کر سوچتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''آپ کی بات ٹھیک ہے مگر ہم لڑکی والے ہیں، اپنے منہ سے یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ نواز مجھے بھی دل سے پسند ہے، اس کے باوجود اپنی خواہش کا اظہار خود نہیں کر سکتے۔'' نسرین بیگم نے ملال بھرے لہجے میں کہا۔

''ہم تو نواز کے بھی کسی دوست سے واقف نہیں ہیں جس کے توسط سے اپنی بات ان تک پہنچا سکیں۔ ریاض صاحب بھی یہ کہتے ہوئے افسردہ سے ہو گئے۔

''مگر جس طرح ہم سوچ رہے ہیں وہ لوگ بھی تو اس نہج پر سوچ سکتے ہیں۔'' نسرین

بیگم نے کہا۔

''ہاں، یقیناً وہ بھی ضرور سوچیں گے۔''

''ہماری نہاں تو انہیں بہت پسند آئی ہے۔''

''تم دیکھ لینا، وہ نواز کے لیے ضرور نہاں کا رشتہ مانگیں گے۔'' ریاض صاحب نے کہا۔

''انشاء اللہ......'' نسرین بیگم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

☆☆☆

''حیرت ہے...... کہاں تو تم پریشان تھیں، بار بار میری خوشامد کر رہی تھیں اور جب وہ لوگ تمہارے گھر آنے پر تیار ہوئے تو تم منع کر رہی ہو۔ ان کے لڑکے کو رشتوں کی کمی تھوڑی ہے۔'' عاتکہ باجی نے نسرین سے کہا۔

''ریاض نہیں مان رہے۔''

''تو کیا ان کی نظر میں کوئی لڑکا ہے کیا؟''

''ہاں۔'' نسرین بیگم کے منہ سے بے اختیار نکل گیا اور کہہ کر پچھتا گئیں۔

''اگر تمہاری نہاں کے لیے رشتہ موجود ہے تو خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ بیٹی کی شادی کر کے فارغ ہو جاؤ۔ اب تو ریاض بھائی کی جاب بھی ٹھیک ٹھاک لگی ہوئی ہے۔'' ان کا مشورہ بھی غلط نہیں تھا۔

''نہاں کم از کم گریجویشن تو کر لے۔'' اس کے فائنل کے امتحان بہت قریب ہیں۔''

''آج کل یہ سب نہیں دیکھا جا رہا۔ لڑکیاں شادی کے بعد بھی پڑھ رہی ہیں۔ تم لوگ اتنے بڑے کرائسس سے گزرے ہو، تمہیں تو چاہیے کہ جلدی سے نہاں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤ کہ کہیں وہ دشمن دوبارہ پیچھے لگ گیا تو تم کیا کرو گے؟'' عاتکہ باجی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، آپ کہہ تو ٹھیک رہی ہیں اور میں خود کہاں فیصلہ کر سکتی ہوں۔ اس کے بارے میں تو ریاض ہی بتائیں گے۔'' نسرین نے پریشان سے لہجے میں کہا۔

''شوہر کو بیوی ہی سمجھایا کرتی ہے۔ تم دو چار بار سمجھاؤ گی تب ہی انہیں احساس ہوگا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔'' عاتکہ باجی کی بات سن کر نسرین نے تائید میں سر ہلا دیا۔

وہ سادہ لوح ماں باپ جن کی محبت کا مرکز صرف اور صرف ایمان تھی۔ جب زندگی کا مرکز ختم ہوجائے بے وفائی کرڈالے تو پیچھے کیا بچتا ہے۔

''یہ۔ یہ گاڑی کیوں چلادی۔'' ایمان نے گاڑی کے ایک دم چلنے پر گھبرا کر پوچھا تھا۔

''وہ۔ ڈا۔ ڈاکٹر جی کہاں ہیں باجی؟''

خوف سے ایمان کی آواز پھٹ رہی تھی۔

''تمہارے ڈاکٹر جی؟ ارے وہ تو کب کے واپسی کی گاڑی میں واپس جاچکے ہیں۔''

لڑکی کے لہجے میں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

لڑکی کے انکشاف نے ایمان کو ایک دم پتھر کا بنادیا تھا۔ لیکن اگلے ہی پل وہ بلک بلک کر رودی تھی۔

''باجی ڈاکٹر جی مجھے چھوڑ کر واپس کیوں چلے گئے؟'' اس کا دل سامنے کی حقیقت کو ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس لیے اُس نے ایک بار پھر اس سے پوچھا تھا۔

''کیوں کہ انہیں تو جانا ہی تھا۔'' لڑکی نے اطمینان سے جواب دیا۔

''لیکن۔ وہ۔'' ایمان نے گھبراہٹ سے دائیں بائیں دیکھا تھا۔ کار کے شیشوں کے باہر مناظر تیزی سے دوڑ رہے تھے۔

''لیکن وہ مجھے کیوں چھوڑ گئے۔ اور آ...... آپ مجھے کہاں لے کر جارہی ہیں؟'' ایمان نے پوچھا۔

گاڑی چلاتا ہوا بڑی بڑی مونچھوں والا ڈرائیور اُسے خوفزدہ کررہا تھا۔

''ارے احمق لڑکی۔ تمہیں کیا ابھی تک نہیں پتا چل سکا کہ ڈاکٹر گلزار تمہیں کیوں چھوڑ گیا ہے!'' لڑکی نے نہایت سفاکی سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں!'' ایمان کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھریں اُس لڑکی سے سوال کررہی تھیں۔ ''کیوں کہ...... وہ تمہیں ہمارے ہاتھوں بیچ گیا ہے!''

ایمان کے چاروں طرف شاید بم دھماکے ہوئے تھے۔ اور اس کا سارا وجود ریزہ ریزہ ہوگیا تھا۔

''کیا! بیچ گئے ہیں؟ مجھے۔'' ایمان کے مردہ وجود سے مری مری آواز سوال بن کر نکلی تھی۔

''ہاں! پچاس ہزار نقد میں۔ پچیس ہزار وہ پہلے لے چکا تھا۔'' ایک اور بم دھماکا ہوا تھا۔

یا شاید تیز رفتار گاڑی اُسے کچلتی آگے نکل گئی تھی۔ لیکن پھر وہ ایک دم نیند سے جاگی۔

''با۔ باجی۔ آپ کو اللہ جی کا واسطہ، مجھے اتار دیں میں اپنے گھر واپس چلی جاؤں گی۔''

''میرے امّاں ابا بڑے اچھے ہیں وہ میری بھول کو معاف کردیں گے۔'' ایمان گوگڑانے لگی تھی۔

''واپس! تم نہیں جانتی کہ تمہیں خریدنے والے کون سے ہاتھ ہیں۔ جہاں آنے کے ایک سو راستے ہیں لیکن واپس جانے کا ایک بھی راستا نہیں ہے۔''

''ہاں صرف ایک کھڑکی ہے، جہاں موت کے ذریعے باہر کودا جاسکتا ہے۔'' لڑکی کے لہجے میں ایک دم یاسیت در آئی تھی۔

''میں۔ کچھ نہیں جانتی۔ مجھے واپس جانا ہے۔'' ایمان نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا تھا۔

''رکو۔ روکو گاڑی۔'' ایمان نے گاڑی کے دروازے کے لاک کھولنے کی کوشش کی تھی۔

لیکن گاڑی کے آٹومیٹک لاک کھولنا ایمان کے بس میں کہاں تھا۔

''باجی...... باجی رحم کرو ناں! ایمان نے دروازے کے ساتھ زور آزمائی کرتے ہوئے اس لڑکی سے منت بھرے لہجے میں کہا...... آپ کو اللہ جی کا واسطہ۔''

''سوری ایمان...... مجھے افسوس ہے! لڑکی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔'' روتے روتے ایمان کا نقاب کھل گیا تھا۔

لڑکی جس کا نام فرزانہ تھا، اُسے ایمان کی کم عمری اور بھولپن پر بے انتہا ترس آیا تھا۔ لیکن وہ خود بھی بے بس تھی۔

''افسوس تمہارا حسن ہی تمہارا دشمن بن کر رہ گیا!'' ضروری نہیں کہ اچھی شکلیں ہی اچھے مقدر حاصل کرسکیں۔

''مجھے واپس جانا ہے! دروازہ کھولو! مجھے میرے گھر واپس جانا ہے!'' ایمان نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔

''ایمان اب تم کبھی واپس نہیں جاسکتی۔'' لڑکی نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ایمان نے اُس لڑکی کو پھٹی پھٹی نگاہوں کے ساتھ دیکھا تھا۔

ایمان کو یوں لگ رہا تھا کہ اُس کا سانس بند ہوگیا ہے۔ اور منظر دھندلے ہوچکے ہیں۔ دور سے کہیں اُسے دو آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''ایمان۔ ایمان پُتر!''

شفیق آوازیں دور جارہی تھیں۔

چھوٹے سے آنگن میں سہیلیوں سے کھیلتی وہ تتلی کی طرح اُڑتی چھوٹی سی ایمان۔ اس کا آنگن دور جارہا تھا۔ ابا کا پیار بھرا سینہ اور ان کا لمس، سب منظر بھاگتے دور جارہے تھے۔

اماں کے ساتھ چارپائی پر لیٹی ایمان تاروں بھرے آسمان کے نیچے کہانیاں سنتے، خواب بنتے وہ منظر دور جارہا تھا۔

بچپن، معصومیت، جوانی کی اوّلین بہار، گھر آنگن، چھاؤں جیسے ماں باپ، سب منظر تیزی سے دور بھاگ کر غائب ہوچکے تھے۔

ایمان نے دھندلی آنکھوں کے ساتھ۔ پوری طاقت کے ساتھ سانس لینے کی کوشش کی تھی لیکن بے سود رہا تھا۔ وہ سانس لے نہیں پارہی تھی۔

''اماں...... ابا!'' اس کے ہونٹ ایک پکار لیے ذرا سا کپکپائے۔

ایمان ایک دم ہوش حواس سے بیگانہ ہوکر گاڑی کی سیٹ پر لڑھک گئی تھی اور گاڑی تیزی سے اندھیروں کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ایسے اندھیرے جہاں صرف کھائیاں، گہرائیاں اور اُترائی تھیں۔

❖❖○❖❖

''سوری یار۔ مُسکان کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔'' اس لیے میں اس کے پاس رک گئی تھی۔

☆☆☆

کہاں تو نواز دو چار روز کے بعد فون کرلیا کرتا تھا یا کبھی چکر لگا لیا کرتا تھا مگر بیس دن ہو گئے تھے نہ نواز نے فون کیا اور نہ ہی وہ آیا۔ ریاض صاحب نے فون کیا تو اسکا موبائل ہی بند تھا اور پھر ایک شام اچانک ہی نواز اپنی زرینہ باجی کے ساتھ چلے آئے۔ پہلے کی طرح لدے پھندے سے۔

''کہاں غائب ہو گئے تھے؟''

''بخار آ گیا تھا، آفس سے بھی چھٹی پر تھا پھر آفس گیا تو راستے میں گن پوائنٹ پر میرا موبائل اور والٹ چھن گیا۔ دو چار روز اس کا غم منایا تو سوچا سر کے پاس ہو آؤں۔''

''مگر بیٹا! یہ مٹھائی...... یہ پھل اور یہ ڈھیر سارا سامان لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''یہ میں نہیں، باجی لائی ہیں۔'' نواز نے شرما کر کہا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' ریاض صاحب اور نسرین بیگم دونوں نے اب زرینہ کو دیکھا۔

''انکل، چھوٹا منہ اور بڑی بات...... مگر کیا کہوں؟'' وہ کچھ بولتے بولتے رکی۔ جیسے کہنے میں اسے تامل سا ہو۔

''ہاں...... ہاں کہو بیٹا۔'' نسرین نے اس کی پشت پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

''مجھے آپ کی بیٹی نہاں بے حد پسند ہے...... میری دلی خواہش ہے کہ اتنی پیاری لڑکی سے میرے بھائی نواز کی شادی ہو جائے اور آج میں اپنے بھائی کے لئے رشتہ مانگنے آئی ہوں۔ آپ کو میرا بھائی پسند ہے تو میں آج ہی اسے انگوٹھی پہنا دوں۔''

''بیٹا! کیا ہتھیلی پر سرسوں جمانے آئی ہو جو آج ہی رشتہ اور آج ہی منگنی کرنا چاہتی ہو۔'' ریاض صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''کراچی میں تو ہمارے کوئی عزیز ہی نہیں ہیں۔ آپ کہیں گے تو ہم دوبارہ تیاری سے اس دن پھر آ سکتے ہیں جب آپ اپنے مہمان بلانے چاہیں مگر ہمارے تو سارے ارمان نواز کی شادی کے موقع پر پورے ہوں گے۔ جب میرے شوہر بھی دبئی سے آئیں گے اور ہمارے کچھ رشتے دار لندن میں ہیں وہ وہاں سے آ جائیں گے۔'' زرینہ بے حد سادگی سے ہر بات کہہ رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھ سونے کا لاکٹ کا سیٹ، ایک زمرد جڑی انگوٹھی اور نہاں کے لیے چار جوڑے کسی اچھے سے بوتیک سے لے کر آئی تھی۔

''نواز، میرا شاگرد، میرا بیٹا، میرا سب کچھ ہے۔ یہ مجھے دل و جان سے عزیز ہے، اسکا رشتہ مجھے منظور ہے اور مجھے نہ تام جھام کی ضرورت ہے اور نہ ہی لوگوں کے اجتماع کی۔ سادگی پسند ہوں اور سادگی کو پسند کرتا ہوں تم اندر جا کر نہاں کو انگوٹھی پہنا دو۔'' ریاض صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''انکل اگر آپ کی اجازت ہو تو میں نواز کے سامنے ہی نہاں کو انگوٹھی پہنا دوں اگر یہ دونوں بھی ایک دوسرے کو دیکھ لیں تو کوئی حرج تو نہیں۔'' نسرین بیگم نے اپنے شوہر کو دیکھا۔ ریاض صاحب نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر بولے۔

''نہیں، کوئی مضائقہ نہیں ہے۔''

نسرین بیگم دوسرے کمرے میں نوٹس بناتی نہاں کو اپنے ساتھ لے کر آئیں تو وہ حیران سی زرینہ کو سلام کرتی داخل ہوئی۔ زرینہ نے اسے گلابی کامدار دوپٹا پہنایا۔ نواز پھٹ جانے کی حد تک کھلی نگاہوں سے نہاں کو جیسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ اسے جیسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی لڑکی اتنی خوب صورت ہو سکتی ہے۔ زرینہ نے بسم اللہ پڑھ کر نہاں کی انگلی میں خوب صورت سی انگوٹھی پہنا کر اس کی کشادہ پیشانی چوم لی۔

''نواز بیٹا تم نے نہاں کو دیکھ لیا ہے اور نہاں تم بھی نواز کو دیکھ سکتی ہو۔'' ریاض صاحب نے کہا مگر نہاں اپنی نظریں نیچی کیے بیٹھی رہی۔

''مگر ہمارے ہاں منگنی کے بعد لڑکے، لڑکی کا آپس میں ملنا پسند نہیں کیا جاتا۔ اب ان شاءاللہ آپ دونوں کی ملاقات آپ کی شادی پر ہی ہوگی۔''

''سر اگر میں کوئی گفٹ دینا چاہوں تو آپ کی اجازت ہے۔'' نواز نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا؟

''ہاں، ہاں دے سکتے ہو۔'' نسرین بیگم نے نواز کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ چھوٹا سا تحفہ میری جانب سے آپ کے لیے۔''

''کیا ہے اس میں؟'' زرینہ نے حیرت سے بھائی کو دیکھتے ہوئے پوچھا؟ ''تم نے مجھے کیوں نہیں دکھایا؟'' وہ شرارت سے ہنس دیا۔

''پلیز باجی...... یہ صرف نہاں کے لیے ہے اگر آپ نہ پوچھیں تو بہتر ہوگا۔'' نواز

نے شرما کر کان کھجاتے ہوئے نظریں جھکا کر کہا مگر وہ دزدیدہ نظروں سے ابھی بھی نہاں کو ہی دیکھ رہا تھا۔ جس کی سرخ وسفید رنگت گلابی دوپٹے کے ہالے میں اسے کسی شہزادی کا سا روپ عطا کیے ہوئے تھی۔

''ہاں بھئی...... یہ تو پرائیوسی کا معاملہ ہے۔'' نسرین بیگم نے ہنس کر کہا۔ نہاں وہ گفٹ لے کر کمرے سے چلی گئی اور نواز کو یوں لگا جیسے بھری محفل اجڑ سی گئی ہو۔

''زرینہ بیٹی...... آئندہ ہفتے تمہیں آنے کی پھر زحمت دوں گا۔'' ریاض صاحب نے کہا۔

''ہمارا رشتہ کیا پکا نہیں ہوا ہے ابھی؟'' وہ بوکھلا کر بولیں۔

''بالکل ہو گیا ہے مگر میرا دل بھی تو یہ چاہے گا ناں کہ اپنے ہونے والے داماد کو کوئی گفٹ دوں، کوئی انگوٹھی، کوئی اچھا سا سوٹ، کوئی تحفہ......''

''سر ہم لوگ آئیں گے مگر اس شرط پر کہ آپ کچھ بھی نہیں کریں گے وہ اس لیے کہ سونے کی انگوٹھی مردوں کے لیے ممنوع ہے۔ کرتے شلوار میرے پاس اتنی زیادہ تعداد میں ہیں کہ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ آپ پیسے برباد کریں۔ رہی بات گفٹ کی تو وہ آپ کی دعاؤں سے زیادہ تو کبھی ہو ہی نہیں سکتے۔'' نواز نے انہیں محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو ریاض صاحب نے بے اختیار نواز کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''اس دور میں ایسے لوگ موجود ہیں جس کے لیے میں اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہوگا۔ واقعی جیسا میں نے سوچا تھا جیسا میں نے چاہا تھا۔ مجھے اپنی بچی کے لیے ویسا ہی بر ملا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ریاض صاحب کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ انہیں یوں روتا دیکھ کر نواز بھی آزردہ سا ہو گیا...... اور ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''سر میں نہاں کو ہمیشہ خوش رکھوں گا۔''

''مجھے یقین ہے بیٹا۔'' اس کے ہاتھ پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر انہوں نے دبایا۔

☆☆☆

رات کو اپنے کمرے میں بیٹھ کر نہاں نے جب گفٹ پیک کھولا تو اس میں ایک خوب صورت موبائل تھا۔ جس میں نواز کا نمبر فیڈ کیا ہوا تھا۔

''اچھا...... مجھے اس لیے موبائل دیا ہے تاکہ مجھ سے بات کریں۔'' اس کا مقصد جان کر اسے ہنسی آ گئی۔

''مگر یہ سب باتیں امی، ابو کو پسند نہیں ہیں تو میں آپ کو فون کبھی نہیں کر پاؤں گی۔'' اس نے سوچتے ہوئے موبائل قریبی ٹیبل پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد بپ ہوئی تو وہ اچھل ہی تو پڑی۔

''یہ مجھے کس نے فون کیا ہے۔'' اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ دوبارہ بیل ہوئی تو وہ پھر سہم سی گئی۔ تیسری بیل سن کر اس نے ہمت سے کام لیا اور فون ریسیو کیا۔

''ہیلو......'' وہ کمزور سے لہجے میں بولی۔

''آپ کا نواز...... بول رہا ہوں۔'' شریر سے لہجے میں کہا گیا۔

''جی......!'' وہ پسینے پسینے سی ہو گئی۔

''موبائل پسند آیا۔'' اس نے پوچھا۔

''جی۔''

''جی کے علاوہ بھی کچھ بولنا آتا ہے۔''

''جی۔'' اور نواز بے اختیار ہنس دیا۔ اس کے ہنسی کی ردھم میں نہاں کو اس کا وجیہہ چہرہ نظر آنے لگا۔

''آپ کا جب دل چاہے، مجھے فون کر سکتی ہیں۔''

''نہیں، نہیں......'' وہ گھبرا کر بولی۔

''اچھا اگر آپ مجھے فون نہیں کر سکتیں تو مجھے تو اجازت دیجیے کہ آپ کی آواز سن لیا کروں۔''

''پتا نہیں۔''

''پریشان مت ہوں، میں روزانہ نہیں مگر کبھی کبھی آپ کو فون کر لیا کروں گا کہ رشتہ ہونے کے ناتے میرا اتنا تو حق بنتا ہے ناں......'' اور نہاں نے فون بند کر دیا کہ وہ ان چند لمحوں میں پسینے پسینے ہو چکی تھی۔ ایسے خواب آلود سے لہجے میں بھلا اس سے کسی نے کہاں ایسی بات کی تھی۔ بستر پر لیٹی تو کتنی ہی دیر تک اس کا دل دھڑکتا رہا اور نیند کہیں دور بھاگ گئی۔

''یہ نواز تو بہت شریر سے ہیں۔'' اپنی سوچ پر وہ خود ہی شرما گئی۔ اگلی شب وہ بے خبر سو رہی تھی کہ موبائل کی بپ سن کے حیران ہوئی، گھڑی پر نظر ڈالی تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ دوسری بیل پر جلدی سے کال او کے کی اور گھبرا کر کانوں سے لگایا۔

''نہاں......'' امرت میں ڈوبی نواز کی آواز گونجی۔

''جی۔''

''میں کل تم سے ملنے تمہارے کالج آجاؤں؟''

''نہیں۔نہیں۔''

''اس میں برائی کیا ہے؟''

''پلیز نہیں، یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اچھی لڑکیاں کالج سے سیدھی اپنے گھر جایا کرتی ہیں۔'' وہ جھجکتے ہوئے انداز میں بولی۔

''تم کون سا کسی غیر لڑکے کے ساتھ جاؤ گی۔ میں تمہارا منگیتر ہوں، ہماری شادی ہوگی۔''

''پلیز...... ایسی بات نہ کہیں، جو میں پوری نہیں کر سکتی۔'' نہاں نے لائن کاٹ دی اور نواز حیرت سے اپنے موبائل کو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

''سب ایک سے بڑھ کر ایک کام چور ہیں۔ پیسہ ہر ایک کو چاہیے اور اپنی اوقات سے بڑھ کر چاہیے مگر اب کام کوئی کرنا ہی نہیں چاہتا۔ جس کا خیال کرلو وہ سر پر بیٹھ کر ٹھونگیں مارنے کی فکر میں علیحدہ رہتا ہے۔'' سرفراز صاحب اپنے آفس میں بیٹھے بری طرح چلا رہے تھے اور ادھوری فائلیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے۔

''وہ واجد کہاں گیا...... اس کو جو کام دیا ہے وہ اس نے اب تک کیا یا نہیں؟'' انہوں نے اپنے سیکرٹری سے پوچھا۔

''ابھی تک تو نہیں ہوا۔''

''بلاؤ، اس کو...... جو بھوک سے تنگ آکر خودکشی کر رہا تھا، پیٹ بھر کے کھانے کو مل گیا تو کام کرنا بھول گیا۔ بلاؤ اس کتے کے بچے کو۔'' سیکرٹری باہر گیا تو واجد کو اپنے ساتھ لایا جو سر جھکائے شرمندہ سا ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''کیا ہوا......؟ میرا کام...... اب تک کیوں نہیں کر پائے۔'' وہ دہاڑے۔

''سر...... بات یہ ہے کہ نہاں بہت ہی شریف لڑکی ہے۔'' نواز نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ جس کا اصل نام واجد تھا اور ان دنوں وہ سرفراز صاحب کے لیے کام کر رہا تھا۔

☆☆☆

''ابے کیا تو کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے یا اپنی اوقات بھول گیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تو اپنی حقیقت ہی بھول بیٹھا ہو۔ یاد کر...... ہاں یاد کرلے کہ جب ہمارے پاس آیا تھا تو کیسا تھا تو......؟'' کیا یہ بھی بھول گیا کہ ہمارے پاس آکر مدتوں کے بعد تو نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا تھا۔ لگتا ہے تو سب ہی بھول چکا ہے۔''

''نہیں سر، یہ بات نہیں ہے۔'' وہ خجل سے لہجے میں بولا۔

''ہاں تو ابھی تو نے کیا کہا تھا...... کیا کہا کہ وہ لڑکی بہت شریف ہے۔'' سرفراز صاحب نے تمسخر بھرے لہجے میں اس کا جملہ دہرایا۔ نواز نے تائید میں سر ہلایا۔

''ابے...... تو کیا اسے حقیقتاً اپنی منگیتر سمجھ رہا ہے؟''

''نہیں سر۔'' وہ خفت بھرے لہجے میں بولا۔

''نہیں، نہیں تو یقیناً کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے۔ کہیں محبت تو نہیں ہو گئی۔ اپنے آپ کو ہیرو تو نہیں سمجھ رہا۔ ایسے کپڑے اور ایسے تحفے لے کر جا رہا ہے ناں جو تیرے باپ نے بھی اپنے خواب میں نہیں دیکھے ہوں گے۔ تجھے لگا ہوگا کہ تو لاٹ صاحب ہے...... ہے ناں اور اتنے پیسے تجھے ماہانہ دیے جا رہے ہیں کہ کبھی تصور میں بھی نہیں سوچے ہوں گے۔''

''ہاں سر، پانچ ہزار کا نوٹ تو اسے ہمارے یہاں آکر ہی ملا ہے۔ اس سے قبل اس نے دیکھا بھی نہیں تھا۔'' ان کے سیکرٹری نے ہنس کر بتایا۔

''وہ لڑکی اگر بدمعاش ہوتی تو تجھے پالنے کے لیے ہمیں پیسہ تھوڑی بہانا پڑتا۔ ہماری پریشانی یہی تو ہے کہ وہ شریف ہے اور ہمیں اس کو بدمعاش ثابت کرنا ہے۔'' سرفراز صاحب ہنسے اور ہنستے ہی چلے گئے۔

''اس کے باپ نے اس کا نام نہاں رکھا ہے ناں۔ اب وہ وقت دور نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ اسے عیاں کے نام سے پکاریں۔'' سرفراز صاحب مسکرائے۔

''سر میں کوشش کروں گا کہ آپ کا کام جلدی ہو جائے۔''

''اگر کام نہیں کر سکتے تو بتا دو، پولیس مقابلے میں تمہیں مروا کر ہم کسی دوسرے لڑکے کی بھی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔'' نواز اپنے ہونٹ کاٹتا ہوا چلا گیا اور سرفراز صاحب کے چہرے پر ایک وحشت زدہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

رات کے بارہ بجے نہاں جاگ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ نواز ضرور فون کرے گا۔ جب سے اس کے نام کی انگوٹھی اس کی انگلی میں آئی تھی، نواز اسے روزانہ ہی فون کر رہا تھا۔ آج اس کے فون کا وہ انتظار کر رہی تھی تو فون نہیں آ رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے اس نے نواز کے نمبر پش کر دیے۔ پہلی ہی بیل پر اس نے فون اٹھا لیا۔

''کیا بات ہے؟'' نہاں نے پوچھا۔

''طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' نواز نے پژمردگی سے کہا۔

''کیا ہوا؟'' لہجے میں بے چینی سی گھل گئی۔

''تمہیں نہ دیکھنے کی وجہ سے بیمار ہو گیا ہوں۔''

''ایسی بیماری تو میں نے کہیں نہیں سنی۔'' وہ یوں ہنسی جیسے جلترنگ سے بج اٹھے ہوں۔

''اڑا لو مذاق مگر میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں دیکھنے اور تم سے باتیں کرنے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔''

''باتیں تو تم روزانہ مجھ سے کر لیتے ہو۔''

''تو کیا مجھے تمہیں دیکھنا نہیں چاہیے۔ سچ میرے پاس تو تمہاری ایک تصویر بھی نہیں ہے کہ جب دل چاہے اس سے باتیں کر سکوں۔''

''تو کیا میری تصویر لینا چاہتے ہو؟''

''ہاں......تو کیا مضائقہ ہے، آخر تم میری ہونے والی بیوی ہو۔''

''امی کہہ رہی تھیں کہ اگر زرینہ باجی تمہاری تصویر مانگیں تو اپنی شناختی کارڈ والی

تصویر دے دینا۔ شناختی کارڈ اسی ماہ بنا ہے تو سب سے تازہ تصویر میری وہی ہے۔'' نہاں ہنسی۔

''پلیز نہاں کل کالج سے واپسی پر تمہیں پک کر لوں؟''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں کہیں جاؤں۔''

''ایسا لگتا ہے کہ تمہاری وجہ سے میری جان ہی چلی جائے گی۔'' نواز اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''آپ کی جان کون لے لے گا؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہہ دے اگر میں نے تمہاری تصویریں کھینچ کر اپنے باس کو نہیں دیں تو شاید وہ مجھے قتل بھی کروا دے مگر وہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

''تم لو گی میری جان......تم۔ جب تم اپنے عاشق سے ملو گی ہی نہیں تو کیا وہ اپنی جان سے نہیں جائے گا۔'' مگر نہاں تو اس کی بات ہنسی میں اڑا کر فون بند کر چکی تھی اور نواز اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھا تھا۔

☆☆☆

کتنے دنوں بعد وہ کسی تقریب میں شریک ہوا تھا۔ کسی دوست کے ہمراہ جانے والی تقریب میں وہ بڑا سرشار سا بیٹھا تھا۔ وہ خوش تھا کہ اپنے دوست کی بات مان کر وہ اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ میزبان کون تھے ان کے بارے میں بھی وہ قطعی لاعلم تھا۔ موسم سرد تھا، یہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل کا خوب صورت ہال تھا جو موسم کی مناسبت سے خاصا گرم تھا۔ چائے اور کافی کا دور چل رہا تھا۔ اپنی پشت پر ایک مانوس سے قہقہے کو سن کر غیر ارادی طور پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ سرفراز احمد اپنے کسی دوست کی بات پر ہنس رہے تھے۔ ریحان کے ساتھ ہی ان کی نظر بھی اس پر پڑی تو وہ ہنستے ہنستے یکدم چپ ہو گئے اور آنکھوں میں غصہ سا ہلکورے لینے لگا۔ ریحان ان کی کیفیت محسوس کر کے حیران ضرور ہوا مگر سر کے اشارے سے انہیں سلام کیا۔

''تم ابھی تک یہیں ہو؟'' وہ پاس آ کر جیسے طیش میں بولے۔

''میں تو یہیں رہتا ہوں ہمیشہ سے ہی۔'' وہ مسکرایا۔

''میرا مطلب ہے مری سے کب واپس آئے؟''

''مری سے......؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں شاید تمہارے کسی دوست نے ہی بتایا تھا کہ تم مری گئے ہوئے تھے تو کب

آئے؟'' ریحان جانتا تھا مری جانے کی بات تو صرف مالی کو بتائی گئی تھی۔

''اوہ، مری سے...... وہاں سے آئے ہوئے تو مجھے مہینہ ہو گیا ہے اور میں پھر جانے والا ہوں۔''

''کب جاؤ گے؟'' وہ پھر چونکنے سے ہو گئے۔

''ابھی شیڈول بنا نہیں ہے جب بنے گا تب۔'' وہ اسے نفرت بری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے باہر نکل گئے اور ریحان سوچ میں ایک بار پھر پڑ گیا...... کیا مجھ پر قاتلانہ حملے کے ذمے دار کہیں یہ ہی تو نہیں تھے۔ گھر آ کر ظہیر حسن کو یہ سب روداد بتائی تو انہوں نے اسے محتاط رہنے کے ساتھ یہ بھی کہا۔

''سرفراز احمد ان دنوں سنکی سے ہو گئے ہیں اور ان کے بعض کاروباری دوست تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ بیٹی کی موت کے بعد وہ کافی حد تک پاگل بھی ہو گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ تمہارا شبہ ہی ہو۔''

''مگر انہیں کیسے پتا چلا کہ میں مری گیا ہوا تھا، یہ بات تو صرف مالی کو ہی بتائی گئی تھی۔''

''تم بھول رہے ہو مالی نے ہمارے محلے میں ہی نوکری حاصل کرنے کے لیے کئی لوگوں کو یہ بتایا تھا کہ ریحان بھائی کے گھر والے مری جا رہے ہیں۔ اس لیے اسے نوکری درکار ہے۔ کئی لوگوں نے مجھ سے استفسار کیا کہ میں مری کیوں جا رہا ہوں یا ریحان کا وہاں ٹرانسفر تو نہیں ہو گیا۔''

''جب ہی انہوں نے مجھے حیرت سے دیکھا تھا۔''

''ہاں، ان کی حالت واقعی قابل رحم ہے کہ وہ نیم پاگل سے ہو گئے ہیں۔'' ریحان باپ کی بات سن کر تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''ایسی باتیں تو میں بھی سن رہا ہوں مگر یقین نہیں کیا تھا کہ ایسا چالاک شخص پاگل کیسے ہو گیا؟''

''صدمے تو انسان کو توڑ دیا کرتے ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔'' ریحان کے لہجے میں تاسف نمایاں تھا۔

☆☆☆

آج کالج میں فن ویک کا آخری دن تھا۔ نہاں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کالج سے باہر نکلی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ نواز اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ خوب صورت، اونچے قد و قامت کا حامل، سیاہ دھوپ کا چشمہ لگائے کسی ہیرو سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

''کیا یہاں شوٹنگ ہونے والی ہے؟'' کئی لڑکیاں تو ٹی وی کے کیمرا مین تک کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ نہاں عبایا پہنے اس کے پاس آئی تو یکدم وہ اسے پہچان بھی نہیں پایا۔

''آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟'' اس نے خفگی بھرے لہجے میں پوچھا۔

''تمہیں لینے آیا ہوں،، چلو میرے ساتھ۔''

''مگر میں تو آپ کے ساتھ کہیں نہیں جا سکتی۔''

''پلیز نہاں! میرے حال پر رحم کرو۔''

''میں نے کہا ناں، میں نہیں جا سکوں گی۔'' نہاں نے کہا اور تیزی سے گھر کی سمت چل دی۔

اس کی تربیت ہی ایسی ہوئی تھی کہ کالج سے سیدھے گھر آنا ہے تو وہ کیسے کہیں اور جا سکتی تھی۔ نہاں کو جاتا دیکھ کر نواز کا دل چاہا کہ وہ اسے زبردستی اپنی گاڑی میں ڈال کر لے جائے اور جیسی دل چاہے اس کی تصویریں بنا دے تا کہ ہر وقت کی مصیبت سے اس کی جان بچ جائے مگر اسے کہا گیا تھا کہ یہ کام زبردستی ہرگز نہیں ہو گا۔ صرف اور صرف محبت کے زہریلے انجکشن اس کے دل و دماغ میں لگانے ہوں گے۔ محبت کو رسوا کرنے کے لیے ایسے ہی لوگ تو کام کر رہے ہیں۔ جن کا دین ایمان پیسا بن جاتا ہے اور وہ پستی کی ہر حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ نواز بھی ایک ایسا ہی مہرہ تھا جو سرفراز صاحب کے پاس کام کر رہا تھا جسے ایک معصوم لڑکی کو قعر مذلت میں ڈالنے کا ٹھیکا سونپا گیا تھا۔ اور اب اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ جلد از جلد وہ یہ کام نمٹا کر ایک موٹی رقم حاصل کر کے اپنے گھر چلا جائے مگر نہاں تو اس کے ارمانوں کو بھسم کر کے جا چکی تھی۔

''میری چڑیا کب تک میرے جال سے تم بچ پاؤ گی۔'' وہ خباثت سے مسکرایا۔

دوسرے دن نواز پھر موجود تھا۔ آج سفید پتلون، سفید شرٹ پہنے کوئی کرکٹر لگ رہا تھا۔ لڑکیاں اسے بغور دیکھتے ہوئے گزر رہی تھیں اور سیٹی پر کوئی فلمی دھن بجا رہا تھا۔

''یہ ہیرو کس کے انتظار میں کھڑا ہوتا ہے؟''

''ہو گی کوئی ہیروئن...... مگر بے چارے کو گھاس نہیں مل رہی، بے چارہ خوار ہو رہا

ہے۔'' لڑکیوں کے جملے اس کے موڈ کو مزید تپا رہے تھے۔ نہاں نے اسے دیکھا تو اسے ہنسی کے ساتھ خفت بھی محسوس ہوئی۔

''یہ نواز میری بات سمجھ کیوں نہیں پا رہا۔'' اس کے دل میں یہ احساس ہلکورے لینے لگا، آج وہ اس کے پاس رکنے کے بجائے اپنی سہیلیوں کے ساتھ سیدھی نکل گئی اور جب ایک گھنٹے کے بعد نواز نے اسے موبائل کر کے پوچھا۔

''کالج سے باہر کب آؤ گی؟'' تو اس نے بتایا۔

''میں تو اپنے گھر بھی پہنچ چکی ہوں۔''

''کیا تم نے مجھے دیکھا نہیں تھا؟'' لہجے میں خفگی رچی تھی۔

''ہاں دیکھا تو تھا۔''

''پھر رکیں کیوں نہیں؟''

''اب اگر آپ روزانہ آ کر کھڑے ہوں گے تو میں کیا روزانہ رکوں گی؟''

''میں کوئی غیر تو نہیں تھا۔'' لہجے میں غصہ موجود تھا۔

''امی کہتی ہیں ہر چیز اپنے وقت پر اچھی لگا کرتی ہے۔'' اس نے معصوم سے لہجے میں کہا۔

''تمہاری امی تو......'' اس کے حلق سے گالیوں کا طوفان باہر آتے آتے رک گیا۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''یہی کہ تمہاری امی میری بھی تو امی ہیں تو پھر انہیں میرا خیال کیوں نہیں آتا۔ اپنی منگیتر سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔'' وہ غصے سے اپنی مٹھیاں بند کرتے ہوئے بولا۔

''آپ ہمارے گھر آ جائیں۔'' وہ ہنسی۔

''ہاں تمہارے ابا کے محاصرے میں، میں تم سے بات کر سکتا ہوں۔'' وہ شکایتی لہجے میں بولا۔ تب نہاں نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا۔

''کیا بات ہے، یہ اکیلے بیٹھی ہوئی بھی ہنس رہی ہو۔'' نسرین بیگم نے جب تیسری مرتبہ اس کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے یوں ہنستے دیکھا تو پوچھ ہی لیا۔

''امی نواز کا فون تھا۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' انہوں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''یہی کہ وہ میرے کالج کے گیٹ پر کھڑے ہیں تو میں ان کو دیکھ کر رکی کیوں نہیں اور میں نے ان سے بات کیوں نہیں کی۔''

''بیٹا بات کرنے میں تو کوئی حرج نہیں تھا۔'' نسرین بیگم نے کہا۔

''یہی باتیں تو وہ کر رہا تھا۔''

''تمہارا منگیتر ہے ناں وہ، اس لیے وہ کہہ رہا ہو گا۔''

''جی امی۔''

''ہاں بیٹا، بات کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔''

''اگر وہ کل پھر آئیں تو کیا میں ان سے بات کر لوں؟''

''ہاں بیٹا، بات کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔'' اور نہاں مطمئن سی ہو گئی۔

جب وہ سیاہ مرسیڈیز میں سیاہ پینٹ اور لائٹ بلو شرٹ میں ٹیک لگائے کھڑا ہوا تو لڑکیاں اس کی ڈریسنگ دیکھ کر متاثر سی ہو گئیں وہ لگ بھی تو بہت اچھا رہا تھا۔ لا ابالی سا انداز...... چیونگم چباتے ہوئے وہ مستقل اپنی گھڑی پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ قیمتی گاڑی سے کوئی ہیرو بے پروائی سے کھڑا ہو تو سب ہی دیکھتے ہیں۔

''یہ کون ہیرو ہے جو روز ہمارے کالج کے گیٹ کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔'' چہ مگوئیاں اس کے کانوں تک آ رہی تھیں اور وہ مسکرا رہا تھا۔

''لگتا ہے اپنی سینڈریلا کی تلاش میں ہے۔'' کسی لڑکی نے ہنس کر کہا۔

''کیا ہم اس سے کہیں کہ سینڈل تو دکھاؤ شاید ہمارے پیر میں پورا آ جائے۔'' لڑکیوں کے تبصرے اس کی مسکراہٹ کو گہرا کر رہے تھے اور جب نہاں سیاہ عبایا پہنے اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی تو اسے لگا جیسے آسمان کے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند طلوع ہو گیا ہو۔ سیاہ اسکارف میں اس کا روشن چہرہ مسکراہٹ لیے اس کے سامنے تھا۔

''کیا بات کرنی ہے آپ کو مجھ سے جلدی کریں۔'' اس نے کہا۔

''یہاں بات کیسے ہو سکتی ہے۔'' ارد گرد لوگوں کی نظریں محسوس کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''کیوں نہیں ہو سکتی بات؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''چپ چاپ میری گاری میں بیٹھ جاؤ، کھا نہیں جاؤں گا تمہیں۔'' وہ محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔نہاں نے ایک لمحے کے لئے سوچا ماں نے بات کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

☆☆☆

فجر کی نماز کے بعد واک کے لیے جانا اس کا ہمیشہ کا معمول تھا جو کافی عرصے سے چھوٹ چکا تھا۔ آج ظہر کی نماز کے بعد وہ پارک چلا گیا مگر آج وہ جب واک کے لیے آیا تو اسے لگا جیسے اس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ایک چھٹی حس اسے بار بار کر رہی تھی کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ وہ پارک میں بنی ہوئی سیمنٹ کی بینچ پر بیٹھ گیا۔ یہ پارک گنجان آباد علاقے میں ہونے کے باعث موسم سرما میں ہر وقت بھرا رہتا تھا۔ خواتین، مرد، لڑکے، لڑکیاں سب ہی واک کر رہے تھے۔کوئی بھی کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اسے پارک میں کوئی شخص بھی ایسا نظر نہیں آیا جو مشکوک قسم کا ہو۔

''لگتا ہے میری محتاط طبیعت کی وجہ سے یہ خیال میرے ذہن سے چپک ہی گیا ہے۔'' ریحان نے سوچا۔ وہ پھر واک کے خیال سے کھڑا ہوا ہلکی ہلکی سی دھوپ اسے اچھی لگ رہی تھی کہ سامنے سے آتے ہوئے شخص سے اچانک ہی یوں ٹکرایا کہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ وہ شاید گر جاتا اگر پیچھے سے دو شفیق ہاتھ اسے سنبھال نہ لیتے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ سرفراز صاحب تھے جو ان ہی ساعتوں میں پارک میں داخل ہوئے تھے اور اسے یوں گرتا دیکھ کر لپک کر انہوں نے سنبھال لیا تھا۔

''بیٹا دیکھ کر چلا کرو۔ ابھی تمہارے چوٹ لگ جاتی تو۔'' انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

''شکریہ انکل۔'' ریحان کا لہجہ ممنونیت بھرا تھا۔ وہ انہیں سلام کر کے رکا نہیں بلکہ باہر نکل گیا کہ طبیعت میں بھاری پن سا محسوس کر رہا تھا نہ جانے کیوں......؟

☆☆☆

''اب تو چائے بھی پی لی اور برگر بھی کھا لیے اب تو مجھے گھر جانے دیں۔'' ریستوران میں نواز کے ساتھ بیٹھی نہاں نے معصومیت سے کہا۔

''آج تم اتنی پیاری لگ رہی ہو، میں ایک دو تصویریں تمہاری بنالوں اپنے موبائل

سے؟'' نواز نے لاڈ سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور جیب سے اپنا موبائل نکالا۔

''آپ کی تصویر میرے دل میں ہے تو کیا میری تصویر آپ کے دل میں نہیں ہے جو یہاں آپ میری تصویریں بنائیں گے۔''

''تمہارا منگیتر کیا اپنے موبائل میں تمہاری تصویر نہیں رکھ سکتا۔''

''یہ جگہ تو دیکھیں آپ۔ مجھے تو بے حد عجیب سی لگ رہی ہے۔'' اس نے اپنا حجاب چہرے پر اس طرح لپیٹا کہ اب صرف اس کی سیاہ چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آ رہی تھیں اور نواز اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے کچا ہی چبا جائے گا۔

''نہاں تم اس طرح کیسے گھر جا سکتی ہو؟'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

''ایسے چلی جاؤں گی خود ہی۔'' وہ مسکرا کر بولی اور تیزی سے باہر نکلی۔ سامنے آٹو رکشا کو ہاتھ دیا۔ سرعت سے اس میں بیٹھی اور ہوا ہو گئی اور نواز جو اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے باہر آیا تھا وہ دیکھتا کا دیکھتا ہی رہ گیا اور وہ چلی بھی گئی۔

''بڑی چالاک لڑکی ہے یہ نہاں بھی...... مروا کے ہی رہے گی مجھے۔'' وہ دانت کچکچاتے ہوئے خود کلامی میں بڑبڑا رہا تھا۔

☆☆☆

''ہو گئی بات آج؟'' نسرین بیگم نے پوچھا۔

''جی امی۔'' وہ شرما سی گئی۔

''کوئی خاص بات تھی کیا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں کوئی خاص بات نہیں کی انہوں نے۔''

''تو پھر کیوں بات کرنا چاہ رہا تھا؟''

''بس ایسے ہی۔'' وہ پھر شرما گئی اور نسرین بیگم کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی، محبت کرنے والے لوگوں کے پاس باتوں کے لیے کوئی موضوع تھوڑی ہوتے ہیں بس ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی انہیں طمانیت ہو جاتی ہے اور منگنی اور شادی کے درمیان کا پیریڈ تو ہر لڑکی، لڑکے کے لیے بے حد رومان پرور سا ہوتا ہے، وہ سوچ رہی تھیں اور از خود مسکراتے ہوئے دعا دے رہی تھیں۔

''یا رب العالمین میری بیٹی کا جیون ساتھی اس سے سدا محبت کرتا رہے۔ کبھی اس کی

محبت میں کوئی کمی نہیں آئے۔"

☆☆☆

"ابے ذرا سے کام پر تو کتنا خرچ کروائے گا؟" مینجر نواز کو ڈانٹ رہا تھا۔ "تجھے معلوم بھی ہے روزانہ تجھ پر کتنا خرچا ہو رہا ہے اور ابھی تک تو نے دھیلے کا بھی کام نہیں کیا ہے۔"

"میں کیا کروں، نہاں تصویریں کھنچوانے پر راضی ہی نہیں ہوتی۔ دوبار اسے مشکلوں سے کیفے لے جا چکا ہوں مگر وہ کسی صورت راضی نہیں ہوتی۔ میں کوشش تو کر رہا ہوں ناں!"

"تجھ جیسا پاگل لڑکا کچھ نہیں کر سکتا۔ بس جس دن تو اسے ہوٹل لے کر جائے تو ہمیں فون کر دینا ہمارا آدمی اس کی تصویریں بھی بنا لے گا اور ہماری ورکر اس کا حجاب بھی اتار دے گی۔ بس تجھے اس سے لپٹ کر تصویریں بنوانی ہیں۔"

"نہاں سے لپٹ کر؟" وہ حیرت سے بولا۔

"سر وہ ایسی لڑکی نہیں ہے، میں بے حد خراب لڑکا ہوں مگر میں نے ایسی پارسا لڑکی کبھی نہیں دیکھی۔ وہ تو مجھے اپنا ہاتھ تک پکڑنے نہیں دیتی۔ وہ بے حد شریف ہے کبھی آمادہ نہیں ہوگی۔" نواز نے پریشان سے لہجے میں بتایا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں اس سے لپٹ کر تصاویر بنوانا ناممکنات میں سے ہے۔"

"ابے جاہل تب تصویریں بنواتے وقت ہوٹل کا بیرا بن جانا۔ اسکو چائے دیتے ہوئے تصویر بنوا لینا۔ اس سے ٹپ لیتے ہوئے پوز دے دینا، اس کو سلوٹ مارتے ہوئے اپنا پوز بنوا لینا۔" مینجر نے گالیوں کی برسات برساتے ہوئے اس سے کہا۔

"سر آپ میری بات نہیں سمجھ سکے ہیں شاید۔" وہ پھر گھگھیایا۔

"وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ بے حد شریف...... آپ جیسا سمجھ رہے ہیں، ناں وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ تصویریں کیسے بنواؤں۔ میری تو عقل بھی کام نہیں کر رہی۔" وہ مسلسل ایک ہی بات کہہ رہا تھا۔ تب مینجر نے اس کے برابر بیٹھ کر نواز کے گلے میں ہاتھ ڈال کر تیزی سے جھٹکا دے کر زانو پر لٹایا اور ماتھے پر بوسا ثبت کر دیا اور قہقہہ لگا کر بولا۔

"اب کیا تجھے اور طریقے بھی بتاؤں کہ لڑکی کے ساتھ ڈرٹی پکچرز کیسے بنوائی جاتی ہیں اور طریقے بتاؤں؟" وہ بے غیرتی سے ہنسا۔

"ٹھیک ہے سر، میں سمجھ گیا۔ بالکل سمجھ گیا اب غلطی نہیں ہوگی مجھ سے۔ بالکل بھی نہیں۔" نواز اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا کھسیایا ہوا سا اٹھ گیا اور مینجر اسے دوبارہ غلیظ گالیاں سنانے لگا۔

"کند ذہن، منحوس، کم بخت ذرا سے کام کو کر ہی نہیں پا رہا ہے۔"

☆☆☆

"واقعی بہت ہی اچھی کمپنی ہے یہ...... وہاں کے بڑے افسر نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں ورکرز کو سال بھر کے بعد ایک ماہ کی چھٹی لازمی دی جاتی ہے، آپ کل سے چھٹی پر ہیں۔ اس ماہ کی تنخواہ آپ کو اس وقت فوراً دے دی جائے گی جب آپ اپنی چھٹیاں گزار کر آئیں گے۔" ریاض صاحب نے سرشاری سے بتایا۔

"ہاں، یہ سب نواز کی وجہ سے ہوا ہے اور اسی نے آپ کو جاب دلوائی ہے اور اسی نے آپ کے دل و دماغ سے اس دشمن کا خوف باہر نکالا جس کی وجہ سے آپ بالکل گھر میں ہی نظر بند ہو کر رہ گئے تھے۔" نسرین بیگم نے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم مگر ابھی بھی میں سوچتا ہوں کہ میرا دشمن ایسا کون ہے جو مجھے یوں تباہ و برباد کر رہا تھا اور اب وہ یکدم کہاں چلا گیا ہے۔"

"دنیا میں بلایات بھی تو ہوتی ہیں۔ لگتا ہے ہم لوگ کسی آسیب کے زیر اثر آ گئے تھے۔"

"میں ان باتوں کو نہیں مانتا کہ وہ کوئی آسیب تھا۔ وہ یقیناً کوئی ایسا دشمن ضرور تھا جو شاید کسی غلط فہمی کی وجہ سے مجھے اپنا دشمن سمجھ بیٹھا تھا۔ میں نے تو اگر کبھی کسی کے ساتھ کوئی بھلا نہیں کیا تو کبھی کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچایا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ مال سے۔ مجھے حیرت سے زیادہ دکھ اور افسوس ہے کہ آخر کس نے اور کیوں مجھے اپنے عتاب کا شکار بنایا۔" ریاض صاحب ملول سے لہجے میں بیوی سے کہہ رہے تھے۔

"اللہ کا شکر ہے ہمارا دشمن خود ہی پیچھے ہٹ گیا۔ بیتی باتوں کو یاد کرنے کا کیا فائدہ؟" نسرین بیگم نے سمجھایا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" ریاض صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اب آپ یہ بتائیں کہ ان ایک ماہ کی چھٹیوں میں آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

''میں سوچ رہا ہوں تمہیں اور نہاں کو ساتھ لے کر مری گھوم آؤں۔''

''مری کیوں جائیں؟'' نسرین نے حیرت سے پوچھا۔

''بھئی میں آج تک تمہیں اور نہاں کو کہیں گھمانے پھرانے جو نہیں لے کر گیا ہوں۔ چند ماہ بعد نہاں کی شادی ہو جائے گی، وہ اپنے شوہر سے کیا کہے گی کہ میرے ابو نے ہمیشہ مجھے اپنے گھر میں ہی رکھا۔ کبھی کراچی سے باہر تک نہیں لے کر گئے۔ جہاز تو کیا کبھی ریل میں بھی نہیں بیٹھی۔''

''مگر گھومنے پھرنے سے تو بہت خرچا ہو جائے گا۔'' نسرین بیگم نے تفکر بھرے لہجے میں کہا۔

''ہو جانے دو، ہماری بیٹی جب خوش ہوگی تو اس کی خوشی ہی ہمارے لیے بہت کچھ ہوگی۔ کسی خرچ کا احساس تک نہیں رہے گا۔'' ریاض صاحب نے بے فکری سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔'' نسرین بیگم بھی مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

''کیا...... کیا کہہ رہی ہو تم؟'' نواز کے ہاتھ سے موبائل گر گیا۔ فوراً اٹھایا اور پاگلوں سے لہجے میں بولا۔

''نہیں...... نہیں تم کہیں نہیں جا سکتیں۔ ہرگز نہیں جا سکتیں۔''

''پہلی مرتبہ تو میں ریل میں بیٹھوں گی۔ سچ بہت مزہ آئے گا۔'' نہاں نے سرشار سے لہجے میں اسے بتایا۔

''کب تک جانے کا پروگرام ہے؟'' اس کا دماغ اڑا جا رہا تھا۔

''کل ابو ٹکٹ لینے جائیں گے، کہہ رہے تھے اس اتوار کو ہم چلے جائیں گے۔ ابھی تو پورے چھ دن ہیں ہمارے جانے میں۔''

''نہیں نہاں...... نہیں۔'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

''حیرت ہے آپ کو خوشی کیوں نہیں ہو رہی۔''

''تم میرے شہر سے کہیں دور چلی جاؤ یہ میں کیسے برداشت کر پاؤں گا۔ ایمان سے میں مر جاؤں گا اور مجھے تو اب یقین آ رہا ہے کہ میری موت تمہاری وجہ سے ہی ہوگی۔'' اس نے

ملتجی سے لہجے میں کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

''صرف چار ماہ بعد ہماری شادی ہے، اچھا ہے ناں، میں اپنے امی اور ابو کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزار لوں۔ بعد میں کہاں موقع ملے گا مجھے یوں گھومنے پھرنے کا۔''

''ہاں بعد میں تو تمہیں واقعی کوئی موقع نہیں مل سکتا۔'' وہ بے رحمی سے ہنسا۔

''ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ۔ کیا آپ مجھ پر پابندی لگائیں گے میکے جانے پر؟'' نہاں نے شکایتی سے لہجے میں پوچھا۔

''تم پر سے تو سب پابندیاں ختم ہو جائیں گی۔ تم سے کہا بھی جائے گا کہ چلی جاؤ تو تم نہیں جاؤ گی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''جی نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔'' وہ اس کی بات کا دوسرا مطلب سمجھ کر شرماتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''پلیز نہاں، تم میری ایک بات مانو گی؟'' لہجہ خوشامدی سا تھا۔

''ہاں، ہاں کہیے نا۔'' وہ بولی۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ ریاض صاحب اور نسرین اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہے تھے اور نہاں، نواز سے موبائل پر باتیں کر رہی تھی۔

نواز نے نہاں کو یہ گفٹ دیا ہی اس لیے تھا کہ اس سے بات چیت کا راستہ کھلا رہے۔

''کل تم کالج سے میرے ساتھ چائے پینے چلو گی؟''

''نہیں، مجھے دیر ہو جاتی ہے گھر جانے میں اچھا نہیں لگتا۔''

''کیا تم میری خاطر اپنے کالج سے پہلے نہیں نکل سکتیں۔ تمہیں میری جان کی قسم نہاں۔ پلیز...... کل تمہیں میرے ساتھ چلنا ہی ہوگا۔''

''کل ہی کیوں...... کل ایسی کیا خاص بات ہے؟'' اس نے کچھ سوچا پھر بڑے باوثوق سے لہجے میں بولا۔

''کل میری سالگرہ ہے، ہاں میری سالگرہ ہے تو اس دن میں تمہیں نہ دیکھوں تو کیا میرا دن اچھا گزر سکتا ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو پھر آپ اپنی آپا کے ساتھ ہمارے گھر آ جائیں امی آپ کے

لیے آپ کی پسند کے کھانے بنالیں گی۔ آپ کی سالگرہ ہمارے گھر میں منائی جائے گی۔"

"نہیں، نہیں کل تمہارے ابو کی پہلی پہلی چھٹی ہے، وہ کیا سوچیں گے کہ منگیتر صاحب تو بڑے کھانے چاٹنے والے لالچی سے ہیں۔ اپنی سالگرہ اپنی ہونے والی سسرال میں منانے کے لیے آگئے۔"

"کل میرا ٹیسٹ ہے اور آخری پیریڈ میں ہے۔ میں کسی طور نہیں آسکوں گی۔" نہاں نے جیسے فیصلہ سنادیا۔

"کیا تم میری خاطر فیل نہیں ہوسکتیں۔" نواز نے پرمحبت، مخمور سے لہجے میں کہا۔

"کیا کہا......فیل ہوجاؤں!" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں ہوجاؤ ناں جانو۔ یہ تمہارے منگیتر کی سالگرہ کا دن ہے۔ اگر تم اس میں سے میرے لیے صرف ایک گھنٹہ نکال لوگی تو مجھ پر یہ تمہارا احسان ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، خوش ہوجاؤ۔" کچھ سوچ کر نہاں نے کہا۔

"کیا ٹھیک ہے؟" وہ بوکھلایا ہوا سا پوچھ رہا تھا۔

"میں آپ کی وجہ سے فیل ہوجاؤں گی۔" نہاں نے دھیمے سے لہجے میں کہا اور فون بند کردیا۔

☆☆☆

عجیب سی صبح تھی۔ ریاض صاحب فجر کی نماز پڑھ کر گھر آئے تو بجلی کے کھمبے سے کرنٹ سا لگ گیا حالانکہ نہ بارش ہوئی تھی نہ کھمبا گیلا تھا۔ نسرین بیگم دودھ گرم کرنے لگیں تو سارا دودھ ابل گیا اور ان سے چولہا تک بند نہیں ہوا۔ نہاں نے اپنے کالج کے یونیفارم پر استری کی تو اس کا دوپٹہ جل گیا۔

"پتا نہیں کیوں میرا دل گھبرا سا رہا ہے۔ نہاں تم آج کالج مت جاؤ۔"

"امی آج تو میرا ٹیسٹ ہے اگر نہیں گئی تو ٹیسٹ میں فیل ہوجاؤں گی۔"

"ہوجانا فیل مگر مت جاؤ۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔" نسرین بیگم نے کہا۔ پتا نہیں ایک دم سے انہیں چکر سے بھی محسوس ہو رہے تھے۔

"آج فیل ہونے کے لیے ہی تو جارہی ہوں۔" وہ دل میں سوچ کر مسکرائی۔ نواز کا ملتجی لہجہ اس وقت بھی اس کے کانوں میں سرگوشیاں کررہا تھا۔

☆☆☆

ریستوران بہت خوب صورت تھا اور بے حد مہنگا بھی تھا۔ وہاں آنے والے شکلوں اور لباس سے کھاتے پیتے گھرانوں کے لگ رہے تھے۔ ریستوران کے عقبی حصے میں نواز اور نہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ کھانے پینے کی ڈھیر ساری چیزیں ان کی میز پر دھری تھیں۔ تب ہی ایک نفسیاتی سی لڑکی ہنستی مسکراتی داخل ہوئی۔ وہ وہاں کھڑے بیروں سے مذاق کرتے ہوئے تجھی داخل ہوئی جس کو دیکھ کر نہاں کے چہرے پر بھی مسکراہٹ سی آگئی۔

"کیسی کیسی خواتین ہوتی ہیں کہ ان کی عجیب وغریب حرکتوں پر ہنسی آجاتی ہے۔" نہاں نواز سے کہہ رہی تھی۔ وہ لڑکی چیتے کی سی تیزی سے نہاں کے عقب میں آئی سرعت سے اس کا اسکارف کھینچا اور عقبی دروازے سے باہر کی جانب دوڑ لگائی۔ نہاں ہکا بکا سی رہ گئی۔ اس کے ڈارک براؤن بال سب بکھر سے گئے۔ نواز سامنے کی کرسی سے اٹھ کر اس کے برابر کی کرسی پر بیٹھ گیا اور اس کے بالوں کو سنوارنے لگا۔

"آپ چھوڑ دیں میں ٹھیک کرلوں گی۔" اس نے نواز کے ہاتھ ہٹائے۔

"تم اپنا عبایا اتار دو۔" نواز نے کہا۔

"وہ تو میں نہیں اتار سکتی۔"

"یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم اندر سے اپنا دوپٹا نکال کر اوڑھ لو۔"

ریستوران میں اپنا عبایا اتاروں گی تو کیا اچھا لگے گا۔" وہ حیرانی سے ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔

"میں تمہارے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا یوں بھی ہم اس ہوٹل کی آخری کرسیوں پر ہیں۔ لوگ پیچھے مڑ کر تھوڑی دیکھیں گے۔"

"میں دوپٹا یوں ہی کھینچ لیتی ہوں۔"

"چلو میں نکال دیتا ہوں۔" اب وہ دونوں کھڑے ہوئے نواز نے تیزی سے عبایا کے بٹن کھول کر سرعت سے نہاں کو اپنی آغوش میں بھرا اور اس کے چہرے پر اپنے تپتے ہوئے ہونٹ رکھ دیے۔ نہاں اس اقدام سے گھبرائی تو اس نے تیزی سے دوپٹا باہر کھینچا اور نہاں کو اپنی گودی میں گرا کر اس کے بالوں پر اپنا چہرہ اور اپنے ہاتھوں سے اس کو گھیرے میں لے لیا۔ مینجر کے فوٹوگرافر ہر ایںگل سے تصویریں لے رہے تھے

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" وہ کسمسا کر بولی۔ "پلیز نواز......" اس نے دہائی دی۔
اس سے قبل کہ نواز اس کے ہونٹوں کو چومتا نہاں کا ایک تیز تھپڑ اس کے منہ پر پڑا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے ستارے سے ناچ گئے۔

"کیا میرا اتنا سا بھی حق نہیں ہے؟" نواز نے پوچھا اور وہ نواز کو یوں دیکھنے لگی جیسے وہ اس کا رکھوالا نہیں رہزن ہو۔

"کہیں پاگل تو نہیں ہو گئے آپ؟" اس نے بے اختیار اسے دھکا دے دیا کہ وہ کرسی سے لڑھک گیا۔ جلدی سے دوپٹا اپنے سر پر جمایا اور عبایا کے بٹن بند کیے۔ اس تمام مرحلے میں سیکنڈز ہی لگے ہوں گے مگر یہاں تو یوں لگ رہا تھا جیسے اس پر قیامت بیت گئی ہو۔ فوٹوگرافر وکٹری کا نشان دکھا کر جا چکے تھے۔ نہاں رو رہی اور نواز سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"میں جا رہی ہوں۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"سنو۔" نواز نے اسے پکارا۔

"اب کیا سننے کو باقی رہ گیا ہے؟"

"مجھے معاف کر دینا۔"

"کیسے معاف کروں گی میں۔ یہ سب آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ حیران سا پوچھ رہا تھا۔ "بس تمہیں چھوا ہی تو ہے اور یہ میری سالگرہ کا تحفہ ہے۔"

"یہ تحفہ نہیں بے حیائی ہے اور ایسی حرکتیں بھی گناہ کے زمرے میں آتی ہیں۔" وہ گلوگیر سے لہجے میں بولی۔

"نہاں ایسی باتیں مت کرو ورنہ مجھے دکھ ہوگا۔"

"آج تو شاید میں خود کو بھی معاف نہیں کر سکتی۔" اس کا آگے بڑھا ہاتھ وہ جھٹک کر بولی اور غصے سے دیکھ کر اپنے قدم باہر کی جانب بڑھا دیے۔

☆☆☆

گھر جا کر اس نے روتے ہوئے ماں کو ایک ایک لفظ بتا دیا تھا۔ کس طرح ایک عورت نے اس کا حجاب کھینچ لیا تھا اور کس طرح نواز نے اس پر دست درازی کرنے کی کوشش کی۔ جس پر اس نے اسے ایک تھپڑ دے مارا۔ نسرین بیگم یہ سب سن کر دم بخود سی رہ گئی تھیں۔

"بیٹا مرد اور عورت کا تنہائی میں ملنا حرام ہے کہ شیطان غالب آ جاتا ہے۔ میں نے تم کو کالج کے دروازے پر بات کرنے کی اجازت تو دی تھی مگر میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم نواز کے ساتھ ہوٹل چلی جاؤ۔ اس معاملے میں بے شک نواز کا قصور ہے مگر غلطی تو تمہاری بھی کم نہیں...... تم کیوں گئیں؟"

"اب کیا ہوگا؟" اس کا رونا ہی نہیں رک رہا تھا۔

"تم خاموش ہو جاؤ، نواز تم سے ضرور معافی مانگے گا اور میں اسے ضرور سمجھاؤں گی۔ ہاں تمہارے ابو کو کچھ پتا نہ چلے ورنہ انہیں بے حد افسوس ہو گا کہ وہ نواز کو فرشتہ صفت انسان سمجھتے ہیں۔" اس واقعے کے بعد نواز تو جیسے اسے فون کرنا ہی بھول گیا تھا اور وہ سمجھ رہی تھی کہ اسے یقیناً اپنے کیے پچھتاوا ہے جب ہی تو وہ مارے شرمندگی کے اس سے بات ہی نہیں کر رہا تھا۔

نسرین بیگم کا بھی یہی خیال تھا کہ نواز اپنے کیے پر نادم ہے جب ہی تو اس میں ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ فون بھی کر سکے۔

☆☆☆

"شاباش، شاباش واجد آج تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ کیسی خوب صورت تصویریں آئی ہیں۔ اب مزہ تو جب آئے گا جب یہ تصویریں ان کے خاندان میں پہنچیں گی۔ بلکہ یوٹیوب پر بھی ڈالی جائیں گی تاکہ سب کو پتا چلے کہ یہ شرم وحیا والے، لوگوں پر باتیں اچھالنے والے...... کسی لڑکی کو جان سے مروانے والے لوگ زندہ درگور کیسے ہوا کرتے ہیں۔" سرفراز صاحب نے نہاں اور نواز کی تصویریں دیکھ کر کہا۔

"اب واجد کے لیے کیا حکم ہے؟" منیجر نے سرفراز صاحب سے پوچھا۔ جو نیلی جینز اور سرخ شرٹ میں ہیرو کے سے انداز میں چاکلیٹ کھا رہا تھا۔

"اس کو اس کے پرانے حلیے میں واپس لے کر آؤ۔ جو چیزیں اس کو دی گئی ہیں سب واپس لے لو۔" آدھے گھنٹے میں گنجا، سورج مکھی لڑکا پرانے سے شلوار قمیص اور دوپٹی کی ٹوٹی ہوئی چپل پہنے جب منیجر کے ساتھ آیا تو سرفراز صاحب ہنس کر بولے۔

"اسے تو دروازے کا واچ مین بھی نہیں پہچان پائے گا کہ یہ شخص کون ہے اور آفس میں کیسے گھس آیا۔"

''ہاں واجد جہاں سے آئے تھے وہیں واپس چلے جاؤ اور یہ بات تم خواب میں بھی مت سوچنا کہ تم ہیرو جیسے لگتے تھے۔ دوبارہ کراچی آنے کی کوشش مت کرنا اور یہ سب باتیں کسی ڈراؤنے خواب کی طرح بھول جانا ورنہ...... آوارہ کتوں کو مروانے پر انعام بھی مل جایا کرتا ہے اور ہم نے بہت سے آوارہ کتے مروائے بھی ہیں۔ اس لیے تمہیں اب صرف یہی بات یاد رکھنی ہے کہ تم واجد ہو۔'' منیجر نے اسے تھوڑی سی رقم دیتے ہوئے کہا۔ واجد سلام کرتے ہوئے باہر نکل گیا اور اسی تیزی سے باہر بھاگا جیسے کوئی اس کی جان نہ لے لے اور سرفراز صاحب کے قہقہے چھت کو پھاڑنے لگے۔

''بھاگ گیا سالا...... بے وقوف کہیں کا۔''

☆☆☆

ساجدہ بیگم کی طبیعت اچانک ہی خراب ہوگئی تھی۔ ظہیر حسن اور ریحان ان کے پاس ہی تھے مگر انہیں یوں لگ رہا تھا کہ شاید اب وہ جی نہیں پائیں گی۔ انہوں نے ریحان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''میرے پیارے بیٹے تم مجھے معاف کر دینا، میں نے مینا جیسی لڑکی سے تمہاری منگنی کر کے تمہاری زندگی میں کانٹے بھرے اور نہاں جیسی فرشتہ صفت لڑکی اپنی برادری میں ہوتے ہوئے بھی مجھے نظر نہیں آئی۔''

''امی کون نہاں؟'' وہ حیرت سے ماں سے پوچھ رہا تھا۔

''ایک ایسی لڑکی جو شاید تمہاری قسمت میں ہی نہیں تھی۔ میں نے جب اسے دیکھا تو اس کی منگنی ہو چکی تھی اور تمہاری بھی اور پھر معلوم ہوا کہ کسی نے اس کی منگنی تڑوا دی۔''

''کس نے؟'' ریحان نے پوچھا۔

''یقیناً اس کی کوئی پھپھو ہوگی یا کوئی چچی یا تائی کہ وہی لوگ اس کے پیچھے بلاوجہ لگی ہوئی ہیں کہ ان کی اپنی بیٹیاں بیٹھی ہوئی جو ہیں۔'' ساجدہ بیگم نے تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تو اب کیا ہوا؟'' ریحان نے الجھ کر کہا کہ اسے سوائے نہاں کے نام سے کوئی دوسری دلچسپی ہرگز نہیں تھی۔

''تمہاری منگنی کے بعد جب میں ان کے ہاں گئی تو اس کا رشتہ دوبارہ طے ہو چکا تھا

کہ واقعی وہ تمہاری قسمت میں ہی نہیں تھی۔''

''امی، لڑکیوں کا ایسا قحط تو نہیں پڑا ہے کہ آپ خوامخواہ اس بیچاری لڑکی کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔'' ریحان نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کا بلڈ پریشر اس قدر لو ہو رہا ہے۔ اس وقت بھی آپ کو ریحان کی شادی کی باتیں کرنی ہیں یا اسپتال جا کر ڈرپ لگوانی ہے۔'' ظہیر حسن نے بیوی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گی، گھر میں ہی رہوں گی اپنے بچے کے پاس۔'' انہوں نے ریحان کے ہاتھ تھام لیے۔

''پتا نہیں کیوں میرے بچے کی شادی میں دیر ہوئی جا رہی ہے۔ طبیعت ذرا سنبھلے تو سلطانہ خالہ کے پاس جا کر کہتی ہوں کہ کوئی اچھی سی لڑکی مجھے دکھائیں، اب اتنی دیر نہیں ہونی چاہیے کہ میں چل دوں اور میرا بیٹا اکیلا رہ جائے۔ کوئی تو ہو جو اس کا خیال رکھے۔ اب بہو جلدی سے گھر آ جانی چاہیے۔''

''ابو آپ ڈاکٹر آرزو کو فون کر کے کہیں کہ اپنے اسپتال کی نرس جلدی سے گھر بھیج دیں تا کہ امی کے ڈرپ گھر میں ہی لگ سکے۔'' تب ظہیر حسن اپنے موبائل کے نمبر تیزی سے پش کرنے لگے۔

☆☆☆

''اماں دیکھئے، یہ لڑکی ہے نہاں۔ بے شرم، بے حیا سی۔ جس کے گھر والوں کے کہنے پر ریحان کی منگنی ٹوٹی تھی۔'' سرفراز صاحب نے نہاں کی تصویریں دکھاتے ہوئے کہا۔

''یہ تو مجھے خراب سی لڑکی لگ رہی ہے۔'' اماں نے تصویر کو دیکھ کر کراہیت سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ...... بہت خراب لڑکی ہے یہ۔ اس سے کوئی منگنی یا شادی تو کیا کوئی بات کرنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ خاندان تو کیا دور دراز کے لوگ اگر اپنی لڑکیوں کے پاس اس کو آتا دیکھیں گے تو دھکے دے کر بھگا دیں گے۔'' سرفراز نے ہنس کر اپنی ماں کو بتایا۔

''کوئی کچھ بھی کرے یا نہ کرے ہمارا اس سے کیا تعلق؟'' انہوں نے کہا۔

''ہمارا تعلق تو اس لڑکی سے بہت گہرا ہے۔'' وہ رازدارانہ لہجے میں بولے۔

''وہ کیسے؟'' اب حیران ہونے کی باری ان کی تھی۔

''صرف اس لڑکی کی وجہ سے میری مینا نے یہ دنیا چھوڑی ہے۔ اسی نے تو بے پر کی باتیں اڑائی تھیں۔''

''بیٹا پیٹھ پیچھے تو لوگ بادشاہ تک کو گالیاں دیا کرتے ہیں۔ ہماری مینا کی زندگی ہی بس اتنی سی تھی تو اس میں اس کا کیا دوش؟'' ماں نے بیٹے کو سمجھانے کی سعی کی۔

''نہیں اماں، ظالم کو سزا تو ضرور ملنی چاہیے ورنہ لوگوں کو کبھی یہ معلوم ہی نہیں ہو سکے گا کہ ان سے غلطی کب اور کہاں پر ہوئی ہے۔''

''بیٹا اللہ تو سب دیکھتا ہے تم کس جھمیلے میں پڑ گئے۔'' اماں اکتا کر ان کے کمرے سے ہی باہر نکل گئیں۔ تو وہ یہ تصویریں لے کر اپنے بیٹوں کے پاس چلے آئے۔

''شاہد بیٹا دیکھو، بیٹا یہ تصویریں کیسی ہیں؟'' انہوں نے تمسخر سے کہا۔

''پاپا کیا آپ اب بھی ایسی تصویریں دیکھا کرتے ہیں۔'' ان کے بڑے بیٹے دانش نے ہنس کر پوچھا۔

''تم یہ بتاؤ کہ یہ تصویریں کیسی ہیں؟'' انہوں نے نہاں کا البم ان کے سامنے رکھ دیا۔

''یقیناً کسی طوائف کی ہوں گی۔'' شاہد کھل کر ہنسا۔

''نہیں بیٹا، یہ ایک شریف زادی کی تصویریں ہیں۔'' وہ سنجیدہ سے ہو گئے۔

''شریف زادیاں اب اس انداز میں تصویریں بنوانے لگی ہیں۔'' دانش نے البم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''یہ ہمارے دشمن کی تصویریں ہیں۔'' وہ غصے سے بولے۔

''تو پھر آپ کے پاس کیا کر رہی ہیں؟''

''ان کو کسی گٹر میں ڈال دیجیے ناں۔'' دونوں بیٹے یکجا آواز میں بولے۔

''ہاں بیٹا انہیں گٹر میں ڈالنے سے پہلے تمہیں دکھانا چاہتا تھا کہ زندگی میں کبھی یہ چہرہ نظر آ جائے تو تھوک کر آگے بڑھ جانا، رکنا نہیں۔''

''پاپا رکنے کے لیے ہمارے پاس ٹارگٹ کم ہیں کیا جو دشمن کے پاس ہم کبھی جانے کا بھی سوچیں گے۔'' شاہد نے مسکرا کر دانش کی جانب دیکھتے ہوئے ایک آنکھ دبائی مگر سرفراز

احمد تو وہ البم ہاتھ میں لیے یوں روانہ ہو گئے جیسے کوئی خزانہ لے کر کہیں جا رہے ہوں۔

☆☆☆

''بھیا ہم نے جو آپ سے کہا تھا وہ غلط نہیں کہا تھا۔ آپ نے غیر کے خون کو لے کر پالا تو کر دیا ناں اپنا نقصان۔'' فون پر ان کے چھوٹے بھائی غصے سے باتیں سنا رہے تھے۔

''شہباز تم نے ہمیشہ ہی الٹی ہانکی ہے کبھی تو سیدھی بات کر لیا کرو۔'' ریاض صاحب نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

''حیرت ہے بھیا، نہاں نے آپ کی ناک کاٹ دی ہے اور آپ کو پھر بھی کوئی افسوس نہیں ہے۔''

''میری بیٹی کیسی ہے اس کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا...... اس لیے آئندہ کوئی ایسی ویسی بات کرنے سے پہلے تم سوچ لیا کرنا، یہ نہ ہو کہ میں تمہیں کچھ کہہ دوں اور تم ناراض ہو کر بیٹھ جاؤ۔ رشتے داری کو توڑنا اگر گناہ نہ ہوتا تو میں کب کا اپنے خاندان کو چھوڑ چکا ہوتا۔'' ریاض صاحب غصے میں اپنے بھائی کو ڈانٹنے لگے تو شہباز نے فون ہی کاٹ دیا۔

ریاض صاحب اسٹیشن جا رہے تھے، شہباز کا فون آ جانے سے ان کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ نسرین بیگم پھل کاٹ کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔

''لیجیے کچھ کھا لیجیے اور گھر پر آرام کریں۔ ٹکٹ کل جا کر لے لیجیے گا فون پر بکنگ تو آپ نے کروا ہی دی ہے ناں۔'' انہیں شہباز کے فون کا علم نہیں تھا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

''آج بینک جا کر کچھ پیسے نکال لاتا ہوں اگر تم نے اور نہاں نے کچھ شاپنگ کرنی ہوئی تو تم لوگوں کے کام آ جائیں گے۔'' سیب کے ایک دو ٹکڑے کھا کر ریاض صاحب باہر نکل گئے اور نسرین بیگم بڑا بیگ لاؤنج میں رکھ کر سوچنے لگیں۔

''اس میں پہلے وہ تمام ضروری چیزیں رکھ لی جائیں جو سفر میں یا کسی بھی اجنبی شہر میں جا کر لازمی ضرور بن سکتی ہیں۔'' دروازے پر بیل ہوئی تو وہ یہ سمجھیں کہ ریاض صاحب یقیناً اپنی کوئی چیز گھر پر ہی بھول گئے ہیں جو دوبارہ لوٹ آئے ہیں۔ وہ دروازے پر آئیں تو ڈاکیا کھڑا تھا۔

''ریاض احمد کا گھر یہی ہے ناں؟'' اس نے تصدیق کی کہ پہلی مرتبہ ان کے ہاں

ڈاک آئی تھی۔

"ان کے نام رجسٹری آئی ہے۔" اس نے بھاری لفافہ انہیں دیتے ہوئے کہا۔

"کہاں سے آئی ہے؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"آئی تو کراچی سے ہی ہے مگر بھیجنے والے کا نام نہیں لکھا ہے۔" نسرین بیگم نے دستخط کر کے وہ لفافہ وصول کرلیا۔

"یہ لفافہ کہاں سے آیا ہے؟" انہیں حیرت سی ہو رہی تھی کہ کبھی کسی کا خط تک نہیں آیا تھا۔ سارے رشتے دار اسی شہر میں تھے۔

"کہیں آفس سے نہ آیا ہو۔" یکبارگی انہوں نے سوچا اور پھر غیر ارادی طور پر وہ لفافہ انہوں نے کھول لیا۔ اس میں کوئی خط، کوئی کاغذ کچھ بھی نہیں تھا بس ایک البم رکھی ہوئی تھی۔

"یقیناً ڈاکیا کسی دوسرے کی البم ہمارے گھر دے گیا ہے۔" وہ یہ سوچ کر مسکرائیں۔ "دیکھوں تو سہی یہ کس کی البم ہے۔ محلے میں کسی کی ہوئی تو جا کر دے تو دوں گی۔" انہوں نے البم کھولی اور یوں لگا جیسے آسمان سر پر آ گرا ہو...... یکبارگی وہ کانپ سی گئیں۔ کسی نے بڑی مہارت سے نہاں کا چہرہ لگا کر عریاں تصویریں بنائی تھیں۔ ہر تصویر میں نہاں تھی مگر اس کے ساتھ مختلف لڑکا۔

"نہاں تو کہہ رہی تھی کہ نواز نے اس کے ساتھ دست درازی کی تھی مگر کسی بھی تصویر میں نواز تو نہیں تھا۔ تو کیا نہاں کو کسی پلان کے تحت ہوٹل لے جایا گیا۔" انہوں نے اپنا سر تھام لیا۔

"تو کیا نواز بھی وہ نہیں جو نظر آ رہا تھا۔ تو پھر ریاض کی نوکری بھی اسی سازش کا حصہ تھی۔ نہیں، نہیں...... یہ سب نہیں ہو سکتا۔ میری پھول سی بچی پر ایسا ظلم کوئی نہیں کر سکتا، دشمن بھی نہیں۔ اولاد والے تو عزت اور ذلت کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔ ایسی حرکت کوئی مسلمان تو ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔" انہوں نے البم کو یوں دیکھا جیسے وہ کوئی دہکتی ہوئی آگ ہو۔ کتنی دیر وہ یوں گم صم سی بیٹھی رہیں۔ ریاض صاحب بینک سے ہو کر بھی آ گئے انہیں پتا بھی نہیں چلا۔

"اتنا بڑا بینک ہے مگر کام صفر درجے کا...... منیجر کہہ رہا ہے کہ آپ کی اس ماہ کی سیلری تو کیا گزشتہ ماہ کی بھی نہیں آئی ہے۔ اب میں پہلے آفس جا کر معلوم کرتا ہوں کہ وہاں کسی سسٹم میں تو کوئی خرابی نہیں ہو گئی۔"

"آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" نسرین بیگم نے بہ مشکل گلوگیر سے لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا...... بات کیا ہے؟ یہ تم اتنی پیلی سی کیوں لگ رہی ہو۔ ارے تمہارے تو ہاتھ بھی ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔" ریاض احمد نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"نسرین بتاؤ تو سہی کیا بات ہے؟"

"ہمارے دشمن نے بہت کاری وار کیا ہے۔"

"کیسا وار...... میں ابھی نواز کو فون کرتا ہوں۔" وہ نسرین کو روتا چھوڑ کر نواز کو نمبر ملانے لگے۔

"پتا نہیں اسکا فون اس وقت بند کیوں ہے۔ خیر تھوڑی دیر بعد میں اسے پھر فون کروں گا کہ ہمارا دشمن کہیں گیا نہیں ہے موجود ہے...... مگر بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟ نواز پوچھے گا تو میں اسے کیا بتاؤں گا۔" ریاض صاحب بیوی کو یوں سسکتا دیکھ کر پوچھ رہے تھے۔ نسرین بیگم نے اس سرخ البم کی طرف انگلی سے یوں اشارہ کیا جیسے وہ کسی بھوت پریت کو دیکھ رہی ہوں۔

"یہ کس کی البم ہے اور یہاں کس نے بھیجی ہے؟" ریاض صاحب سرعت سے بڑھے اور پھر چکرا کر ایسے گرے کہ میز کا کونا ان کی پیشانی پر لگا اور ان کا خون پورے چہرے پر یوں پھیل گیا جیسے...... اس نے ان کی شکل چھپا دی ہو۔ کیسے وہ دونوں اٹھے اور اس البم کو لے جا کر اپنے کمرے میں چھپایا یہ وہ خود ہی جانتے ہیں۔ اب وہ ایک دوسرے کو تسلیاں دے رہے تھے اور رو بھی رہے تھے۔

"نسرین تم فکر مت کرو، میں جب نواز کو بتاؤں گا تو وہ میری بات کا پورا یقین کر لے گا۔ وہ ان تصویروں کو کوئی اہمیت نہیں دے گا۔ وہ یہ بات جانتا ہے کہ عرصے سے ہمارا کوئی دشمن ہمیں تکلیفیں پہنچا رہا ہے مگر اس مرتبہ تو اس نے حد ہی کر دی ہے۔ ہماری جان ہی نکال کر رکھ دی ہے۔"

"یہ نواز بھی اسی دشمن کی ایک کڑی تھا۔" وہ بے حد مشکل سے ریاض صاحب کو بتائیں اور پھر وہ انہیں ہر بات بتاتی چلی گئیں اور ریاض صاحب کھڑے قد سے نیچے گر پڑے۔

☆☆☆

نہاں کالج سے آئی تو آتے ہی بولی۔

''امی ہمارے گھر میں کمپیوٹر نہیں ہے اور نہ ہی انٹرنیٹ کی سہولت۔ آپ ابو سے کہیے ناں کہ کوئی سستا سالیپ ٹاپ ہی لے لیں۔''

''ہوں۔'' نسرین بیگم بہ مشکل بولیں۔

''آج میرے کالج کی کئی لڑکیاں کہہ رہی تھیں کہ یوٹیوب پر کسی لڑکی کی تصویریں ہیں۔ اس کی نہ صرف مجھ سے شکل ملتی ہے بلکہ اس کا نام بھی نہاں احمد ہے۔ ہے ناں امی عجیب غریب بات۔ وہ لڑکی میری ہم شکل ہے بلکہ کئی لڑکیاں تو اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہہ رہی تھیں اگر میں عبایا نہ پہنا کرتی تو ان کو یہ یقین آجاتا کہ وہ تصویریں میری ہی ہیں۔'' اور نسرین بیگم کو یہ معلوم ہو گیا کہ تصاویر کا سلسلہ صرف گھر بھیجنے تک ہی نہیں بلکہ اسے انٹرنیٹ تک دے دیا گیا ہے۔

☆☆☆

پھر ایک طوفان سا آ گیا۔ ہر رشتے دار کے گھر میں، ہر دوست کے گھر میں، محلے کے ہر مکان میں، قریبی فلیٹوں کے ہر فلیٹ میں حد تو یہ تھی کہ نہاں کے کالج میں اس کی پرنسپل کو نہاں کی عریاں تصاویر بھیج کر کہا گیا تھا۔

''آپ کے کالج میں ایسی لڑکی پڑھتی ہے اگر آپ نے اسے کالج سے نہیں نکالا تو والدین اپنی بچیاں گھر بٹھالیں گے۔'' مطلوبہ کالج کی پرنسپل پریشان سی جب ریاض صاحب کے گھر پہنچیں تو ان کے ہاں خود ہی صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔

''نہاں تو بہت شریف لڑکی تھی اس کا ریکارڈ بہترین تھا مگر ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب ہوا کیا ہے۔ پلیز ہم بے حد مجبور ہیں، آپ کی نہاں کو کالج میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔'' پرنسپل نیچی نظریں کیے کہہ رہی تھیں مگر نسرین بیگم کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ انہیں تو بس اب یہ پتا تھا کہ ان کی نہاں اب عریاں کہلانے جا رہی ہے اور اللہ نہ کرے یہ وقت کسی بھی بیٹی پر آئے...... مگر یہ سب ان ہی کے ساتھ ہوا تھا جنہوں نے کبھی بھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا۔ جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر پل ایمانداری کے ساتھ بسر کیا تھا۔ حرام کی کمائی کا کبھی کوئی لقمہ بھی ان کے گھر میں نہیں آیا تھا۔ جنہوں نے حیا کو اپنا شعار بنایا تھا۔ نسرین بیگم خود بھی پردہ کرتی تھیں اور ان کی بیٹی بھی باپردہ تھی اور آج گھر گھر اس کی عریاں تصویریں لوگوں کو مل رہی

تھیں اور دیکھنے والے کراہیت سے دیکھنے کے بعد یہی کہہ رہے تھے۔

''اف اس قدر پردے داری میں یہ کرتوت ہیں۔ اگر کہیں ماڈل ہوتیں تو پتا نہیں کیا قیامت ڈھاتیں۔'' نسرین بیگم اور ریاض صاحب یہ ظلم سہہ کر بھی یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا دشمن کون ہے جس نے انہیں آسمان سے زمین پر پٹخ دیا ہے۔ جس نے منہ سے لقمہ تو چھینا ہی تھا کپڑے بھی تار تار کر دیے تھے۔ تب ان دونوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اور روتے ہوئے بددعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''یا رب العالمین جس نے ہمیں ناحق بے عزت کیا ہے تو بھی ان کو ایسی کڑی سزا دے کہ جسے سب دیکھیں۔''

☆☆☆

نہاں کی حالت بے حد تشویشناک تھی۔ جب اس کی سہیلیوں نے موبائل پر اس کی تصویریں اس کو بھیجیں تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ یہ تصویریں کس کی ہیں اور اس کو کیوں بھیجی گئی ہیں۔

جب اس نے ان تصویروں کو بغور دیکھا تو اسے سب یاد آ گیا۔ ریستوران کا ماحول تھا اور اس کی شرٹ وہی تھی جو نسرین بیگم نے بیلیں لگا کر سی کر دی تھی۔ اس کے ساتھ تو نواز بیٹھا تھا مگر ہر تصویر میں نئے لڑکے کا چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نواز نے یہ تصویریں بنوائی تھیں اور یہ سارا گیم اس کے بے عزت کرنے کے لیے کھیلا گیا تھا۔

''امی...... یہ تصویریں دیکھیے کس نے بنوا کر مجھے بھیجی ہیں؟'' وہ اپنا موبائل لے کر بھاگتے ہوئے ماں کے پاس آئی اور انہیں موبائل تھما کر وہیں چکرا کر گر پڑی۔ اس وقت بھی وہ آئی سی یو میں تھی۔ اسے کسی صورت ہوش نہیں آ رہا تھا۔

نسرین بیگم اور ریاض احمد اسپتال کی راہداری میں کھڑے تھے اور اس کی زندگی کے لیے دعا گو تھے۔ ریاض صاحب کی بہن اپنے دوسرے بھائیوں سے رازدارانہ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''اللہ نہاں کا پردہ ڈھک لے تو کتنا اچھا ہو، ہمارے بھائی ریاض کو بھی صبر کے ساتھ ساتھ سکون بھی مل جائے گا۔ اسی لڑکی کی وجہ سے ان کو بے حد بے عزتی اٹھانا پڑی ہے۔''

''آپا ہمیں کیا...... جب وہ ہماری بات سمجھتے ہی نہیں ہیں تو کیا کریں...... ان کو تو ان کے حال ہی پر چھوڑ دیں۔ آج کل اپنی اولاد سے کوئی دکھ یا تکلیف ملتی ہے تو اس کے والدین اپنی سگی اولاد کو عاق تک کر دیا کرتے ہیں اور یہ جھولے سے لی ہوئی لڑکی کو ابھی تک گلے لگائے ہوئے ہیں جبکہ وہ کانٹوں بھرا ہار بنی ہوئی ہے۔''

نسرین بیگم اور ریاض احمد اپنی بیٹی کی صحت اور زندگی کے لیے دعا گو تھے اور انہیں ذرا بھی پروا نہیں تھی کہ ان کے عزیز و اقارب کیا کہہ رہے ہیں اور کیا محسوس کر رہے ہیں۔ ان کا تو رواں رواں نہاں کے لیے دعا گو تھا جو ایکسٹریم ڈپریشن کے تحت بے ہوش ہو گئی تھی۔ پھر وہ ہوش میں آ گئی۔

''کاش میں مر گئی ہوتی...... میری وجہ سے آپ کو یہ دن تو نہ دیکھنے پڑتے۔'' ماں باپ کی متورم آنکھوں اور کپکپاتے ہونٹوں کو دیکھا اور شرمندہ ہو کر کہا۔

''نہاں بیٹا ہمارے لیے تم سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں ہے اور تم ہی ہمارے لیے زندگی کی علامت ہو اور چاند پر تھوکے سے کوئی تھوک چاند پر نہیں آیا کرتا۔ جس نے تمہیں اور ہمیں یہ دکھ دیے ہیں وہ ضرور دکھی ہوگا اور یہ سب ہم بھی دیکھیں گے کہ بددعا کبھی رائگاں نہیں جاتی۔ اگر دعا قبول ہوتی ہے اور اس کے طفیل خوشیاں ملتی ہیں تو بددعائیں بھی قبول ہوتی ہیں اور ہماری بددعا اسے ضرور لگے گی جس نے ہماری ہنستی بستی زندگی میں زہر گھولا ہے۔ اللہ اسے کبھی سکھ اور چین سے نہیں رہنے دے گا۔''

''آمین ثم آمین۔'' نہاں نے دھیمے سے کہا اور اس کے آنسو اس کے رخساروں پر پھیل گئے۔

☆☆☆

''ہاتھ اٹھا اٹھا کر صبح شام ریاض بھائی اور بھابی بددعائیں دے رہے ہیں۔ جیسے بہت بڑے بابا ہوں۔'' ریاض صاحب کی بڑی بھاوج اپنے میکے میں آ کر یہ ساری روداد ہنس ہنس کر سنا رہی تھیں جیسے کوئی فلمی کہانی ہو۔

''ارے اب زبان میں تاثیر ہی کہاں رہ گئی ہے۔ ہماری تو دعائیں پوری نہیں ہوتیں تمہارے جیٹھ کی بددعائیں کیسے پوری ہو جائیں گی۔'' ان کی اماں نے ہنس کر بیٹی سے کہا۔

''پتا نہیں کیا بات ہے، کیا کہانی ہے، اب وہ کوئی اصل بات تھوڑی ہمیں بتائیں گے۔ ان کی بیٹی کے کرتوت دیکھ کر تو ان کا ہونے والا داماد بھاگ گیا ہے۔ مگر کہہ رہے ہیں کہ وہ بھی ان کے دشمنوں سے ملا ہوا تھا۔ اپنے دشمن کا نام تک تو جانتے نہیں اور نہ ہی اس کی کبھی شکل دیکھی ہے، بس جو منہ میں آ رہا ہے بکے چلے جا رہے ہیں جیسے کہ سامنے والا ان کی باتوں کا فوراً

یقین کرلے گا۔'' بھاوج کی ہنسی ہی کسی طرح رکنے میں نہیں آرہی تھی۔

''عاتکہ اپنے جیٹھ سے محتاط ہو کر ملو اور تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے اپنی بیٹی کو لے کر نہاں کے پاس جانے کی۔'' اماں نے رازداری سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں امی آپ۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ مجھے ان سے ایک فاصلے سے رہنا چاہیے۔''

☆☆☆

اور پھر واقعی رب نے ان کی سن لی۔ دانش کلب سے گھر کی طرف آرہا تھا ٹریفک بھی سڑک پر زیادہ تیز نہیں تھا۔ سی این جی کی ہڑتال کے باعث مصروف شاہراہوں پر ہلکا ٹریفک تھا۔ دانش مین شاہراہ سے بائیں جانب سڑک پر مڑنے والا ہی تھا کہ سامنے سے آنے والا ٹرک اسپیڈ بریکر پر تیزی سے اچھلا اور اس پر رکھی ہوئی ہیوی مشینری میں سے کچھ چیزیں دانش کی گاڑی پر ایسے آگریں کہ ساعتوں میں وہ قیمتی اور خوب صورت گاڑی پچک گئی تھی۔

دیکھنے والے حیران تھے کہ یہ ہوا کیا ہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ملک الموت نے اچھل کر دانش کی جان لے لی ہو۔ گاڑی کاٹ کر دانش کی مسخ شدہ باڈی نکالی گئی تو سرفراز ہاؤس میں ایک کہرام سا مچ گیا۔

''میری مینا اکیلی تھی ناں وہ ڈر رہی تھی اس لیے اپنے لاڈلے بھیا کو اپنے پاس بلا لیا۔'' وہ یہ بات تعزیت کرنے والوں کو ایسی رازداری سے بتا رہے تھے جیسے ان کو ہی یہ راز معلوم ہو۔

جوان موت کا سنکر سب کو ہی دکھ ہو رہا تھا مگر سرفراز احمد کا شیطانی دماغ ابھی ابھی نہاں کی تصویریں کالج کی ایک ایک لڑکی کے گھر پہنچانے کی سعی کر رہا تھا۔ اپنے بیٹے کے سوئم والے دن بھی وہ اپنے منیجر سے پوچھ رہے تھے۔

''کالج کے کلرک سے تمام طالبات کے ایڈریس مل گئے تھے ناں۔''

''منیجر نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے انہیں حیرت سے دیکھا۔ جوان بیٹے کی موت نے کہیں انہیں بالکل ہی پاگل تو نہیں کر دیا۔

''صرف نہاں کے خاندان کی وجہ سے میرے دو بچے موت کے منہ میں جا چکے ہیں۔ وہ قاتل ہیں میرے بچوں کے...... انہیں سزا تو ملنی چاہیے ناں۔'' سرفراز صاحب کے

لہجے میں یقین رچا ہوا تھا اور منیجر ان کی ہر بات کے جواب میں اپنا سر ہلا رہا تھا۔

☆☆☆

ریحانہ شاہ کا گھر اسی گلی میں تھا جس میں ریحان کا مکان تھا۔ ڈاکیے نے اس کا لفافہ ریحان کا سمجھ کر ان کے ہاں ڈال دیا۔

آفس سے آکر وہ اپنی ڈاک شام کی چائے پیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ریحانہ شاہ کا جب لفافہ کھولا تو اس میں نہاں کی ڈرٹی پکچرز دیکھ کر وہ سکتے کی سی صورت میں آگیا۔ یہ لڑکی کتنی بار اس سے ٹکرائی تھی۔ اس نے ہر بار اس سے بات کرنی چاہی تھی مگر اس لڑکی نے تو بات تک کرنی اس سے مناسب نہیں سمجھی تھی۔

''کیا اس کی یہ تصویریں کسی نے بنوائی ہیں؟'' پہلا خیال اس کے ذہن میں یہی آیا تھا۔ ماں کو سامنے سے آتا دیکھ کر اس نے وہ تصویریں جلدی سے لفافے میں ڈال دیں، اپنے کمرے میں آکر اس نے وہ تصویریں بغور دیکھیں تو یوں لگا جیسے کسی لڑکی نے ہنسی خوشی یہ تصویریں بنوائی ہوں۔

''غلط، بالکل غلط ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔'' اس کے دل نے اسے یہی تاویل دی۔ لفافہ اس نے ٹیبل پر پٹخ کر رکھا تو تصویروں کے ساتھ رکھا ہوا خط جو ٹائپ کیا ہوا تھا۔ اس کے سامنے آگیا۔

''آپ کے کالج کی طالبہ نہاں احمد ایک انتہائی بدکردار لڑکی ہے اسے ان ہی وجوہ کی بنا پر کالج سے بھی نکالا جا چکا ہے۔ براہ کرم اس لڑکی سے دور رہیں ورنہ آپ خود نقصان اٹھائیں گی۔'' خط کی عبارت پڑھ کر ریحان الجھ سا گیا۔

''یہ یقیناً کوئی گینگ کام کر رہا ہے۔ کسی کی بھی نیک اور شریف لڑکی کو بدنام کرنے کے لیے اور یہ لڑکی نہاں بے حد شریف ہے، اس کی گواہی تو میں بھی دے سکتا ہوں۔''

اکثر بدکردار لڑکیاں مختلف بہروپ بھرا بھی تو کرتی ہیں کیا پتا یہ بھی ایسی ہی ہو جب ہی تو کالج کی پرنسپل نے اپنی طالبہ کا نام کالج سے خارج کیا ہوگا۔'' دماغ نے اسے راہ دکھائی۔

''اس کا مطلب ہے کہ کالج کی پرنسپل کے پاس اس ضمن میں زیادہ معلومات ہوں گی۔

ریحان اگلے دن ہی پرنسپل کے کمرے میں موجود تھا۔ اپنا تعارف کراتے ہوئے اس نے کہا۔ ''میری کزن اس کالج میں پڑھتی ہے اور اس کے گھر میں نہاں احمد کی تصاویر کے

ساتھ ایک خط بھی بھیجا گیا ہے اور اس میں آپ کا حوالہ دیا گیا ہے کہ آپ نے اسے بدکردار ثابت ہونے پر کالج سے نکالا ہے۔ تو کیا میں اس بارے میں آپ سے معلومات کر سکتا ہوں کہ کیا واقعی ایسا کچھ ہے؟"

"نہیں جناب...... ایسا کچھ نہیں ہے۔ نہاں ہمارے کالج کی ذہین ترین طالبہ ہونے کے ساتھ بے حد نیک اور شریف تھی۔ اس کو پڑھانے والی تمام اساتذہ ابھی تک پریشان ہیں کہ اس پر یہ قیامت کیسے ٹوٹ گئی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ نے نہاں احمد کا نام کالج سے خارج نہیں کیا؟"

"جی نہیں، خارج تو نہیں کیا مگر اس کے گھر جا کر یہ ضرور کہا ہے کہ نہاں کو کالج مت آنے دیں۔"

"جب آپ یہ کہتی ہیں کہ نہاں ایک شریف اور نیک لڑکی ہے تو کیا آپ بھی کسی کے دباؤ میں آ گئی ہیں؟" ریحان کی جرح جاری تھی اور پرنسپل اس قدر بوکھلا رہی تھیں کہ اپنی بات کرتے ہوئے انہیں بار بار پانی پینا پڑ رہا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید محکمہ تعلیم کا کوئی اعلیٰ افسر اس معاملت کی چھان بین کرنے آ گیا ہے۔

"سر! مجھے اس بارے میں یقیناً ایجوکیشن آفس میں اطلاع دینی چاہیے تھی جو میری غلطی ہے مگر جب نہاں احمد کی ڈرٹی پکچرز کے ساتھ ساتھ مجھے دھمکیاں دی گئیں اور دو بار میری گاڑی کے شیشے بھی توڑ دیے گئے تو مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا کہ اسے گھر تک ہی محدود کر دوں۔"

"اگر کوئی بھی بدخواہ آپ کی دیگر طالبات کے ساتھ ساتھ آپ کی پروفیسرز کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہے تو آپ فوراً یقین کر لیں گی یا اپنے طور پر اس کی تحقیقات بھی کریں گی۔"

"نہاں کی میں تحقیقات کیا کرتی، وہ تو ہماری ساری ٹیچرز کی پسندیدہ اسٹوڈنٹ تھی۔ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی ہمیشہ آگے آگے اور یہ بات تو شاید اسے معلوم بھی نہیں ہے کہ اس نے جو اپنی نظم کانچ سی لڑکی کے نام سے لکھی تھی۔ اسے ایشین کالجز کمپٹیشن میں پہلا ایوارڈ ملا ہے اور یہ ایوارڈ ہمارے کالج کے لیے بہت بڑا آنر ہے۔" پرنسپل کے لہجے میں ایک فخر سا تھا۔

"کتنی حیرت کی بات ہے، ایک طالبہ کی اعلیٰ کارکردگی پر آپ فخر کر رہی ہیں اور

دوسری جانب اس کی ذات پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے تو آپ اس کا ساتھ دینے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔"

"میں کیا کرتی سر...... میں تو پریشان ہو گئی تھی۔ میری پاس ہی نہیں کالج کی پیون تک کو نازیبا تصاویر ارسال کی گئی ہیں۔"

"کیا آپ مجھے یہ بتا سکتی ہیں کہ یہ تصاویر کس نے آپ کو ارسال کیں، بھیجنے والے نے اپنا نام تو لکھا ہوگا اور اپنا ایڈریس بھی جب کوئی شکایت درج کروائی جاتی ہے تو متعلقہ تھانے کا چھوٹے سے چھوٹا افسر بھی رپورٹ درج کروانے والے کا نام، پتا اور فون نمبر ضرور پوچھا کرتا ہے۔" ریحان کی جرح جاری تھی۔

"آپ کی بات صحیح ہے مگر ہمیں یہ سب بذریعہ ڈاک ملا ہے جس پر نہ بھیجنے والے کا نام اور ایڈریس ہے نہ ہی فون نمبر بس اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ یہ سب کراچی شہر سے ہی کسی نے ہمیں بھیجا ہے۔"

"حیرت ہے کہ ایک نامعلوم شخص کے جھوٹے پلندے نے آپ کو کس قدر خوف زدہ کر دیا کہ آپ اپنی ڈیوٹی بھی بھول بیٹھیں۔" ریحان نے تلخ سے لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پرنسپل سے تفصیلی بات چیت کے بعد اسے یہ دلی اطمینان ہو گیا تھا کہ نہاں ایسی ہی ہے جیسی وہ سمجھتا ہے۔ پاک باز، نیک، حیادار اور معصوم سی لڑکی اور یہ جان کر اس کے ذہن سے ایک انجانا سا بوجھ خود ہی ہٹ گیا تھا اور وہ اپنے آپ کو بے حد ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ذہن میں نہاں کے سوا اب کچھ اور تھا ہی نہیں۔ گھر آیا تو اسی کے خیال میں کھویا تھا۔ ماں نے کھانا سامنے رکھا اس کی فیورٹ ڈش فرائی بھنڈی موجود تھی۔ جسے وہ چپ چاپ کھا رہا تھا۔

"کیسی ہے؟" ماں نے پوچھا۔

"بے حد معصوم سی۔" وہ بولا۔

"بیٹا میں بھنڈی کی سبزی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"میں تو اس بچی کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔" ریحان نے سامنے اخبار میں بچی کی تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے پورا اخبار ہی اپنے منہ کے سامنے کر لیا۔

"شکر ہے امی نے اخبار کی معصوم بچی کی تصویر دیکھنے کی خواہش نہیں کی۔" ریحان کے سامنے اخبار تو ضرور دھرا تھا مگر اس پر کوئی ایسی تصویر نہیں تھی۔

"یا اللہ یہ لڑکی میرے حواسوں پر پھر کیوں چھانے لگی ہے۔" امی کی باتیں اس کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں اور وہ انہیں ہوں ہاں میں جواب دے رہا تھا۔ پھر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تو اسے یوں لگا نہاں تو ہر جگہ کھڑی ہے۔ اس کی الماری میں، اس کی ڈریسنگ ٹیبل پر اس کی کتاب پر، اس کا ناول پکڑے اس کا گلاس اور کپ اسے دیتے ہوئے۔ وہ اپنا سر پکڑ کر بستر پر لیٹ گیا اور نہاں کی ہنسی اس کے کانوں میں جلترنگ بجانے لگی۔ وہ آنکھیں بند کیے مسکراتا رہا جیسے کہ وہ حقیقت میں اس کے پاس ہو۔ بے حد پاس اور پھر اس نے مندمی مندمی آنکھوں سے دیکھا تو اسے لگا وہ اس کے بستر میں اس کے پہلو میں موجود تھی۔ گھبرا کر وہ اٹھ بیٹھا سائڈ لیمپ روشن کیا تو اپنے آپ کو تنہا پا کر اس نے ایک گہری سانس لی مسکرایا اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔

☆☆☆

"دیکھا اماں کیسے دھوکے باز ہیں آج کے لوگ، نہ ان میں مروت رہی اور نہ ہی خوف خدا...... کراچی کی میری تین فیکٹریوں پر جنرل منیجر نے قبضہ کرلیا ہے۔ کسی سالے کو میں نہیں چھوڑوں گا۔" سرفراز احمد غصے سے دہاڑ رہے تھے۔

"تمہاری چیزوں پر کوئی غیر کیسے قبضہ کرسکتا ہے؟" وہ حیرت سے پوچھ رہی تھیں۔

"میرا شیر جیسا بیٹا جو چلا گیا ہے اسی بات سے فائدہ اٹھایا ہے انہوں نے۔"

"مگر بیٹا ایسی تو کہیں اندھیر نہیں مچی کہ کوئی دوسرے کی فیکٹریاں ہی ہضم کر جائے۔"

"پاپا جب آنکھ بند کر کے ہر پیپر پر سائن کر دیں گے تو ایسا ہی ہوگا۔" چھوٹا بیٹا شاہد کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"تم جب آفس کی شکل ہی نہیں دیکھو گے تو لالچی اور مکار لوگ ایسے ہی سب چیزیں ہضم کر جائیں گے۔"

"میری طبیعت کچھ دنوں سے ٹھیک نہیں ہے، آپ دیکھ نہیں رہے کہ میں کہیں بھی نہیں جا رہا۔"

"بیٹا تمہیں جا کر دیکھنا تو پڑے گا۔ اکیلا باپ کیا کیا کرے گا۔ ورنہ یہ ڈاکو سے لوگ سب ہڑپ کر جائیں گے۔" دادی نے پوتے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کر جائیں ہڑپ، میری بلا سے۔ میری اپنی طبیعت خراب ہے میں آرام کرنے جا رہا ہوں۔" شاہد نے جاتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہی ہیں اماں آپ۔ دانش کے جانے کے بعد شاہد نے کیسے بہانوں کے ساتھ اپنی جان چھڑا رکھی ہے۔ کام تو یہ کرنا ہی نہیں چاہتا ہے۔ اپنی عیاشیوں کے لیے اسے پیسہ درکار ہے مگر باپ کے ساتھ محنت کرنے پر تیار نہیں۔ یہ نہیں جانتا کہ ساری زندگی باپ نے محنت کی تھی تب نام اور پیسہ کمایا تھا۔ لٹیرے میری آنکھوں کے سامنے آج میری تین فیکٹریاں لے اڑے ہیں کل کو میری آنکھوں میں مزید دھول جھونک سکتے ہیں۔" سرفراز صاحب غصے سے بڑبڑا رہے تھے اور ان کی بیگم اپنے کمرے میں اندھیرا کیے بینا اور دانش کی تصویروں سے باتیں کرتے ہوئے انہیں اپنے پہلو میں یوں سلا رہی تھی، جیسے وہ ان کے چھوٹے بچے ہوں اور جو ذرا سے شور سے بھی اٹھ جائیں گے۔

☆☆☆

ریاض صاحب کی بھتیجی کی منگنی تھی ان کے ہاں سب بہن بھائی جمع تھے۔ ریاض کے ہاں بھی بلاوا آیا تھا مگر ان کے ہاں سے کوئی نہیں آیا تھا۔ آج کی اس تقریب میں بھی منگنی سے متعلقہ بات چیت کے بجائے نہاں اور اس کی ڈرٹی پکچرز موضوع گفتگو تھیں۔

"ہمیں تو شروع سے ہی پتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ ورنہ کون اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو اٹھا کر باہر پھینکا کرتا ہے۔" بڑی بہن نے گفتگو کی ابتدا کی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ...... کسی کے دس بیٹیاں بھی ہو جائیں تو وہ باہر کسی کے جھولے میں ڈال کر نہیں آیا کرتا۔" چھوٹی بہن نے کہا۔

"مجھے تو اپنے بھائی پر غصہ آتا ہے اتنا سب ہو جانے پر بھی اس بے غیرت لڑکی کو اپنے گھر سے نکال باہر کیوں نہیں کرتے تاکہ انہیں بھی سکون مل جائے۔"

"جن کی قسمت میں جتنی تکلیفیں ہیں وہ اس کو ضرور ملا کرتی ہیں اور ایسا ان لوگوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے جو ہمیشہ سے اپنی چلانے کے عادی ہوتے ہیں اور کسی دوسرے کی بات سے اتفاق نہیں کرتے۔" ریاض کے چھوٹے بھائی شہباز غصے سے بولے۔

"حد ہوگئی ہے...... خاندان، برادری، دوست احباب سب نہاں پر تھو تھو کر رہے ہیں اور ریاض بھائی اپنی ایک ہی بات پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ یہ جعلی تصویریں ہیں۔ ہر تصویر میں

نہاں کا چہرہ ہے، اس کے بال اس کی گردن، اس کے کانوں کے ٹاپس جو وہ ہمیشہ پہنے رہتی ہے۔ اس کا لاکٹ جس پر نہاں لکھا ہوا ہے جو اس وقت نظر آتا ہے جب وہ اپنا عبایا اتارتی ہے۔ اتنی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی ہم یہ کہہ دیں کہ یہ نہاں کی تصویریں نہیں بلکہ کسی دوسرے کی ہیں تو ہم سے بڑا کوئی اندھا تو شاید ہوگا ہی نہیں۔'' شہباز کا لہجہ شکایتی سا تھا۔

''چلو اگر یہ مان لیا جائے کہ ان کی بات صحیح ہے جو کہ غلط ہی ہے تو انہیں اپنے گھر میں یوں منہ چھپا کر تو نہیں بیٹھ جانا چاہیے کہ اپنی سگی بھتیجی کی منگنی تک میں نہیں آئے ہیں۔''

''منہ تو اس لیے چھپا کر بیٹھ گئے ہیں کہ عزیز و اقارب کی پوچھ گچھ سے جو ڈرتے ہوں گے۔'' بہنوں نے ہم آواز ہو کر کہا تو بھائیوں کے ساتھ ساتھ بھاوجوں نے بھی تائید میں اپنے سر ہلا دیے۔

☆☆☆

سرفراز صاحب کی والدہ نے نہاں کی گندی تصاویر پر تو ایک نظر ضرور ڈالی تھی مگر وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ یہ سب کیا دھرا ان کے اپنے بیٹے کا ہے، نہ صرف انہوں نے ایک شریف لڑکی کی اس طرح کی تصویریں بنوائی ہیں بلکہ ان کو ہر جگہ بھجوایا بھی گیا ہے۔ سرفراز صاحب کی فون پر کسی سے بات سن کر وہ پسینے پسینے ہو گئیں۔

بے شک وہ اپنے بیٹے کے گھر کے ماحول میں رنگی ہوئی تھیں مگر سرفراز کے مرحوم باپ ایک نیک انسان تھے، نہ وہ بددیانت تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی کسی کا برا چاہا تھا اور ایسا تو وہ کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ کسی کی بیٹی کو سرِ عام رسوا کیا جائے اور اب وہ اپنے سرفراز کو بے حد تاسف سے دیکھ رہی تھیں جو فون پر قہقہے لگاتے ہوئے کسی کو شاباش دے رہے تھے۔ فون کا ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے وہ خود ہی بڑبڑائے۔

''یہی تو میں چاہتا تھا، ریاض کا گھرانہ زندہ درگور ہو جائے اور ایسا ہی ہوا۔ وہ لوگ اب کسی کو بھی اپنی شکل دکھانے کے قابل ہی نہیں رہے ہیں۔''

''بیٹا ایسا کیوں کیا ہے تو نے......؟'' وہ بیٹے کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''کیوں کسی کی زندگی میں زہر گھولا۔''

''اماں میں نے پہلی اینٹ کسی کو نہیں ماری، میں نے تو صرف اینٹ کا جواب پتھر سے دیا ہے۔''

''ریاض کے گھرانے نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا جو تم نے ان کے گھر پر پہاڑ توڑ دیے۔''

''اماں میری مینا بھی تو مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے، اس میں بھی تو ان کا ہی ہاتھ تھا۔'' لہجہ شکایتی سا تھا۔

''جھوٹ سو فی صد جھوٹ......تم یہ بات شروع سے ہی جانتے تھے مینا سائیکی تھی کتنے عرصے سے تو اس کا علاج ہو رہا تھا اور اس نے اس سے قبل بھی تین مرتبہ خودکشی کی کوششیں کی تھیں جس میں اس کو بچا لیا گیا تھا۔''

''نہیں اماں، وہ تو اس نے دو چار گولیاں ہی کھائی تھیں مگر اس مرتبہ تو ضرر رساں گولیوں کی پوری بوتل ہی کھا گئی تھی۔'' سرفراز صاحب اپنی مٹھیاں بند کرتے ہوئے بولے۔

''ہاں وہ ضدی تھی، اس میں برداشت کی کمی تھی، اس کا ذہن کسی قسم کی بھی پریشانی برداشت نہیں کر سکتا تھا جب ہی تو اس نے خودکشی کر لی۔''

''مگر اس کی خودکشی کا الزام کسی دوسرے پر لگانے اور اسے یوں رسوا کرنے سے تمہیں کیا مل گیا۔''

''ایک گہرا سکون، ایک عجیب سی خوشی، ایک طمانیت۔'' وہ آنکھوں بند کر کے مسکرائے۔

''واقعی تم اپنے آپ کو پرسکون سمجھ رہے ہو؟'' اماں کے لہجے میں گہری کاٹ تھی۔

''ہاں...... دانش کے فوت ہو جانے پر میرا ذہن ابتر سا ضرور ہے مگر مینا کی موت کا بدلہ میں نے اس کے قاتلوں سے لے لیا ہے۔''

''سرفراز بیٹا......تم نے بے حد غلط کیا ہے ہر لڑکی ہمارے لیے مینا ہے تو پھر مسلمان ہو کر کسی کی بھی بیٹی کے ساتھ ایسا روح فرسا سلوک کیسے کر سکتے ہیں۔ پیارے بیٹے یہ سلوک تو ہم کسی غیر مسلم کے ساتھ بھی نہیں کر سکتے۔ بیٹیاں سب کی پھول ہوتی ہیں اور ان کی عزت کانچ جیسی ہوتی ہے اور کانچ سی لڑکی کی تو حفاظت کی جاتی ہے نا کہ اسے توڑا جائے۔''

''جب ظلم کا بدلہ لیا جاتا ہے تو کچھ نہیں دیکھا جاتا۔ میں نے تو ان کی بیٹی کو زندہ رہنے دیا......'' وہ احسان جتلانے والے انداز میں ہنسے۔

''بیٹا تم نے تو ریاض کے گھرانے پر ایسا ظلم کیا ہے کہ ایسی بے رحمی تو چور اور ڈاکو بھی

نہیں کیا کرتے، وہ لوٹ مار تو ضرور کرتے ہیں مگر کبھی کسی لٹیرے نے کسی عورت یا بیٹی کو ہاتھ تک نہیں لگایا ہے کہ وہ جاہل، گنوار بھی عورت کے تقدس اور اس کی حرمت کو سمجھا کرتے ہیں اور تم شاید ان لوگوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔ تم نے تو اس خاندان کو زندہ درگور کر دیا ہے بیٹا۔'' اب اماں رو رہی تھیں۔

''میری بدنصیبی یہی تو ہے کہ میرا ساتھ میری ماں تک نہیں دے رہی ہے۔ آپ کو تو مجھے شاباش دینی چاہیے تھی کہ آپ کی پوتی کے قاتلوں کو میں سزا دینے میں کامیاب ہو گیا مگر آپ تو مجھے الٹا قصوروار قرار دے رہی ہیں۔ کیوں کر رہی ہیں آپ میرے ساتھ ایسا کیوں......'' سرفراز صاحب انہیں دیکھتے ہوئے برا سا منہ بنا کر دہاڑے۔

''وہ اس لیے بیٹا کہ تم اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگے ہو۔ عزت، ذلت دینے والی ذات پاک پروردگار کی ہے تمہاری نہیں۔ وہ رحمان اور رحیم ہے۔ وہ ستار اور غفار ہے۔ ہم سب اسی کے محتاج ہیں تو ہم ہوتے کون ہیں جو لوگوں کو سزائیں دیں اور ایسی سزا جو کسی کو بھی دکھوں کے سمندر میں غرق کر دے...... تم نے بہت غلط کیا ہے، بے حد غلط۔ یہ سب تو میں کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ میرا بیٹا یہ کرے گا۔'' اماں کہہ رہی تھیں اور ان کے آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے۔

''ہاں میں نے غرق کر دیا انہیں اور میں اپنے سب دشمنوں کو چن چن کر غرق کر دوں گا تا کہ پتا تو چلے سب کو کہ سرفراز احمد کوئی معمولی نہیں آہنی چیز ہے۔ مجھ سے جو ٹکرائے گا وہ خود ہی پاش پاش ہو جائے گا اور جب کوئی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے تو اگر وہ خود کبھی ڈھونڈنے کی کوشش کرے تو ڈھونڈ نہیں پاتا۔''

☆☆☆

اماں کو جب سے یہ روح فرسا حقیقت معلوم ہوئی تھی ان کو کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک، ایک فرد جس کے ہاں یہ تصویریں پہنچی تھیں کو جا کر بتائیں ریاض صاحب کی بیٹی بے حد نیک اور پارسا ہے۔ وہ ایسی نہیں ہے جیسی تصویروں میں نظر آ رہی ہے۔ اس عفت مآب بچی پر ظلم ہوا ہے اور سرفراز صاحب ماں کی یہ باتیں سن کر انہیں پاگل قرار دے رہے تھے۔

''آپ میری ماں ہیں یا ریاض کی جو اس کے لیے رو رہی ہیں۔'' وہ ناشتے کی ٹیبل

پر ماں کو آنسو بہاتے دیکھ کر چراغ پا ہی تو ہو گئے۔

''ماں صرف ماں ہوتی ہے اگر میں تمہیں دکھی نہیں دیکھنا چاہتی تو کسی کو بھی دکھی کرنا نہیں چاہتی۔''

''اماں اب آپ میری خوشیوں سے جلنے لگی ہیں۔'' وہ ماں سے بولے۔

''بیٹا یہ خوشی نہیں ہے جس کو تم خوشی سمجھ رہے ہو، وہ ایسا اندھا انتقام ہے جو گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ تم نے جانے بوجھے بغیر، بغیر کسی تحقیق کے معمولی سی بات کی ان لوگوں کو ایسی سزا دے دی ہے جس کے طفیل وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل تک نہیں رہے۔''

''میں یہی تو چاہتا تھا۔'' وہ چنگھاڑے اور اماں کے آنسو پھر بھل بھل بہنے لگے۔

☆☆☆

مینا کی سالگرہ کے دن سرفراز صاحب نے اس کے یونیورسٹی کے دوستوں اور کالج کی تمام سہیلیوں کو اپنے گھر مدعو کیا۔ سب ہی مینا کو بے حد یاد کر رہے تھے اور اماں بھی ان سے باتیں کر رہی تھیں۔ شائستہ بیگم کا ڈیپریشن اتنا بڑھا ہوا تھا کہ وہ مینا کی سب سہیلیوں سے مل کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ وہیں پر کسی لڑکی کی زبانی نہاں کا نام سن کر اماں چونک سی گئیں۔ مینا کی کوئی پرانی سہیلی کسی دوسرے کو یہ بتا رہی تھی کہ اس کی چھوٹی بہن کی کلاس فیلو جو بڑی باپردہ تھی مگر بڑی غلط لڑکی تھی اس کی تصویریں دیکھ کر تو اس کے منہ پر تھوکنے کو دل چاہا تھا۔ اماں قصداً اس لڑکی کے پاس پہنچیں اور بولیں۔

''تم لوگ نہاں کے بارے میں باتیں کر رہی ہو ناں؟''

''ہاں اماں، ہم نہاں ریاض کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ اب جو جیسا دکھائی دیتا ہے ویسا ہوتا نہیں ہے۔''

''مگر نہاں واقعی ایک نیک اور باعصمت لڑکی ہے اور کسی نے یہ سب جان بوجھ کر اسے بدنام کرنے کے لیے کیا ہے مجھے بھی معلوم ہوا ہے۔'' اماں نے باوثوق لہجے میں بتایا۔

''نہیں اماں، کسی کو کیا ضرورت ہے جو کسی کو یوں بدنام کرے گا۔ اس شریف زادی کا تو کئی کئی لڑکوں کے ساتھ چکر تھا۔ اسی وجہ سے تو اسے کالج تک سے نکال دیا گیا۔''

''نہیں، بیٹا میں اس گھرانے کو جانتی ہوں۔ یہ سب کسی نے اپنے جنونی انتقام کے لیے کیا ہے۔'' اماں نے رازدارانہ لہجے میں بتایا۔

''اگر ایسا تھا تو ان کو مار دیا جاتا...... یہ تو اس لڑکی رنگیلی کہانیاں تھیں جو لوگوں سے چھپی ہوئی تھیں اور کسی نے ان کو اس لیے ظاہر کیا ہے کہ دیگر لڑکیاں ایسی لڑکی سے بچ کر رہیں۔'' اماں اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گئیں۔ ان کی کسی بھی بات سے کوئی بھی لڑکی اتفاق ہی نہیں کر رہی تھی۔

''سرفراز تم نے بالکل اچھا نہیں کیا۔ اپنی لڑکی کا صدمہ تم نے یوں سہا کہ کسی دوسرے کی بیٹی کو جیتے جی مار دیا۔ تم نے اچھا نہیں کیا، بیٹے۔ بالکل اچھا نہیں کیا۔''

☆☆☆

''شاہد کہاں ہے۔ کب سے آفس نہیں جا رہا ہے وہ؟'' سرفراز صاحب دہاڑتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ ''آج دس کروڑ کی مالیت کے سامان کی پے منٹ اس منیجر نے دبئی میں لے لی جس کو ہم نے نکال دیا تھا۔''

''اس منیجر کے بارے میں اخبارات میں اشتہار کیوں نہیں دیا گیا تھا اور کمپنیز کو آگاہ کیوں نہیں کیا گیا۔ شاہد کا بخار ہی اس کی جان نہیں چھوڑ رہا۔ وہ بے چارہ کیا۔ کیا دیکھے گا۔'' شائستہ بیگم نے کمزور سا احتجاج کیا۔

''ہاں اگر وہ گھر میں سونے میں وقت گزارے گا تو ایک دن سب بزنس ٹھپ ہو جائے گا۔ اب تو جس کو نہ دیکھو وہ کام کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ اٹھاؤ شاہد کو اور اس سے کہو کہ فوراً دبئی جائے اور اس عزیز کو جا کر پکڑے۔ جو صرف اپنے نام کا عزیز ہے اور دوسروں کے لیے دشمن بنا ہوا ہے۔'' شائستہ بیگم جس تیزی سے بیٹے کے کمرے میں گئی تھیں اس سے کہیں زیادہ سرعت سے واپس آ کر وہ بولیں۔

''وہ کہہ رہا ہے کہ اس سے اٹھا ہی نہیں جا رہا۔''

''کیا اب بھی اسے بخار ہے؟'' اماں نے پوچھا۔

''نہیں، بخار تو نہیں ہے مگر اس کی ایسی ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ وہ آج ہی دبئی جائے۔ آپ اپنے آفس کے کسی با اختیار ڈائریکٹر کو کیوں نہیں بھیج دیتے۔''

''وہ تو میں بھیج ہی دوں گا مگر شاہد پر جو کاہلی سوار ہے اس سے کہو کہ باز آ جائے ورنہ میں اس سے بھی سختی سے پیش آؤں گا۔'' سرفراز صاحب اپنے موبائل کے نمبر پش کرتے ہوئے بولے اور شائستہ بیگم چپ چاپ کمرے سے باہر چلی گئیں۔ سرفراز صاحب کے چیخنے چلانے

سے نہ صرف انہیں گھبراہٹ ہوتی تھی بلکہ ان کا بلڈ پریشر بھی بڑھ جایا کرتا تھا۔

☆☆☆

ریاض صاحب، ان کی بیگم اور نہاں اپنے گھر میں مقید ہو کر رہ گئے تھے۔ رات ہوتی تب بھی ان کے کمرے میں لائٹ روشن نہیں ہوتی تھی کہ نہ وہ کہیں جا رہے تھے اور نہ ہی ان کے ہاں کوئی آ رہا تھا۔ اگر کوئی بھولے بھٹکے ان کے ہاں آ جاتا تو وہ اسے دروازے سے ہی فارغ کر دیتے۔

پاس پڑوس سے بھی انہوں نے اپنا ناتا جیسے منقطع کر لیا تھا۔ دن ہو یا رات وہ تینوں جائے نماز پر بیٹھے ہاتھ پھیلائے روتے رہتے بعض دفعہ تو ان کے لبوں سے بھی کوئی لفظ ادا نہیں ہوتا اور پھیلے ہوئے ہاتھوں پر آنسو گرتے رہتے۔

☆☆☆

''کہاں ہے شاہد؟'' سرفراز صاحب آفس سے آ کر چیخ رہے تھے۔

''ابھی باہر گیا ہے بلکہ اس کے دوست آئے تھے وہی اس کو لے کر باہر گئے ہیں۔'' شائستہ بیگم نے دھیمے سے لہجے میں بتایا۔

''بے حد بے پرواہ ہو رہا ہے وہ، ذرا خیال نہیں رہا ہے اسے کسی بات کا بھی۔'' ان کی ناراضی ان کے چہرے پر جیسے تحریر تھی۔

''ہوا کیا ہے آخر؟'' انہوں نے حیرت سے شوہر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اس کا دستخط کیا ہوا چیک واپس آ گیا ہے۔''

''مگر کیوں؟''

''بینک کے منیجر نے کہا ہے کہ شاہد کے دستخط اس کے دستخط سے نہیں مل رہے ہیں۔''

''مگر یہ بات منیجر نے کیوں کہی؟'' شائستہ بیگم کو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ سرفراز صاحب آخر کیا کہنا چاہتے ہیں۔

''آپ کا لاڈلا سپوت حد سے زیادہ بے پروا ہوتا جا رہا ہے چیک بکس پر سائن بھی اس طرح کر رہا ہے کہ وہ اس کے اپنے دستخطوں سے نہیں مل رہے ہیں۔''

''اس ہفتے بخار بھی تو کتنا رہا ہے اس کو پھر بھی وہ آفس چلا گیا تھا۔ یہ بینک والے تو فضول میں رائی کا پہاڑ بنا لیا کرتے ہیں۔'' شائستہ بیگم نے شوہر کا جلال کم کرنے کی سعی کی۔

"ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا ہے۔" وہ چلائے۔

"تو پھر......؟" شائستہ بیگم نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"پچھلے دو مہینوں میں یہ پانچویں مرتبہ ایسا ہوا ہے۔ تین مرتبہ تو موصوف نے مجھے پتا چلنے ہی نہیں دیا مگر اس ماہ دو دفعہ مجھے پتا چلا اور آج بینک منیجر نے خود بتایا کہ شاہد صاحب کو آخر ہوا کیا ہے ہر مرتبہ نئے انداز میں دستخط کر رہے ہیں۔"

"غم کچھ کم پڑے ہیں سر پر سب کا ہی دماغ پھٹا جا رہا ہے۔" دادی نے آ کر اپنے چہیتے پوتے کی طرف داری کی۔

"ہاں اماں، یہ بات تو آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں کہ ہمارے اوپر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ مینا گئی اور پھر دانش بھی چلا گیا اب یہ شاہد ہے تو وہ عجیب لاابالی انداز میں رہ رہا ہے۔ اس کا دل چاہتا ہے تو آفس جاتا ہے ورنہ وہ پلٹ کر یہ تک نہیں دیکھتا کہ ہو کیا رہا ہے۔"

"اس کا دل، دماغ ٹھکانے آئے گا تو وہ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔" اماں نے کہا تو سرفراز احمد ماں کی بات سن کر تائید میں سر ہلانے لگے۔

☆☆☆

"ہونہہ...... بہت بڑے صنعت کار سمجھتے تھے اپنے آپ کو۔ اب دیکھو...... اس سال چار فیکٹریاں تو ان کی بند ہو گئی ہیں۔" مسز حارث نے اخبار پڑھ کر اپنے میاں کے سامنے سرفراز صاحب کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ سب ان کے تکبر کی وجہ سے ہوا ہے۔" حارث صاحب نے اخبار میں فیکٹریز بند کی خبر پڑھ کر تاسف سے کہا۔

"ان کے گھر والوں کی شو بازی کی عادتیں بھی بہت زیادہ تھیں، اپنے سے کم درجے کے لوگوں کے گھر تک نہیں جایا کرتے تھے کہ کہیں ان کی بے عزتی نہ ہو جائے۔ دیکھ لو ایسی باتوں کا انجام بالآخر کیا ہوا کرتا ہے۔ رسی جل گئی ہے مگر بل نہیں گیا ہے۔ میں نے مرینہ کی شادی میں بلانے کے لیے ان کے گھر فون کیا تو ان کی بیگم بولیں میں ان دنوں کسی کی شادی میں شرکت نہیں کر رہی ہوں۔ اب کوئی یوں منہ در منہ تھوڑی منع کیا کرتا ہے۔"

"ان دنوں وہ لوگ واقعی کہیں نہیں جا رہے کہ پریشانیاں ایک کے بعد ایک ان کے گھر آ رہی ہیں۔"

"کسی نے کچھ کروا تو نہیں دیا؟"

"ہاں، ایسا بھی ہو سکتا ہے بلکہ سرفراز صاحب کے چھوٹے بھائی تو برملا یہی کہہ رہے ہیں کہ ان کے گھرانے پر اور ان کے کاروبار پر کسی نے کوئی سفلی عمل کروا دیا ہے۔"

"ارے چھوڑیں بھی سب بیکار کی باتیں ہیں۔ اس نفسانفسی کے دور میں ہر شخص کو صرف اپنی ہی پڑی ہوتی ہے۔ آج کل ہر کوئی اپنے اپنے مسائل میں اتنا پھنسا ہوا ہے اسے کسی دوسرے کی طرف دیکھنے کی فرصت تک نہیں ہے۔ ایسے میں کون ہو گا ایسا جو ان کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسے عمل کروائے گا، میں نہیں مانتی۔" مسز حارث کا لہجہ حتمی سا تھا۔

"تم واقعی نہیں جانتیں۔ ایسے کام آج کل کچھ زیادہ ہی ہو رہے ہیں۔" حارث صاحب کا لہجہ ملال آمیز تھا۔

"مگر فائدہ۔"

"فائدہ، اور نقصان کے بارے میں تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ معاشرتی اقدار کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے لوگوں کے مزاج تبدیل ہو گئے ہیں۔ اب دوسرے کا غم اپنی خوشی لگتی ہے۔ اب وہ وقت نہیں رہا کہ کسی دوسرے کو روتا دیکھ کر اپنے آنسو بھی نکل پڑتے تھے۔ اب کسی دوسرے کے آنسو دیکھ کر لوگوں کے چہرے پر مسکراہٹ طلوع ہوتی ہے۔"

"بھاڑ میں جائیں ایسے لوگ ہم تو ایسے نہیں ہیں۔" مسز حارث نے ان کی بات سن کر برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں سب لوگوں کی بات نہیں کر رہا۔ میں زیادہ تر لوگوں کے بارے میں کہہ رہا ہوں کہ جب دوسرے کا غم اپنی خوشی لگنے لگے تو لوگ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ان کے گرنے کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔"

☆☆☆

"یہ بھی اتفاق ہی تھا...... سرفراز صاحب کو آج ریحان دو دفعہ دکھائی دیا تھا۔ پہلی مرتبہ شاپنگ مال میں وہ اپنے لیے شاید کچھ خریداری کر رہا تھا۔ دوسری مرتبہ اسپتال کی راہداری میں۔ شاپنگ مال میں تو انہوں نے اسے دیکھ کر قصداً نظر انداز کر دیا تھا مگر جب اسے اسپتال میں دیکھا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

"خیریت تو ہے ناں؟"

''میرا ایک دوست ایڈمٹ ہے، اس کو دیکھنے آیا تھا۔'' وہ ہوں کہہ کر آگے بڑھ گئے نگران کا یہ دل چاہا کہ اس سے کم سے کم یہ تو ضرور ہی پوچھ لیں کہ تم کب یہاں ایڈمٹ ہو گے...... یا میں ایسا کون سا طریقہ اپناؤں کہ تم اس اسپتال میں ہمیشہ نظر آؤ...... مگر وہ کچھ بھی تو نہ کہہ سکے۔ نگران کے چہرے کا جغرافیہ ریحان کو دیکھ کر بگڑا تھا۔ ریحان کو یہ احساس تو ضرور ہو گیا تھا کہ ان کے دل میں اس کے لیے سوائے نفرت کے کچھ بھی نہیں اور ظاہر ہے کہ ہو بھی کیسے سکتا تھا...... وہ اپنی مینا کی خودکشی کی وجہ صرف اس کو ہی جان رہے تھے۔ کیسے کیسے لوگ اس دنیا میں ہیں۔ سرفراز صاحب جیسے...... جو اپنے دل میں خوامخواہ ریحان کے لیے نہ صرف نفرت اور غصہ دابے بیٹھے تھے بلکہ اسے پال پوس بھی رہے تھے۔ اور ایسے بھی لوگ تھے...... جنہوں نے نہاں کو نہ جانے کس بات کی سزا دی تھی...... کہ اسے ہر طرف عریاں کر دیا تھا...... یہی وجہ تھی کہ وہ جب بھی انٹرنیٹ استعمال کرتا...... تو اس کے ذہن میں یوٹیوب میں دالی گئیں نہاں کی ڈالی پکچرز گھوم جاتیں اور اس کا سر چکرا سا جاتا۔

نہاں کے کالج کی پرنسپل سے ملنے کے بعد وہ اپنی فیس بک پر خواتین کے احترام کے لیے مستند احادیث کورٹ کرنے لگا تھا کہ سچی بات یہی تھی کہ اسے بے حد دکھ پہنچا تھا۔ ایسا کیوں ہوا تھا...... ایسا کس نے کیا تھا...... اور کیوں کیا تھا؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ ایک اجنبی لڑکی، جس نے نظر اٹھا کر کبھی اسے دیکھا تک نہیں تھا...... کبھی اس سے بات جی بھر کر نہیں کی تھی...... بلکہ اس نے تو اس کی بات توجہ سے سنی تک نہیں تھی۔ اس کے لیے وہ اپنے دل میں کیوں ایک کسک سی محسوس کر رہا تھا۔ کس ناتے اسے یہ سب بے حد برا لگ رہا تھا؟ اور کس لیے؟ اس کا دل یوں بے چین ہو رہا تھا کہ اس کے چہرے پر لگی کیچڑ کو وہ کسی طرح بھی صاف کر دے۔

اپنا تجزیہ...... بارہا اس نے خود بھی کیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ چونکہ وہ کسی کے لیے بھی منفی احساسات نہیں رکھتا تھا، اس لیے یہ سب اسے بالکل اچھا نہیں لگا تھا بلکہ اسے ایک تکلیف سی پہنچی تھی...... نہاں کے بجائے اگر کوئی دوسری لڑکی بھی ہوتی تو شاید اس کے احساسات یہی ہوتے۔

☆☆☆

ایسا ڈاکہ، جس کی نظیر بھی کہیں نہیں ملتی تھی۔ گھر میں مقیم چوکیدار اور گارڈز کو کوئی نشہ آور دوا کسی مشروب میں دے کر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ سرونٹ کوارٹرز کے بیرونی دروازے پر

تالے ڈال دیے گئے تھے...... اور اسلحے کے زور پر ڈاکو دندناتے ہوئے ان کے گھر میں گھسے اور تمام نقدی، زیورات وہ ٹرک میں بھر کر لے گئے تھے۔ سرفراز صاحب نے اپنا گھر لٹتا دیکھ کر جلی کٹی سنائیں تو انہوں نے اتنے ڈنڈے برسائے کہ ان کی ٹانگوں کی تو کیا گھٹنے تک کی ہڈیاں سرمہ بن گئیں۔

ڈاکے کا نقصان جو ہوا تھا سو ہوا تھا مگر سرفراز احمد تکلیف دہ آپریشن سے گزر کے بھی وہیل چیئر پر آ گئے تھے۔ ٹانگ کی ہڈیاں اتنی زیادہ ٹوٹ گئی تھیں کہ اس میں راڈ تک نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔ شائستہ بیگم یہ سب دیکھ کر بولا سی گئیں۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے...... ہر آنے والا دن گھر کے لیے ایک نئی پریشانی لے کر آ رہا ہے؟'' انہوں نے اپنی ساس سے کہا۔

''مجھے تو لگتا ہے کسی نے ہمارے گھرانے پر یقیناً کچھ ایسا کروا دیا ہے جس سے مال اور جان دونوں کو ہی نقصان پہنچ رہا تھا۔'' سرفراز صاحب جب سے وہیل چیئر کے ہو کر رہ گئے تھے ان کے جلال میں مزید اضافہ ہی ہوا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے گالیاں دیتے رہتے تھے یا ان ڈاکوؤں کو کوسنے دیا کرتے تھے جن کی وجہ سے وہ ٹانگوں سے مفلوج ہو گئے تھے۔ ان کا اشتعال گھر کے نوکروں پر بھی بڑھ گیا تھا۔

شاہد...... بیمار تھا یا آرام طلب زیادہ ہو گیا تھا۔ وہ کھانا کھانے کے لیے بھی ڈائننگ روم میں نہیں آ رہا تھا۔ ناشتے سے کھانا تک وہ اپنے کمرے میں ہی منگوا لیا کرتا تھا۔

''ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے، کسی دشمن نے یقیناً کچھ ایسا کروا دیا ہے...... جس سے پریشانیوں نے پیچھا لے لیا ہے۔'' ساس نے بہو کی بات سن کر تائید کی۔

''یقیناً ان کے بزنس کے حریف ہی ہوں گے۔''

''وہ بھی ہو سکتے ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگ ہو سکتے ہیں۔''

''کیوں ہو سکتے ہیں ہم نے کسی کا بھلا کیا بگاڑا ہے۔'' ''بڑے لوگوں کے دشمن تو ان کی جان کے ساتھ لگے ہوتے ہیں اور یقیناً ایسا ہی کسی نے کچھ کروا دیا ہے...... جو میرا یہ گھر تباہ و برباد ہو رہا ہے۔'' دادی نے گلوگیر سے لہجے میں کہا۔ ''میں کل ہی کسی اچھے سے بابے کے پاس جاتی ہوں، وہ مجھے بتائے گا کہ ہوا کیا ہے......؟''

''بابے...... اچھے کہاں ہیں......؟'' بہو نے کہا۔

"کیوں نہیں ہیں...... بالکل ہیں، اکثر لوگوں کے کام جو اٹکے ہوئے ہوتے ہیں وہ کیسے ہو جاتے ہیں۔"

"ایسے لوگ اگر کسی کے پاس نہ بھی جائیں تب بھی ان کے کام ہو جائیں گے۔ خوانخواہ...... بے وقوف لوگ...... بابوں کو کریڈٹ دے دیا کرتے ہیں۔"

"میں تو ضرور ڈھونڈوں گی...... کسی نیک بزرگ کو، جو مجھے یہ بتا دے کہ میرے گھر پر یہ پریشانیوں کی برسات کیوں ہو رہی ہے۔"

☆☆☆

دادی کا پروگرام ہی تلپٹ سا ہو گیا کہ شاہد کی طبیعت ایسی تیزی سے بگڑی کہ سمجھ ہی نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے...... اس کے ہاتھوں نے یکدم کام کرنا ہی چھوڑ دیا۔ پہلے تو ہاتھوں کی حرکت متاثر ہوئی تھی، دستخطوں میں فرق آیا تھا پھر ڈرائیونگ کرنا مشکل لگا۔ وہ تو گھر میں ڈرائیوروں کی فوج تھی یہ پریشانی کبھی پریشانی ہی نہیں لگی مگر جب ایک ساتھ دونوں ہاتھ...... جیسے پتھر کے ہو گئے تو شائستہ بیگم تڑپ ہی اٹھیں۔

"تین بچوں میں ایک بچہ ہی تو بچا تھا...... تو وہ بھی معذور ہو گیا۔" ان کا تو خیال تھا کہ شاید اس کو فالج ہوا ہے مگر جب ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے اس کا معائنہ کیا...... تو انہوں نے بتایا کہ یہ ایسی بیماری ہے جس میں رفتہ رفتہ تمام اعضا اپنا کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

"اف ہرا بھرا...... گلستان جیسا گھر...... کسی صحرا میں تبدیل ہو گیا تھا۔" وہ شخص...... جس نے بدلے کی آگ میں ایک بے گناہ خاندان کو عذاب میں ڈالا تھا وہ خود اس سے دس گنا عذاب میں گرفتار ہو گیا تھا۔ ان کے گھر کھانا پکتا تو ضرور تھا مگر اسے کوئی کھاتا نہیں تھا۔

"اب کس عضو نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔" شائستہ بیگم تو سائیکی سی ہو گئی تھیں...... اور دن میں پچاس مرتبہ جا کر شاہد کو دیکھ کر پوچھا کرتی تھیں۔ سرفراز صاحب نوکروں کے رحم و کرم پر تھے۔ یا تو وہیل چیئر پر بیٹھے گالیاں دیتے رہتے یا پھر اپنے بیڈ پر لیٹے سوتے رہتے۔ مسکن ادویات کے زیر اثر...... نیند کا غلبہ حاوی رہتا تھا۔ بچی کچھی صرف ایک فیکٹری رہ گئی تھی...... جسے ملازم دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے اور کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔

☆☆☆

ریحان اپنے دوست کو دیکھ کر اسپیشل وارڈ سے باہر نکلا...... وہ اسپتال کی راہداری

نیچی نظریں کیے طے کر رہا تھا کہ اچانک وہ کسی خاتون سے ٹکرایا۔ اس سے قبل کہ وہ نیچے گر جائیں، اس نے سرعت سے انہیں اپنے بازوؤں سے سنبھال لیا۔

"سوری آنٹی، غلطی میری تھی۔" ریحان نادم سے لہجے میں بولا۔

"نہیں بیٹا...... غلطیاں شاید ہم نے ہی کی ہیں جس کی سزا ہمیں مل رہی ہے۔" وہ دھیمے سے لہجے میں بولی تھیں۔ انداز...... خود کلامی جیسا تھا...... مگر ریحان نے ان کا ایک ایک لفظ بخوبی سن لیا تھا۔ ریحان نے پہلی مرتبہ انہیں چونک کر دیکھا۔ شکل جانی پہچانی سی لگی مگر اسے یہ یاد نہیں آیا کہ انہیں دیکھا کہاں ہے۔ اس اثنا میں وہ تیزی سے آگے بڑھ گئیں۔ ریحان نے نہ چاہتے ہوئے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا کہ وہ کہاں گئی ہیں تو اسے وہ نظر ہی نہیں آئیں۔

"پتا نہیں کون تھیں اور کدھر مڑ گئیں۔" اسے حیرت سی تھی۔ "مگر مجھے ایسا ضرور لگ رہا ہے کہ اس سے پہلے میں نے انہیں کہیں دیکھا ضرور ہے۔" کہاں دیکھا ہے یہ وہ جان ہی نہیں پا رہا تھا۔

"ہوں گی کوئی۔" اس نے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ ایک جیسی شکل صورت کے بہت سے لوگ ہوتے ہیں مگر ان کی آواز اور آواز میں چھپا درد اس کے دل کو ہلا سا گیا تھا مگر یہ چند لمحوں کی بات تھی گھر جا کر وہ ان کو بھول گیا۔

دو چار روز کے بعد اس کا پھر اسپتال جانا ہوا۔ اس کا دوست نہ صرف اس کا پڑوسی تھا بلکہ وہ اس کے بچپن کا ساتھی بھی تھا۔ دونوں نے ایک ساتھ ہی اسکول کالج سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان دنوں وہ ڈینگی وائرس کا شکار تھا جسے دیکھنے وہ ہر دوسرے دن اسپتال جا رہا تھا۔ ان ہی خاتون کو برابر کے کمرے سے نکلتے دیکھ کر اسے تعجب سا ہوا۔ دوست کی والدہ سے کہا کہ پڑوس کے کمرے کی خاتون پتا نہیں کیوں جانی پہچانی سی لگی ہیں۔

"یہ اپنی بیٹی کے ساتھ ہیں، ان کی جوان بیٹی ڈپریشن کی مریضہ ہے۔ ایسی کم عمر اور خوب صورت لڑکی کو اس مرض میں گرفتار دیکھ کر مجھے تو صدمہ سا ہوا۔" دوست کی والدہ نے بتایا۔

"سنیں...... ڈیوٹی ڈاکٹر کو جلد بلائیں نہاں کو پھر دورہ سا پڑا ہے۔" خاتون کی آواز سنائی دی تو وہ بے اختیار بھاگتا ہوا ڈاکٹرز کے روم تک چلا گیا اور جب ان کے ساتھ وہ اپنے دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے کمرے کے دروازے پر کھڑا ہوا تو وہ دشمن جاں بستر پر یوں ساکت لیٹی نظر آئی جیسے اس کے جسم کا سارا خون نکال لیا گیا ہو۔ اس کے چہرے پر دکھ اور

تکلیف کے تاثرات تھے۔ماں کے ساتھ ڈاکٹر کھڑی اسے چیک کر رہی تھی۔وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔اس سے اس کے دل کی یہ حالت تھی کہ دکھ اور کرب نے اسے جیسے جکڑ سا لیا ہو۔

''نہاں ایسی حالت تک پہنچ گئی ہے۔'' اس نے اپنا سر جیسے تھام سا لیا۔''ایک ناکردہ گناہ کی سزا ایک معصوم لڑکی سے اس کی زندگی تک چھین رہی ہے۔'' ڈیوٹی ڈاکٹر سے وہ نہاں کی خیریت دریافت کرنے پہنچا تو وہ اسے ان کا فیملی ممبر جان کر بتاتے ہوئے بولیں۔

''یہ لڑکی اب تک زندہ ہے ہمیں اس پر بڑی حیرت ہے ورنہ اس نے جتنی ذہنی اذیتیں سہی ہیں اس میں اس کا برین ہیمبرج ہونا یقینی تھا اور توان لوگوں کے مالی حالات بھی ایسے ہیں کہ وہ اسے گھر لے جانے پر تیار ہیں۔''

''اگر میں اس کے علاج کا خرچہ آپ کو پیشگی دے دوں تو کیا آپ انہیں اپنے اسپتال میں روک پائیں گی؟''

''بے حد خوددار لوگ ہیں۔مجھے نہیں معلوم کہ وہ آپ کا احسان لینا پسند بھی کریں گے یا نہیں......''

''آپ انہیں ہرگز یہ نہیں بتائیں گے کہ ان کے میڈیکل کا بل میں ادا کروں گا۔'' ریحان نے دل گرفتہ سے لہجے میں کہا۔

''آپ کا تعلق یقیناً ان کے عزیز واقارب میں سے ہوگا۔'' ڈاکٹر ریحان پر ستائش بھری نگاہ ڈال کر بولی۔

''جی۔'' اس سے مختصر جواب شاید ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

''آج کل تو لوگ اپنے نام کی خاطر لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور جہاں نام غائب ہو جائے وہاں وہ مدد سے بھی ہاتھ کھینچ لیا کرتے ہیں۔''

''مجھے اس قسم کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' وہ اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

''تو کیا میں ریاض صاحب کو یہ بات بتا دوں کہ اب ان کو مریضہ کو اسپتال سے لے جانے کی ضرورت نہیں۔ان کی بیٹی کا علاج مفت ہو جائے گا۔''

''جی آپ کہہ دیجئے اور مجھے بتا دیں کہ میں آپ کو فی الفور کتنے پیسے ادا کروں۔'' جیب سے اپنی چیک بک نکالتے ہوئے ریحان نے پوچھا۔

''فی الوقت آپ ایک لاکھ روپے جمع کروا دیجئے کمی بیشی کی صورت میں آپ سے رابطہ کر لیا جائے گا۔''

''میں روزانہ اسپتال آؤں گا تاوقتیکہ مریضہ یہاں سے رخصت نہ ہو جائے۔''

''ایسے لوگ کم ہوتے ہیں مگر ہوتے ضرور ہیں۔'' ڈاکٹر شاہ جو اس اسپتال کی آنر بھی تھیں نے ریحان سے کہا مگر ریحان کو تو ان کی کوئی بات سنائی ہی نہیں دے رہی تھی۔وہ کمرے کے باہر وزیٹرز روم کے صوفے پر بیٹھ گیا، یہ ایسی جگہ تھی جہاں سے کمرے پر پوری نظر رکھی جا سکتی تھی۔اسے یہ بھی معلوم ہو سکتا تھا کہ کون اس کو دیکھنے کے لیے آ رہا ہے اور کس وقت ڈاکٹر اس کے چیک اپ کے لیے جائیں گی۔

دوسرا دن تھا جب وہ اپنے آفس کے وقت سے یہاں آ کر بیٹھ گیا تھا اور گھر جانے کے ٹائم پر وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔وہ ایسا کیوں کر رہا تھا یہ، نہ اسے معلوم تھا اور نہ ہی اس بارے میں وہ کچھ جانتا تھا۔وہ تو کسی معمول کی طرح آ رہا تھا اور وقت مقررہ پر جا رہا تھا۔دماغ کیا کہہ رہا تھا اس سے وہ قطعی لاعلم ہو چکا تھا۔یا دماغ کی کوئی بات اسے سنائی ہی نہیں دے رہی تھی۔وہ ان دنوں صرف اپنے دل کا کہا مان رہا تھا۔اس کا دل جو کہہ رہا تھا وہ وہی کر رہا تھا اور اس کے لب نہاں کی صحت اور زندگی کے لیے دعا گو تھے۔

''نہاں کی والدہ کا گھر سے فون آیا ہے، ریاض صاحب کے اچانک پیر میں چوٹ لگ جانے کے باعث آج وہ اسپتال نہیں آ پائیں گے۔آپ چونکہ ان کے عزیز ہیں تو پلیز آپ ہی جا کر انہیں کھانا کھلا دیں۔انہوں نے تو ایسا کرنے کے لیے کسی نرس کو کہا ہے مگر میں سمجھتی ہوں کہ عزیز واقارب کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔'' تیسرے دن ڈاکٹر شاہ نے اس سے کہا۔

''جی ضرور۔'' ریحان نے سنبھل کر کہا۔''نہاں کو کھانے میں کسی پرہیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔'' ریحان نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''نہاں ہر چیز کھا سکتی ہے، خدانخواستہ اسے کوئی جسمانی بیماری تھوڑی لاحق ہے۔''

ریحان جب کھانا لے کر اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ پیٹھ موڑے دیوار کی جانب دیکھ رہی تھی۔اسے یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ کوئی اس کے کمرے میں کھانے کی ٹرے لیے کھڑا ہے۔

''مس، مجھے ڈاکٹر شاہ نے آپ کا کھانا دے کر بھیجا ہے۔'' ریحان نے دھیمے سے لہجے میں کہا مگر لہجے میں محبت کی شیرینی گھلی ہوئی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے، واپس لے جاؤ۔" پیٹھ موڑے موڑے کہا گیا۔

"سوری، یہ نہیں ہوسکتا۔" ریحان کا لہجہ وثوق بھرا تھا۔

"میں نے کہا ہے ناں، میں نے نہیں کھانا۔" نہاں نے اس کی جانب کروٹ بدلی اسے دیکھا اور قدرے حیرانی سے بولی۔ "آپ کون ہیں؟"

"مجھے ڈاکٹر شاہ نے بھیجا ہے، آپ کو کھانا کھلانے کے لیے۔"

"اوہ......اس اسپتال میں کام کرتے ہیں؟"

"میرا کام یہ ہے کہ آپ کھانا ضرور کھائیں گی۔ ورنہ انجکشن اور ٹیبلٹس کوئی اثر نہیں کریں گی۔"

"میں گولیاں کھا کھا کر تھک چکی ہوں اب کچھ کھایا نہیں جاتا۔" وہ شکوے بھرے لہجے میں بولی۔

"اگر مریض باقاعدگی سے کھانا لینا شروع ہوجائے تو اس کی ادویات رفتہ رفتہ ختم کر دی جاتی ہیں۔" ریحان کسی پیشہ ور ڈاکٹر کی طرح بولا۔

"جب میں جینا ہی نہیں چاہتی تو مجھے کیوں بچالیا گیا، مر جانے دیا ہوتا مجھے۔" وہ اتنے دھیمے لہجے میں بول رہی تھی جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہو۔

"اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو، اللہ آپ کے والدین کی خوشیوں کو سلامت رکھے جن کی واحد خوشی صرف آپ ہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب! آپ میرے امی ابو سے ملے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں، جب میری ڈیوٹی ہوتی ہے تو ان سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ آپ کے امی ابو بہت اچھے ہیں بلکہ اتنے اچھے ہیں کہ ایسے والدین تو خوش قسمت اولاد کو ملا کرتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، ڈاکٹر شاہ بھی یہی کہتی ہیں۔"

"آپ یہی چاہیں گی کہ آپ کے طفیل ان کو خوشیاں ملیں۔"

"ہاں۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"تو آپ یہ کھانا کھالیجئے۔ آپ کی ذات سے ہر بات ان کے لیے خوشی کا درجہ رکھتی ہے۔" نہاں نے ایک لقمہ توڑ کر اپنے منہ میں رکھا۔ دوسرا نوالہ منہ میں لیا۔

"شاباش! آپ تو بہت اچھی ہیں۔" ریحان نے کہا۔ تیسرا لقمہ جو وہ اپنے منہ میں

لے جانے والی تھی اس کے منہ میں جانے سے پہلے ہی اس کے لرزتے ہوئے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے ریحان کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں، میں تو بالکل بھی اچھی نہیں ہوں۔ میں تو بہت بری لڑکی ہوں۔ اتنی بری جس کو کالج سے نکال دیا گیا۔ ایسی خراب جس نے اپنے والدین کے چہرے پر کالک مل دی......" پھر اس کی سانس تیزی سے چلنا شروع ہوگئی، ہاتھ پیر مڑنے لگے۔ اس سے قبل ریحان اسے دیکھتا یا اسے کچھ کہتا نہاں پر دورہ پڑ چکا تھا اور وہ ہوش کی دنیا سے دور بے ہوشی کی چادر اوڑھ چکی تھی۔

"ڈاکٹر شاہ جلدی سے آئیں۔" ریحان چلاتا ہوا باہر بھاگا اور ڈاکٹر شاہ کیساتھ ان کی نرس بھی بھاگتے ہوئے نہاں کے روم میں داخل ہوگئیں۔

☆☆☆

"کیا بات ہے بیٹا، طبیعت تو تمہاری ٹھیک ہے یا نہیں؟ صبح برائے نام ناشتا کر کے جو جاتے ہو تو دن میں ایک بار بھی فون نہیں کرتے۔ اگر مجھے کسی کام سے تم سے رابطہ کرنا پڑ جائے تو تمہارا موبائل مستقل بند ہوتا ہے۔ رات کو جب گھر آتے ہو تو چند نوالے کھا کر اپنے کمرے میں گھس جاتے ہو؟" ریحان کی امی اس سے شکایت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"امی ان دنوں آفس میں کام زیادہ ہے اس میں لگا ہوا ہوں، گھر آکر بھی لیپ ٹاپ پر کام کرتا رہتا ہوں۔ آفس کے کام سے فراغت ہو تو کسی دوسری جانب دیکھوں۔" ریحان نے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا۔

"بیٹا اتنا کام کرو گے تو بیمار ہوجاؤ گے۔ اپنے آپ کو بھی تو دیکھو، اپنے لیے بھی کچھ وقت نکالو۔ آفس کی مصروفیات میں لگے رہو گے تو ہر طرف سے کٹ کر رہ جاؤ گے۔" ساجدہ بیگم بیٹے سے پیار بھری ڈانٹ سے بولیں تو ریحان نے اپنا سر جھکا لیا اور دل میں سوچنے لگا ان دنوں وہ صرف اپنا ہی تو خیال رکھ رہا تھا۔ وہ تو پہلے نہاں سے کٹا ہوا تھا کہ جانتے ہوئے بھی اسے جان نہ پایا تھا اور جب سے وہ اسپتال جانا شروع ہوا تھا تو اسے معلوم ہوا تھا کہ یہ نہاں ہی تھی جو پہلے دن سے اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی۔

جب اس نے پہلی مرتبہ اسے لفٹ دی تھی اس کا وہ رومال جو کہ گاڑی میں چھوڑ گئی تھی آج تک اس کی سیف میں موجود تھا۔ کتنی ہی بار غیر ضروری چیزوں کو اس نے اپنی لماری

سے نکال باہر کیا تھا مگر ہر مرتبہ وہ رومال دوبارہ اپنے سیف میں رکھ لیا کرتا تھا اور اس کیوں کا مطلب بھی وہ نہیں جانتا تھا۔ یا پھر وہ اسکارف جو وہ لیتے لیتے رہ گئی تھی اور شاپ سے باہر چلی گئی تھی، وہ بھی تو اس کی الماری میں یوں محفوظ تھے جیسے اس کو استعمال کرنے والی نے وہیں آنا ہو۔

وہ ساتواں دن تھا ریحان نہاں کے کمرے کے باہر صوفے پر بیٹھا تھا۔ نہاں کی والدہ اس کے کمرے میں تھیں۔ نہاں کی طبیعت میں خاصا افاقہ تھا آج وہ چہل قدمی کے لیے بھی کمرے سے باہر نکلی تھی اور ریحان اس کو دیکھ کر سرشار ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ اپنے صوفے پر بیٹھا سوچوں میں گمن تھا۔ جب ڈاکٹر شاہ اس کے برابر آ کر بیٹھیں اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''مسٹر ریحان احمد، کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے نہاں سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟'' اس اچانک حملے کے لیے ریحان تیار نہیں تھا، وہ گڑبڑا کر مسز شاہ کو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

''میری بات کا جواب تو دو۔''

''کیا دوں؟'' وہ بے چارگی سے بولا۔

''نہاں تمہیں پسند ہے؟'' مسز شاہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''جی۔'' وہ دھیمے سے بولا۔

''کب سے؟''

''جب اسے پہلی مرتبہ آج سے تین سال پہلے دیکھا تھا جب سے ہی...... مگر مجھے اندازہ نہیں ہوا تھا۔''

''بہت محبت کرتے ہو اس سے؟''

''ہاں بے حد...... اور چاہت بھی اتنی کہ جتنا کہ میرے جسم میں خون رواں ہے۔ اس جتنی اہم ہے میرے لیے وہ۔''

''یہ بھی جانتے ہو کہ اس کے ساتھ کیا، کیا ہوا ہے؟''

''ہاں، یہ سب بہتان ہے اس پر بیتی ہوئی ہر تکلیف سے آگاہ ہوں۔ میں اس کی سچائی کا گواہ ہوں۔''

''ریاض صاحب کی مالی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے، کیا تمہارے گھر والے ایسے

گھرانے کی لڑکی کو بطور بہو قبول کر سکتے ہیں؟''

''بالکل کر سکتے ہیں۔'' ریحان کا لہجہ آہنی سا تھا۔

''تو پھر تم ہی وہ شخص ہو گے جو نہاں کو زندگی کی جانب دوبارہ لاؤ گے۔ اسکا اعتبار بالکل ختم ہو گیا ہے، تمہیں اس کا ریزہ ریزہ ہوتا ہوا بھروسہ جوڑنا ہو گا۔''

''ڈاکٹر صاحب، میں ایسا ضرور کروں گا۔''

''بیٹا میرا یہ تجربہ ہے کہ ہر مریض کی صحت یابی میں ففٹی پرسنٹ اس کی امید کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جن مریضوں کی امیدیں دم توڑ دیتی ہیں ان کو ادویات بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا پاتیں اس لیے تمہیں نہاں میں ول پاور کو پیدا کرنا ہو گا۔''

''مگر میں ایسا کیوں کر کر سکوں گا۔ آپ جانتی ہیں کہ نہاں اور اس کا گھرانہ کتنا محتاط گھرانہ ہے اور ایسے میں بھی کہ ان کا اعتبار پارہ پارہ کیا گیا ہے۔''

''یہ میں تمہیں خود بتاؤں گی کہ تمہیں کرنا کیا ہو گا۔'' مسز شاہ نے اس کی پشت پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''تمہاری آنکھوں اور تمہارے محبت بھرے رویے نے ہی مجھے بتا دیا تھا کہ تم نہاں کے لیے اپنے دل میں کیا محسوس کر رہے ہو اور تم کیسے ہو۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے۔''

☆☆☆

''پہلے والا بابا تو پچاس ہزار نقد، چار بکرے اور ڈھیر ساری چیزیں نگل گیا اور کہہ دیا ہے کہ سارے رشتے دار آپ کے دشمن ہیں۔ انہوں نے ہی یہ جادو ٹونا کیا ہے کہ آپ لوگ تباہ و برباد ہو جاؤ۔ وہ اس جادو کے توڑ کے لیے پانچ لاکھ مانگ رہا ہے تاکہ ہماری فیملی پر آئی ہوئی یہ نحوست اور پریشانی ختم ہو سکے۔'' دادی نے اپنی بہو کو اپنی یہ ساری روداد سنائی۔

''نہیں اماں، میں نہیں مانتی اور نہ ہی ان بابوں پر یقین رکھتی ہوں اور نہ ہی مزید پانچ لاکھ خرچ کرنے کی خواہش مند ہوں۔''

''اگر پیسے نہیں خرچ کرو گی تو بیٹے کی طبیعت کیسے ٹھیک ہو گی تمہارے۔'' دادی جان نے کہا تو وہ ان کے سامنے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس تھے۔ ایک ہنستا کھیلتا لڑکا کس طرح ایک معذور وجود میں ان کے سامنے پڑا تھا۔ اب وہ جو بول رہا تھا وہ ان کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا۔ ہاں اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تکلیف اور بے چینی سے وہ

ایسی اذیت کا شکار ہوگئی تھیں جس کی تشریح بیان نہیں کی جاسکتی۔

ہر ماں صرف ماں ہی ہوتی ہے وہ کسی کو بھی یہ بتا ہی نہیں سکتی کہ اسے اپنی اولاد سے کتنی اور کس قدر محبت ہے اور اولاد کی تکلیف کوئی بھی ماں نہیں جھیل سکتی۔ بیٹے کی تکلیف اور اذیت کا ہر احساس وہ اپنے جسم میں محسوس کیا کرتیں۔ انہیں ایسا لگتا نہ جانے کتنے نشتر جو آگ پر دہکے ہوئے ہوں وہ ان کے جسم میں بار بار پیوست کیے جا رہے ہوں۔ ایسے میں آنکھوں سے آنسو نہیں ایک برسات جاری ہو جاتی ہے ایسی برسات جو رکنے میں ہی نہیں آتی۔

☆☆☆

ساجدہ بیگم خاندان کی کسی تقریب سے ہو کر آئی تھیں اور سخت پریشان سی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو امڈ امڈ کر آ رہے تھے۔ ان کے میاں جو کسی وجہ سے ان کے ساتھ نہیں گئے تھے وہ انہیں اس طرح دیکھ کر گھبرا سے گئے۔

''کیا طبیعت خراب ہو رہی ہے تمہاری؟'' انہوں نے پوچھا۔

''ہاں، آج ایسی باتیں سن کر آئی ہوں کہ دماغ پھٹا سا جا رہا ہے۔''

''ہوا کیا ہے آخر جو تمہاری حالت اتنی ناگفتہ بہ سی ہو رہی ہے؟'' تب انہوں نے نہاں کی منگنی ختم ہونے، ڈرٹی پکچرز کی وجہ سے اس کے بیمار ہونے کی روداد سنا ڈالی۔

''بے چارے ریاض بھائی کتنی پریشانیاں جھیلتے رہے اور ہمیں پتا تک نہیں چلا۔''

''ان دنوں بھی ان کی بیٹی اسپتال میں ایڈمٹ ہے اور نسرین بھابی کا ایک پیر گھر اور دوسرا اسپتال میں ہے۔''

''آخر ان سے رشتے داری ہے، تم ریحان کے ساتھ جا کر اسے دیکھ آؤ۔''

''ٹھیک ہے، میں جاؤں گی۔''

☆☆☆

''یہ ریحان احمد ہیں۔ جاب تو یہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں کرتے ہیں مگر اچھے نفسیات دان ہیں۔ میں نے ان سے ریکوئسٹ کی ہے کہ نہاں سے بات کر کے اس کے ذہن کے وہ جالے ضرور صاف کریں جو خوف اور ہراس نے اس کے دل و دماغ پر باندھ دیے ہیں۔'' ڈاکٹر شاہ نے ریاض صاحب اور ان کی بیگم سے ریحان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب آپ کے اسپتال میں ایسی کوئی خاتون معالج نہیں ہیں کیا، آپ تو

جانتی ہیں کہ نہاں پردہ کرتی ہے۔'' ریاض صاحب نے کہا۔

''آپ بے فکر رہیے۔ یہ نرس کی موجودگی میں یا آپ کی بیگم کے سامنے ہی انہیں لیکچر دیں گے اور بس، کہ امید افزا باتیں بھی ہر مریض کے لیے بے حد اہمیت رکھتی ہیں اور نہاں کے لیے تو ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ وہ کہیں سائیکی نہ ہو جائے۔'' ریاض صاحب پس و پیش میں پڑ گئے تھے مگر نسرین بیگم نے حامی بھر لی۔

ریحان جب نہاں کے کمرے میں جاتا تو نسرین بیگم بظاہر تو ہاتھ میں کتاب لیے پڑھتی نظر آتیں مگر ان کے کان اسی کی باتوں کی جانب ہوتے۔

''نہاں صاحبہ کبھی آپ نے سورج نکلتے دیکھا ہے کہ رات کی تمام سیاہی کو نگل کر سورج کس طرح نمودار ہوا کرتا ہے۔ ایسی اندھیری راتیں جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیا کرتے، صبح ہوتے ہی وہ غائب ہو جاتی ہیں اور ہمیں ایسا لگتا ہے جیسے اندھیرا کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ یہی مثال زندگی کے زخموں کی ہے ان پر جب کھرنڈ آ جائیں تو ان کو نوچ کر ہمیں ان زخموں کو کبھی تازہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ بھول جانا چاہیے۔ ہر بری بات بھلا دینا ہی عافیت کی نشانی ہوا کرتی ہے۔''

''کیا بھول جانا بہت آسان ہوتا ہے؟'' نہاں نے پوچھا۔

''کیا ہر شخص خود پر ہونے والے ظلم کو فراموش کر سکتا ہے؟''

''کیوں نہیں کر سکتا...... خزاں آنے پر جب درختوں کے سارے پتے جھڑ جاتے ہیں اور بہار کا موسم نئے شگوفے لاتا ہے تو آپ کے خیال میں اس درخت کو اس بات کے لیے افسردہ ہونا چاہیے کہ اس کے سارے پتے جھڑ گئے تھے یا اس بات کے لیے خوش کہ اس پر نئی کونپلیں پھوٹ رہی ہیں، نئے شگوفے آئیں گے۔'' ریحان نے مسکرا کر نہاں سے پوچھا۔

''خوش ہونا چاہیے۔'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر لا کر بولی۔

''بالکل ٹھیک کہا ہے آپ نے۔'' ریحان نے کہا۔ ''اور یہی نظریہ ہمارا زندگی کے ساتھ ہونا چاہیے کہ بری باتوں کو بھول جائیں برے لوگوں کو بھول جائیں اور اچھی باتوں کو یاد رکھیں۔''

''بیٹا تم تو بہت اچھی باتیں کرتے ہو۔'' ایک دن نسرین بیگم نے اس کی باتیں سنتے ہوئے کہا۔

''آنٹی اچھی باتیں پھولوں کی طرح ہوتی ہیں جو ہمیں خوش اور مسحور رکھتی ہیں اور بری باتیں کانٹوں کی طرح ہوتی ہیں جو ہمیں دل گرفتہ اور ڈپریسڈ رکھتی ہیں۔ اس لیے ہم سب کو نہ ایسی باتیں کرنی چاہیے اور نہ ہی سننی چاہیے۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' نہاں نے سنجیدگی سے کہا۔

''جب ہی تو ایسی محفلوں میں جانا برا سمجھا جاتا ہے جہاں دل آزاری کی باتیں کی جائیں یا خلاف شرع، یہ میں نہیں ہمارا دین کہتا ہے۔'' نہاں کا اعتماد دھیرے دھیرے بحال ہو رہا تھا اور مسز شاہ اس کی ذہنی صحت کی جانب سے بھی مطمئن ہو رہی تھیں مگر ایک شام بڑی عجیب سی سچویشن ہو گئی جب ساجدہ بیگم بڑا سا بو کے لے کر نہاں کو دیکھنے اسپتال پہنچیں تو انہیں نرس نے کمرے میں جانے سے روکتے ہوئے کہا۔

''پلیز، آپ کو تھوڑی دیر ٹھہرنا ہو گا۔''

''مگر کیوں؟'' انہوں نے حیرت سے نرس سے کہا۔

''مریضہ کی تھراپی کی جا رہی ہے۔'' ساجدہ بیگم باہر ہی بیٹھ گئیں اور جب تھوڑی دیر بعد ریحان سر جھکائے اس کے کمرے سے باہر نکلا تو وہ حیرت سے اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں۔ اس نے تو انہیں منع کر دیا تھا کہ وہ آفس کی مصروفیات کے باعث ان کے ساتھ کہیں جا نہیں سکے گا اور وہ خود نہاں کے پاس موجود تھا مگر وہ اپنی حیرت کو چھپا کر جب اندر کمرے میں گئیں تو نسرین بیگم، نہاں کو جوس پلا رہی تھیں۔

''ابھی شاید کوئی ڈاکٹر صاحب چیک کر رہے تھے؟'' ساجدہ بیگم نے ہوا میں تیر چلایا۔

''نہیں، ریحان احمد ڈاکٹر نہیں مگر ڈاکٹر شاہ نے انہیں ریکمنڈ اس لیے کیا ہے کہ وہ ایک اچھے نفسیات دان بھی ہیں۔''

''اوہ......'' انہیں ہنسی آتے آتے رہ گئی۔ نہاں کو دیکھ کر اور اس سے باتیں کر کے ساجدہ بیگم کا ذہن اسی گتھی میں الجھا رہا کہ ریحان اس فیملی سے متعارف کس انداز میں ہوا ہے اور کب سے جانتا ہے اور یہ بات اس نے ان کو اب تک کیوں نہیں بتائی اور اس بات کو چھپانے سے اس کا مقصد کیا ہے۔

ساجدہ بیگم ایک تعلیم یافتہ ماں تھیں اور انہوں نے کبھی اپنی مرضی اور پسند اس پر

تھوپنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ خیر قطعی دوسری بات تھی کہ مینا سے ریحان کی منگنی کے بعد وہ ضرور یہ خواہش مند تھیں کہ مینا سے یہ ناتا کسی طرح بھی ختم ہو جائے تو اس میں ریحان کی کوئی ایسی پسند انہیں نظر نہیں آئی تھی کہ وہ مینا کے لیے دیوانہ ہو رہا ہو اور نہ ہی منگنی ٹوٹنے کے بعد وہ کوئی دل گرفتہ سا ہوا تھا مگر آج نہاں کے کمرے سے نکلتے وقت ریحان کا چہرہ جیسے روشن اور مدہوش سا انہوں نے دیکھا تھا۔ ایسا روپ تو اپنے بیٹے کا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ رات کو جب ریحان گھر آیا تو انہوں نے بیٹے سے پوچھا۔

''یہ آفس کی تمہاری مصروفیات کب ختم ہوں گی اب تو تمہاری شکل ہی گھر میں نظر نہیں آتی۔''

''امی یہ تو مجھے خود بھی نہیں معلوم۔'' اس کا لہجہ انہیں کھویا کھویا سا لگا۔

''تمہاری خالہ کی طبیعت کچھ عجیب سی ہو رہی ہے، تم ان کے پاس چکر لگا لینا وہ تمہیں یاد بھی کر رہی ہیں۔'' ساجدہ بیگم نے بیٹے سے کہا کہ وہ اپنی خالہ کے گھر بہت شوق سے اس وجہ سے بھی جاتا تھا کہ ان کے بچے نہیں تھے اور وہ ریحان سے بہت محبت کرتی تھیں۔

''خالہ بی کو کیا ہوا ہے؟'' وہ چونکتے ہوئے بولا۔

''ہوا تو کچھ نہیں مگر آج کل انہیں ہر وقت کی صفائی کا مراق سا ہو گیا ہے، ہاتھ دھوئیں گی تو دھوتی ہی رہیں گی، ڈسٹنگ کریں گی تو کرتی ہی رہیں گی۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔ صفائی کی عادت تو ہر ایک میں ہونی چاہیے۔'' وہ مسکرایا۔

''اس میں پریشان ہونے کی کون سی بات ہے۔''

''نہیں بیٹا، ہر چیز میانہ روی میں صحیح لگتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ شاہانہ کچھ سائیکی سی ہو گئی ہے۔''

''اگر ایسی کوئی بات ہے تو انہیں نفسیات کے کسی ڈاکٹر کو دکھائیں۔''

''تمہاری نظر میں ہے کوئی ایسا؟'' ساجدہ بیگم نے کریدا دیکھوں موصوف کیا فرماتے ہیں کہ خود بھی تو ماہر نفسیات کا روپ دھارے ہوئے ہیں۔

''امی نہ تو میں ڈاکٹر ہوں اور نہ ہی کوئی نفسیات دان مجھے کیا معلوم۔ میں اپنے آفس میں ضیا صاحب سے پوچھ لوں گا۔ ان کی وائف ڈاکٹر ہیں شاید وہ کسی اچھے ڈاکٹر کا نام بتا دیں اور وہ آپ سے خود ہی رابطہ بھی کر لیں گی۔''

"وہ تو میں بھی کسی اچھے اسپتال سے پوچھ سکتی ہوں، میں نے سوچا شاید تمہارے حلقہ احباب میں کوئی ہو۔"

"امی مجھے فرصت کہاں ہے ان دنوں صبح آفس جاتا ہوں تو اس وقت گھر آتا ہوں۔" ریحان نے کہا تو ساجدہ بیگم کچھ کہتے کہتے رک سی گئیں۔

☆☆☆

شائستہ بیگم، وحید صاحب کی بیگم کو اس وجہ سے پسند نہیں کرتی تھیں کہ وہ بزنس کمیٹی میں ان سے کم ہونے کے باوجود اپنی خوش خلقی کی وجہ سے بے حد معروف تھیں۔ وہ تعلیم کے لحاظ سے بھی ان سے بہت آگے تھیں اور شائستگی کے حساب سے بھی۔ حلقہ احباب میں وہ سب کی پسندیدہ ہستی سمجھی جاتی تھیں اور یہی بات شائستہ کو ناپسند تھی۔ اس لیے وہ ان سے قصداً دور رہا کرتی تھیں مگر اب حالات ایسے تھے کہ ان سے رابطہ ضروری تھا سو انہوں نے ان کو ہی فون کیا۔

"کسی نام نہاد بابا کے بجائے کسی ایسے اللہ والے کو آپ ہمارے ہاں لے کر آئیں جو آ کر ہمیں یہ تو بتا دے کہ ہمارے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ پریشانیوں اور آفات نے ہمارا گھر ہی کیوں دیکھ لیا ہے۔" مسز وحید نے اسی وقت حامی بھر لی تھی کہ وہ تھیں ہی ایسی۔ ہر ایک سے محبت کرنے والی اور ان کے کام آنے والی۔

صرف دو دن بعد ہی وہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دین دار شخصیت کو لے کر ان کے ہاں موجود تھیں۔ ذاکر حسین نے نہ صرف ان سے باتیں کیں بلکہ ان کے گھر کے ملازموں سے بھی۔ اگلے دن وہ ان کے فیکٹری گئے اور وہاں موجود لوگوں سے ملے اور انہوں نے ان کے گھر پر ہونے والے پے در پے حادثات اور سانحات کی وجہ بیان کرتے ہوئے نہایت واضح لفظوں میں شائستہ بیگم کو بتا دیا کہ آپ کے گھر پر کسی کی بددعا کا اثر ہے اور بس۔

"نہیں، نہیں یہ جادو ٹونا ہے، سفلی کا علم ہے۔ کسی دشمن نے کالا علم بھی کروایا ہے ہم لوگوں پر۔" دادی جان نے ان کی بات اچک کر بولنا شروع کر دیا۔

"ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے، کسی نے کچھ نہیں کرایا ہے۔ صرف اور صرف بددعائیں ہیں جو آپ لوگوں کو کھاتی چلی جا رہی ہیں۔"

"کیسی بات کر رہے ہیں آپ۔ آج کل تو کسی کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی ہے؟

بددعاؤں کی بھلا اوقات ہی کیا ہے اور یوں بھی کوؤں کے کوسنوں سے کوئی ڈھور تھوڑی مرا کرتے ہیں۔" شائستہ بیگم نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"بہن صاحبہ میں آپ کے خیال سے بالکل متفق نہیں ہوں۔ وہ دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جو دل سے مانگی جائیں اور دعا قبول کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ وہی قادر مطلق ہے جو ہم سب کی دعائیں قبول کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مظلوم کی بددعا بھی تیر سے زیادہ تیزی سے جاتی ہے اور عرش کا پردہ ہلا دیتی ہے اور اس سے زیادہ مہلک دنیا کا کوئی ہتھیار نہیں ہو سکتا ہے اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ ہمیشہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔" ذاکر حسین نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تو ہم خود ہی مظلوم بنے ہوئے ہیں اور ہماری بددعا تو کیا دعا تک قبول نہیں ہو رہی ہے۔" شائستہ بیگم کا لہجہ پریشانی سے حزیں تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ مظلوم کا چولا پہننے سے پہلے آپ کے گھرانے نے ظالم کا کردار بھی ادا کیا ہو؟"

"نہیں جناب ہماری فیکٹریز کی وجہ سے تو لوگوں کو روزگار مل رہے تھے مگر پھر بھی لوگوں نے ہمیں ہی نقصان پہنچائے۔ میری بیٹی لوگوں کے غلط رویوں کی وجہ سے اپنی جان سے گئی۔"

"ایک منٹ۔" علامہ ذاکر نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ "میں صرف یہ پوچھنا چاہوں گا کہ آپ کی فیملی کی جانب سے کسی کے اوپر کوئی ایسا ظلم ہوا جس کی جتنی مزمت کی جائے وہ کم ہے؟"

"نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے، ہم تو لاکھوں روپوں کی تو صرف زکوٰۃ دیتے ہیں۔ بھوکے ننگوں کو ڈھیروں سامان پہنچاتے ہیں کتنے ہی لوگوں کا ہم نے ماہانہ وظیفہ مقرر کر رکھا ہے۔"

"یہ سب درست سہی مگر آپ کی فیملی کی جانب سے واقعی کسی کو کوئی ایسی ایذا نہیں پہنچی جس سے انسانیت بھی کانپ گئی ہو۔"

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہوا۔" شائستہ بیگم کا لہجہ آہنی سا تھا۔

"پھر تو مجھے واقعی حیرت ہو رہی ہے۔"

"ہوا ہے ایک واقعہ ایسا۔" دادی جان نے ذہن پر زور دینے کے بعد کہا اور پھر وہ ریاض احمد کو تباہ کرنے سے لے کر ان کی بیٹی کی ڈرٹی پکچرز بنوا کر اسے یوٹیوب پر ڈالنے تک کی روداد بتاتی چلی گئیں۔

"جب انسان اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگے تو اس کا کیا حال ہونا چاہیے۔" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولے۔

"سرفراز کے پلان میں نہ میں شامل تھی اور نہ ہی میرے بیٹے...... تو پھر یہ سزا میرے بچوں کو کیوں بھگتنی پڑی؟"

"جس طرح نیک اعمال کی جزا بے حساب ہوتی ہے اسی طرح برے اعمال کی سزا بھی اندوہناک ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کا دوسرا نام عزت ہے اور سرفراز صاحب نے اس نام کو ہی بدل دیا۔ آپ کیا یہ تصور بھی کر سکتی ہیں کہ کوئی ایسا ظلم آپ کی بیٹی پر کرے...... ایک معصوم اور دین دار بچی پر ایسا ظلم......" ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "کسی پر جھوٹا بہتان لگانا گناہ کبیرہ میں شامل ہے۔ یہاں تو انسانیت کے پرخچے اڑا دیے گئے اور اس پر یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم نے کیا ہی کیا ہے۔ ہم تو نیک لوگ ہیں بڑے نیک کام کیا کرتے ہیں اور اپنے اس فعل پر شرمندہ تک نہیں ہیں۔"

"غلطی تو ہوئی اب کیا کریں ہم؟" دادی جان کا لہجہ گلوگیر سا تھا۔ "میرے پوتے کی حالت کیسی ابتر ہے، نہ وہ زندہ میں ہے نہ مردوں میں۔ اس کی ماں اب یہ دعا مانگ رہی ہے کہ اللہ اسے اٹھا لے مگر اس کی یہ دعا تک پوری نہیں ہو رہی ہے۔ کیا دنیا کی کوئی ماں ایسی ہوگی جو یہ دعا مانگے کہ اللہ میرے بچے کو موت دے دے اور موت بھی روٹھ کر بھاگ جائے۔"

"مجھ سے اپنے بچے کی تکلیفیں نہیں دیکھی جاتیں۔" شائستہ بیگم اب روتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ مسز وحید کے ساتھ ساتھ دیگر لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہہ رہا تھا۔

"آپ لوگ ریاض صاحب کے گھر جائیں اور ان سے معافی مانگیں اور انہیں جا کر بتائیں کہ ان کو ہر نقصان پہنچانے والے آپ ہی کے گھر کے محترم سرفراز صاحب ہیں جنہوں نے اپنے نام تک کی لاج نہیں رکھی۔ ان سے معافی مانگنے کے بعد آپ سب اللہ سے توبہ مانگیں کہ وہ رحیم ہے، کریم ہے توبہ پسند کرتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے۔"

☆☆☆

ریحان، نہاں کے پاس موجود تھا۔ آج نہاں کا اسپتال میں آخری دن تھا اس لحاظ سے آج ریحان کی آخری سیٹنگ تھی۔ وہ خوش تھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک ہے مگر اداس بھی کہ اب ملنا مشکل تھا، وہ کہہ رہا تھا۔

"ہاتھ کی انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ اگر سب انگلیاں برابر ہوتیں تب بھی شاید کوئی زیادہ فرق نہ ہوتا مگر چھوٹی بڑی انگلیاں بنانے میں یقیناً اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی حکمت ضرور ہوگی جن سے ہم آشنا تک نہیں ہیں۔ اسی طرح انسان بھی ایک جیسے نہیں ہوتے جس طرح اللہ کے نزدیک انسان کی برتری اس کے تقویٰ پر منحصر ہے۔ اسی طرح ہم انسان بھی اچھے اخلاق اور اچھی عادات اور کردار کے حامل افراد کی عزت زیادہ کیا کرتے ہیں۔" ریحان ایک جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا اور نہاں پر ایک سحر سا طاری ہو رہا تھا۔

"برے لوگ بری حرکتیں کرتے ہیں اور اکثر ظالموں کی رسی دراز بھی ہو جایا کرتی ہے مگر وہ اللہ کی پکڑ سے کبھی بچ نہیں سکتے۔ برے لوگوں کی مثال ایک سیاہ رات کی طرح ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا مگر وہ رات ہمیشہ ختم ہو جاتی ہے، صبح کی کرن رات کی سیاہی کو نگل جاتی ہے تو دن میں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ چند گھنٹے پہلے آسمان پر سیاہ چادر تنی ہوئی تھی۔"

"سر آپ بہت اچھا بولنا جانتے ہیں۔" نہاں نے تعظیم بھرے لہجے میں کہا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں، وہ سچ کہہ رہا ہوں اور سچ ہمیشہ دل کو اور دماغ کو دونوں کو اچھا لگا کرتا ہے۔"

"آج میں اپنے گھر جا رہی ہوں، مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ اسپتال میں میرا بہت وقت گزرا ہے شاید کئی سال۔" وہ دھیمے سے بولی۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کے ساتھ ہمیشہ خوشیاں عطا فرمائے۔" ریحان کے لبوں سے نکلنے والے جملے اس کے دل کی آواز بھی تھے۔

"آپ اسی اسپتال میں کام کرتے ہیں؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"نہیں، میرا بھی یہاں آخری دن ہے۔ میں اپنی جاب پر چلا جاؤں گا۔"

"آپ کو بھی اسپتال سے جا کر خوشی ہو رہی ہوگی۔" بھولپن سے وہ بولی۔

"ہاں بہت۔" ریحان مسکرایا۔

"اب مجھے اجازت دیں شاید کبھی آپ سے ملاقات ہو یا شاید نہ ہو......اس لیے اب مجھے اجازت دیں۔" ریحان اس پر ایک بھرپور نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"سر میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔" نہاں نے سلام کرتے ہوئے کہا اور ریحان مسکرا کر سر ہلاتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

نہاں اسپتال سے گھر آ گئی تھی اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سالوں کی مسافت طے کر کے کہیں سے آئی ہو۔ اپنے گھر میں آ کر وہ اس کے چپے چپے پر یوں گھوم رہی تھی جیسے وہاں پہلی مرتبہ آئی ہو۔ کسی کام سے وہ اسٹور روم میں گئی تو مچان پر رکھی مہندی کی تھالیاں اسے نظر آئیں۔ جب اس کی مہندی والے دن لڑکے والے انکار کر گئے تھے تو امی نے دو تھالیاں کسی شاپر میں باندھ کر مچان پر ڈال دی ہوں گی اور اب شاپر کے پھٹ جانے کے باعث وہ سجی سجائی تھالیاں نہ صرف جھانک رہی تھیں بلکہ اس کی یادوں کی کھڑکی کو بھی کھول رہی تھیں۔

"کیسا آیا تھا طوفان جو میری سیدھی سادی زندگی کو تہس نہس کر گیا۔ شادی کیسے اچانک ہی ختم ہو گئی تھی۔" نواز کا خیال ہی اس کے ذہن میں ٹیسیں پیدا کر رہا تھا اور اسے ریحان کے یہ جملے یاد آ رہے تھے۔

"زندگی کے اس چلن پر اگر ہم کاربند ہو جائیں کہ ہمیں اچھی باتیں رکھنی ہیں اور بری باتوں کو بھول جانا ہے تو زندگی میں ملنے والے دکھ خود ختم ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک کہا تھا آپ نے۔ اگر میں زندگی سے نواز کو چیر پھاڑ کر بھی پھینک دوں تب بھی مجھے خوشیوں کے مقابلے میں دکھ اتنے زیادہ ملے ہیں کہ میں انہیں کتنا ہی بھولوں مگر پھر بھی انہیں بھول نہیں سکتی۔" وہ اپنے کمرے میں آئی ٹی وی کھولا تو کوئی مغنیہ گا رہی تھی اور اس سے اسے یوں لگا جیسے وہ اس پر بیتی کہانی سنا رہی ہو۔

یادوں کے چراغ آج روشن ہیں
ماضی کی گزرگاہوں میں
کہاں تک مجھ کو جانا ہوگا
ابھی دھندلی راہوں میں
ملن کی خوشرنگ ساعت تک

یا جدائی کی ظالم گھڑیوں میں
جھومر سجا تھا ماتھے پر
مہندی لگی تھی ہاتھوں میں
جذبوں کی مدھم حدت تھی
خوشبو بسی تھی سانسوں میں
سنجوگ بنا تھا جیون کا
کچھ خواب سجے تھے آنکھوں میں
شبنم سے موتی بھرتے ہیں
اب ہجر کی لمبی راتوں میں
جدائی کا موسم آٹھہرا
کھلی کھلی میری آنکھوں میں
مانگ جو اجڑی سو اجڑی
کانچ چبھے تھے بانہوں میں
قوسِ قزح کے رنگ نہ ٹھہریں
بادل بھری اب آنکھوں میں

شاعرہ: خالدہ نسیم

"کیا لوگوں کے دکھوں میں مماثلت ہوا کرتی ہے۔" یکبارگی اس نے سوچا۔

"نہیں، مجھ جیسی کہانی تو شاید کسی کی بھی نہ ہو گی بلاوجہ میں دکھوں کے سمندر میں دھکیلی جاتی رہی ہوں۔ پیدائش سے لے کر اب تک کسی کا برا نہ چاہ کر بھی ہمیشہ برائی ہی ملی ہے۔ اے پاک پروردگار اب کوئی دکھ اور غم نہ دینا، میں سہار نہ سکوں گی۔ اور میرے والدین جی نہ سکیں گے۔ یا رب العالمین اگر میرے حوالے سے انہیں کوئی خوشی نہ ملی تو لوگ کسی کے جائز بچے کو بھی گود لینا چھوڑ دیں گے۔" نہاں اپنے کمرے میں رو رہی تھی اور آنسو اس کے چہرے پر یوں پھسل رہے تھے جیسے گلابی ساٹن پر موتی پھسل رہے ہوں۔

☆☆☆

گیٹ ریحان نے ہی کھولا تھا مگر دروازے پر اپنے دوست کے بجائے سرفراز

صاحب کی بیگم اور ان کی والدہ کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اس طرح تو وہ لوگ کبھی ان کے گھر نہیں آئے تھے۔ حد تھی کہ منگنی سے پہلے اور بعد میں بھی یوں بنا اطلاع کے ان کا آنا نہیں ہوا تھا۔

''آنٹی خیریت تو ہے ناں؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''تمہارے امی ابو سے ملنا تھا۔'' مسز سرفراز نے کہا تو وہ ان کو لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ ساجدہ بیگم اور ان کے شوہر بھی حیران سے ان کے پاس آئے۔

''آج میں آپ سے معافی مانگنے آئی ہوں، امید ہے کہ آپ ہم سب لوگوں کو دل سے معاف کر دیں گی۔'' مسز سرفراز نے رندھے ہوئے لہجے میں بات کا آغاز کیا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، معافی کس بات کی بھلا اور پھر آپ نے کیا ہی کیا ہے؟'' ساجدہ بیگم کا لہجہ محبت بھرا تھا۔

''آپ کے گھر سے ہم نے معافی مانگنے کی ابتدا کی ہے پلیز معاف کر دیجیے۔'' مسز سرفراز نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور دادی جان کے آنسو بھل بھل بہنے لگے۔ ریحان متوحش سا ہو کر پانی کا گلاس لے آیا اور انہیں دلاسا دیتے ہوئے بولا۔

''آنٹی جب آپ سے کوئی ناراض ہی نہیں ہے تو معافی کیسی؟''

''سرفراز صاحب نے ریحان پر چار مرتبہ قاتلانہ حملہ کروایا۔ اللہ کا شکر ہے ریحان ہر بار بچ گیا۔'' مسز سرفراز نے نادم سے لہجے میں کہا۔

''مگر کیوں...... میرے بیٹے نے آپ کا کیا بگاڑا تھا؟'' ساجدہ بیگم نے روہانسی ہو کر پوچھا۔

''میرے شوہر مینا کی موت کا دوسرا ذمے دار ریحان کو بھی سمجھ رہے تھے۔''

''دوسرا ذمے دار؟'' اب ریحان انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''اس کی پہلی ذمے دار نہاں ہے۔ ریاض صاحب کی بیٹی جس نے تمہاری ماں سے کہا تھا کہ یہ لڑکی ٹی وی کی اداکارہ ہے اور ان کے کالج میں ڈانس کرنے آئی تھی اور بھی بہت کچھ جس کی وجہ سے تمہاری ماں نے مینا سے منگنی ختم کرنے کی ٹھان لی تھی۔''

''نہاں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا جس کی وجہ سے میں منگنی ختم کرتی۔ ہاں، یہ بات ضرور ہوئی تھی کہ وہ اسے شوبز کی فنکارہ کے طور پر پہچان گئی تھی اور یہ ایسی کوئی بری بات بھی نہیں

تھی مگر ہمارے گھر کا ماحول مختلف ہے۔''

''بات کچھ بھی ہوئی ہو مگر سرفراز کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ریاض صاحب کی فیملی ان کی بیٹی کی قاتل ہے تو اسے تباہ و برباد کیا جائے۔''

''اچھا تو وہ آپ لوگ ہیں جن کی وجہ سے ایک لڑکی کو زندہ درگور کر دیا گیا۔'' ریحان نے کہا۔

''میں ان سے بھی جا کر معافی مانگوں گی مگر پہلے آپ کے ہاں آئی ہوں۔''

''ہمارا بیٹا تو بفضل خدا سرفراز کے کسی حملے کا شکار نہیں ہو سکا اس لیے آپ ہم سے نہیں بلکہ ریاض صاحب سے جا کر معافی مانگیں جن کو آپ نے ہر لحاظ سے تباہ و برباد کیا ہے۔'' ریحان کے والد نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''پلیز آپ معاف تو کر دیں، میں ہر لحاظ سے پریشان ہوں کسی کل مجھے چین نہیں مل رہا ہے۔''

''ہم نے آپ کو معاف کیا، اللہ تعالیٰ بھی آپ کو معاف فرمائے۔'' ریحان کے والد کہہ رہے تھے ساجدہ بیگم کو یہ سب باتیں سن کر اختلاج سا ہونے لگا۔ ریحان کے والد ان کو دوسرے کمرے میں لے گئے اور گلوکوز پانی میں ڈال کر پینے کے لیے دیا تب کہیں جا کر ان کی طبیعت بحال ہوئی۔

''ریحان بیٹا کیا تم ہمارے ساتھ ریاض صاحب کے ہاں چلو گے؟'' مسز سرفراز نے پوچھا۔

''مگر کیوں؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''ہماری حقیقت جان کر وہ ہمیں معاف کیے بغیر اپنے گھر سے کہیں دھکے نہ دے دیں۔'' دادی جان نے کہا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ان سے کہے کہ ہونا تو آپ سب کے ساتھ اس سے بھی کہیں زیادہ چاہیے مگر گھر کی تربیت کے اثرات تھے اپنے بڑوں سے کبھی بدتمیزی سے بات نہیں کی جاتی اور نہ ہی اس لہجے میں گفتگو کی جاتی ہے جس سے کسی دوسرے کو سبکی کا احساس ہو اس لیے وہ سنبھل کر بولا۔

''میں آپ کے ساتھ چلوں گا ضرور مگر میں یہ نہیں جانتا کہ آپ کی بات سن لینے کے بعد وہاں کس قسم کا رد عمل ہوگا۔''

''بیٹا ہم گالی تو کیا گولی کھا لینے کے لیے بھی تیار ہیں مگر وہ ہمیں معاف کر دیں کہ ہمیں اس سے قبل یہ واقعی نہیں معلوم تھا کہ کسی بندے سے کی گئی زیادتی کی معافی اس بندے سے ہی مانگنی چاہیے۔ ہم ان کا ہر وار سہنے کے لیے تیار ہیں کہ ان کے ساتھ واقعی ایسا برا ہوا ہے کہ شاید کسی مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان کے بارے میں ایسا سوچا تک نہ ہو۔''

☆☆☆

ریاض صاحب عشا کی نماز پڑھ کر آئے تھے۔ نہاں نے لاؤنج میں دستر خوان بچھا کر کھانا لگا دیا تھا کہ کال بیل ہوئی

''یہ اس وقت کون آ گیا؟'' ریاض صاحب کھانا شروع کرنے سے پہلے باہر کی جانب لپکے۔ ریحان کو اپنے دروازے پر دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔

''معاف کیجیے گا آپ سے ملنے دو خواتین آئی ہیں۔'' ریحان نے قدرے اٹک اٹک کر کہا۔

''کس سلسلے میں؟''

''یہ بات وہ آپ کو خود ہی بتائیں گی۔''

''کیا یہ خواتین تمہاری رشتے دار ہیں؟''

''جی نہیں...... مگر مجھے یہ بات آج ہی معلوم ہوئی ہے کہ میری امی کی رشتے داری نسرین آنٹی سے ہے۔''

''بیٹا مگر میں تمہیں پہچان نہیں پائی ہوں۔'' نسرین بیگم بھی خواتین کا نام سن کر باہر آ گئیں۔

''میں ساجدہ بیگم کا بیٹا ہوں۔''

''اچھا اچھا۔'' ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''کیا آپ ہمیں اپنے گھر میں اندر آنے کی اجازت دیں گے؟'' مسز سرفراز نے ریاض صاحب سے پوچھا۔

اب وہ سب ایک چھوٹے سے مگر بے حد صاف ستھرے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''ریاض بھائی آج میں اپنی ساس کے ساتھ آپ سے معافی مانگنے آئی ہوں۔

میرے شوہر کی ذہنی حالت صحیح ہوتی اور وہ معذور نہ ہوتے تو یقیناً وہ بھی ہمارے ساتھ آتے۔''

''میں تو آپ خواتین کو پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ میں تو آپ کو جانتا تک نہیں ہوں تو معافی کیسی؟''

''آپ کو تباہ و برباد کرنے والا شخص میرا بیٹا تھا...... سرفراز۔'' دادی نے کہا۔ ''اپنی بیٹی کی خودکشی کی وجہ وہ نہاں کو سمجھا۔ اس لیے آپ کے ساتھ ساتھ وہ بھی اس کی زد میں آ گئی۔''

''اب آپ کیا چاہتی ہیں؟'' ان کو مزید بولنے سے روکتے ہوئے ریاض صاحب نے کہا۔ ''اگر آپ کے بیٹے کا دل ابھی بھر نہ پایا ہو تو اپنے ستم کے بچے ہوئے تیر بھی آزما کے دیکھ لیجیے ابھی تک میں بھی زندہ ہوں اور میری بیٹی بھی۔''

''ریاض بھائی آپ ہمیں معاف کر دیں، پلیز!''

''ایک بات کہوں محترمہ میں آپ سے...... پلیز آپ مجھے بھائی کہہ کر لفظ بھائی کی توہین نہ کریں۔ میرے بہن بھائی بہت برے ہیں مگر ایسے برے ہرگز نہیں ہیں کہ وہ میری روح تک کو زخمی کر ڈالیں۔ پلیز آپ نے مجھے بھائی نہیں کہنا ہے۔'' ضبط گریہ سے انہوں نے اپنے ہونٹوں کو کچل دیا۔

''یہ لیجیے پیسہ جو ہم نے آپ کو مالی طور پر برباد کیا ہے۔'' پیسوں کا بریف کیس انہوں نے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو کیا آپ اس سے ہزار گنا زیادہ پیسہ بھی مجھے دے دیتیں تو یہ میرے دکھوں کا ازالہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے آپ واپس لے جائیں۔'' ریاض صاحب نے انکا بریف کیس ان ہی کی جانب دھکیلتے ہوئے کہا۔

''آپ کی بددعاؤں نے ہمیں برباد کر دیا ہے، پلیز ہمیں معاف کر دیں۔''

''ہاں بددعائیں تو ہم لوگوں نے پانچوں وقت دی ہیں۔ ہر نماز کے بعد جائے نماز پر بیٹھ کر بھی اور ہر آنسو کے ساتھ ساتھ بھی۔''

''ریاض صاحب میرا بیٹا مر رہا ہے پلیز......''

''محترمہ میری بیٹی کو بھی آپ نے مار ہی دیا ہے۔ وہ چل پھر تو رہی ہے مگر زندہ لاش ہے۔''

''بیٹا یہ بوڑھی ماں تجھ سے معافی مانگ رہی ہے تو معاف کر دے تاکہ ایک جوان

لڑکا جو جان کنی کی حالت میں ہے اس کی مشکل آسان ہو سکے۔"

"اماں صاحبہ! میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اب ہم لوگ آپ لوگوں کو بددعائیں نہیں دیں گے مگر میں معاف کیسے کر دوں۔ آپ لوگوں نے دن کے اجالے میں میرے اور میری بچی کے چہرے پر کالک تھوپی اور اب رات کے اندھیرے میں معافی مانگنے آئی ہیں۔ میں کس کس کو بتاؤں گا یہ سب بہتان تھا۔ میں کس کس کو بتاؤں گا یہ میری بچی پر ظلم تھا میری بچی تو پاک تھی، معصوم تھی۔"

"آپ ریاض صاحب کے پورے خاندان کے سامنے معافی مانگیں گی......" ریحان نے کچھ سوچ کر کہا۔ اور یوٹیوب میں بھی سرفراز صاحب کی تصویر، عہدے اور حیثیت کے ساتھ یہ الزام قبول کیا جائے گا...... کہ آپ نے ایک معصوم بچی کے ساتھ کیسا شرمناک کھیل کھیلا تھا۔ اسے آسمان سے زمین پر گرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔" شائستہ بیگم یہ بات سن کر تھوڑا سا ہچکچائیں مگر دادی نے فوراً رضامندی دے دی۔

"اس کے ساتھ جو خطوط کالج، پروفیسرز اور اہل محلہ کو بھیجے گئے تھے ان کو اعتراف نامہ بھیجا جائے گا......" ریحان کہہ رہا تھا اور ریاض صاحب رضامندی میں اپنا سر ہلا رہے تھے۔

"بیٹے اس کے ساتھ ساتھ ہم اخبارات میں بھی معافی نامہ چھپوانے کے لیے تیار ہیں۔" دادی نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا اور اپنے ہاتھ پھر سب کے سامنے جوڑے۔ جب وہ نہال کی ماں کے پاس آئیں تو وہ یہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں اور ان کے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

☆☆☆

وہ ایک بہت ہی عجیب وغریب سی مجلس تھی...... جس میں خاندان کے سارے لوگ جمع تھے......! نہال، ریاض صاحب نسرین بیگم بھی موجود تھے۔ مسز سرفراز اور دادی جان سب مہمانوں کے سامنے ریاض صاحب کو تباہ کرنے سے لے کر ڈرٹی پکچرز کے بارے میں بتا رہی تھیں۔ سب لوگ انہیں خشمگیں نظروں سے دیکھ رہے تھے اور تھو تھو کر رہے تھے۔

"اب تو پلیز آپ سب ہمیں معاف کر دیں۔" مسز سرفراز نے کہا۔

"ایسی گھناؤنی حرکت آپ معافی کی حق دار تو نہیں ہیں......" ریاض صاحب کے

بھائی بھولے۔

"چاند پر تھوک کر دیکھ ہی لیا...... وہ آپ کے ہی منہ پر آیا......" یہ بہنوں کی رائے تھی۔

"جائیں...... میں نے آپ کو معاف کیا...... جائیں......" نسرین بیگم نے انہیں تاسف سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور پھر کبھی ہمارے سامنے مت آیئے گا کہ آپ کو دیکھ کر ہمارے زخم پھر ہرے ہو سکتے ہیں۔" مسز سرفراز اور دادی جان...... وہاں سے اسی وقت روانہ ہو گئیں۔

تب ساجدہ بیگم نے نسرین سے کہا۔

"نہ منگنی ہوگی...... نہ مہندی، مایوں...... میں اس جمعہ کو اپنے بیٹے کی برات لے کر آ رہی ہوں، نہال کو اپنے گھر لے جانے کے لیے...... اب کوئی بہانہ بنانے مت بیٹھ جانا...... کہ اس شہزادی کو تو میرے گھر میں آنا تھا۔" ریحان کے چہرے پر مسکراہٹ لوٹ آئی۔

واپسی پر ریحان...... اپنے والدین کے ساتھ جب گھر جا رہا تھا...... تو اس کے موبائل پر ایک SMS تھا۔

"بفضل خدا...... ہمارا بیٹا جانکنی کی حالت سے نکل کر ابدی نیند سو چکا ہے۔ کل ظہر کی نماز میں نمازِ جنازہ میں ضرور شریک ہوں۔" ریحان نے ایک گہری سانس لے کر گاڑی کی اسپیڈ تیز کر دی تھی...... کہ گھر جا کر اس نے اپنی امی کو اپنا حالِ دل بھی سنانا تھا...... کہ کس طرح ایک کانچ سی لڑکی...... اس کے من میں بہار بن کر چھا گئی تھی۔

☆☆☆

مجھے ایسا لگ رہا ہے...... جیسے میرے دماغ پر رکھا ہوا ڈھیروں ڈھیر وزن ہٹ گیا ہو۔
نسرین بیگم نے گھر آ کر...... سرشار سے لہجے میں کہا۔
ہاں...... مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے کہ زندگی میں آنے والا خزاں کا موسم ختم ہو گیا ہے۔
اور ہر سو بہاری چھا گئی ہے...... ریاض صاحب نے متبسم سے لہجے میں کہا۔
یہ اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے...... کہ اس نے ہر جگہ...... ہمیں باعزت ثابت کیا۔
ہاں یہ بے شک اللہ کی خاص عنایات ہیں ہم پر...... نسرین بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... اور وہ گلوگیر سے لہجے میں بولیں۔

''اس دنیا میں اگر سرفراز صاحب جیسے لوگ ہیں تو ریحان جیسے بھی ہیں۔

اس لڑکے...... نے...... ہر جگہ ہمارا ساتھ دیا۔

بے شک عزت اور ذلت دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے...... آج کے سارے اخبارات میں سرفراز صاحب کی تصویر کے ساتھ کتنا بڑا اعتراف نامہ شائع ہوا ہے۔'' نسرین بیگم نے پھر اخبار اٹھا لیا۔

''ہماری اس کہانی نے...... بہت سے لوگوں کو یہ حقیقت باور کرا دی ہے...... کہ بددعائیں کتنی مہلک ہوا کرتی ہیں۔

اور ان سے بچ کر رہنا چاہیے......!'' ریاض صاحب ایک گہرا سانس لے کر بولے۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ......!

اور آج مجھے...... ایسا ہی لگ رہا ہے...... کہ میں کسی بھیانک خواب کے اثرات سے باہر نکل آئی ہوں۔

ہاں غم کے بادل واقعی چھٹ گئے ہیں......!

مجھے حیرت تو اس بات پر ہو رہی ہے...... ساجدہ آپا جب بھی ہمارے گھر آئیں۔

انہوں نے نہال کو پسند کیا...... اپنی بہو بنانے کا عندیہ بھی ظاہر کیا۔

مگر ہر مرتبہ ہم نے انہیں اس لئے انکار کیا کہ کبھی نہال کی منگنی ہو چکی تھی تو کبھی رشتہ لے کر رکھا تھا۔''

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔

نہال کی شادی کا وقت آیا تھا ہی نہیں...... تو کیسے ہو سکتی تھی۔''

''ہاں، یہی بات تھی۔ میرے ذہن میں بھی...... کئی بار ان کے لڑکے کا خیال آیا تھا...... مگر اس کے لئے کوئی بات، میری زبان سے نکل ہی نہیں سکی تھی۔''

''ریحان...... ہماری نہال پر بیتا ہوا ہر دکھ جانتا ہے۔ رائی سے لے کر کرتی تک ہر بات سے واقف ہے...... اور سب سے بڑی بات کہ وہ اس کی بے گناہی، پاکبازی اور سچائی کا معترف بھی ہے۔''

''اللہ نے واقعی...... ہم پر بہت کرم کیا ہے۔'' ریاض صاحب آنکھوں میں خوشیوں کے آنسو لئے کہہ رہے تھے۔

''میرا رب بہت بڑا ہے اور قدرت والا ہے...... جو برداشت سے زیادہ دکھ نہیں دیتا...... مگر اوقات سے زیادہ سکھ دیتا ہے۔''

دوسرے کمرے میں نہال...... خاموش بیٹھی تھی...... صبح سے کئی مرتبہ وہ شکرانے کے نفل پڑھ چکی تھی......!

اُس کے والدین...... جنہوں نے اُسے پالا تھا...... آج اللہ نے انہیں سرخرو کیا تھا......!

وہ بہتان...... جو اُن کی پیشانی پر چسپاں کر دیئے گئے تھے، وہ از خود...... کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح خود چُرمُرے ہو گئے تھے......!

کالج کی پرنسپل کا تو فون آیا ہی تھا...... پڑھانے والی پروفیسرز اُسے گھر آ کر مبارکباد دینے کی خواہاں تھیں۔

اُسے تو یہ بات معلوم ہی نہیں تھی......

اس کی لکھی ہوئی نظم ''کانچ سی لڑکی'' کل پاکستان مقابلہ شاعری میں پہلے انعام کی حقدار قرار پائی تھی......!

اس نے میز پر رکھی ہوئی اپنی ڈائری کھولی...... اور ایک نظر اپنی نظم پر ڈالی...... تو اُسے یوں لگا...... کہ جیسے...... اُس نے یہ اپنے آپ پر لکھی ہو۔

کیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے...... کہ خود پر بیتنے والے واقعات...... کوئی خود لکھ دے......!

اب وہ حیران سی اپنی نظم کو بار بار پڑھ رہی تھی......!

اور آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

ایک کانچ سی لڑکی

وہ کھرے کانچ کی بنی ہے
نازک، نرل اور سانچی ہے
اُس کے پاکیزہ من میں

کوئی کھوٹ نہیں ہے
اُس کی شبنمی آنکھوں میں
کوئی جھوٹ نہیں ہے
وہ تو کھرے کانچ کی بنی ہے

☆☆☆

دکھوں کی کالی چُنری ہے
جو کومل تن من پہ چھائی ہے
ورنہ وہ تو ویسی ہے
جیسی آر پار دکھتی ہے
خوشیوں کی متلاشی ہے
جو جانے کہاں سے ملتی ہیں

☆☆☆

وہ ایک کانچ کی لڑکی ہے
نازک سجل اور بھولی ہے
ہاتھوں میں پیار کے کنگن پہنے
ماتھے پہ آس کا ٹیکہ سجائے
نینوں میں انتظار کی جوت جلائے
دروازے کی اور تکتی رہتی ہے

☆☆☆

کوئی سجن بیلی
کوئی سنگی سہیلی
کوئی تو کبھی آئے گی
پیار سے گلے لگائے گی
دل کی سنے گی
سنائے گی

یہی سوچتی رہتی ہے

☆☆☆

ایک کانچ کی لڑکی
کب تک کنکر پتھر سمیٹے گی
کب تک سونی راہیں تکے گی
کب تک کانچ کے موتی روئے گی
کب تک اُن کی مالا پروئے گی

☆☆☆

وہ ایک کانچ کی لڑکی
کہیں دروازے میں کھڑی کھڑی
یونہی چوکھٹ میں جڑی جڑی
ٹوٹ کے بکھر نہ جائے
ذرّوں میں ذرّہ بن نہ جائے
وہ ایک کانچ کی لڑکی
وہ ایک کانچ کی لڑکی

☆☆☆

(شاعرہ۔عذرا بیگ)

☆☆☆

ریحان......تم میرے لیئے......میرے اللہ کا تحفہ ہو......اُس نے جیسے خود سے کہا۔

میرے اللہ نے مجھے ذروں میں مزید ذرہ نہیں بننے دیا۔اور تمہارے دل میں میری محبت ایسی ڈال دی......جو میرے لئے ڈھال بن کر کھڑے ہوگئے......!

اور مجھے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت کبھی نہیں ہوگی......کہ ریحان جیسی صفات والا شوہر......تو کسی بختاور لڑکی کو ملا کرتا ہے۔

اور میں واقعی بختاور ہوں......جیسے اپنے والدین نصیب ہوئے......جنھوں نے اس کے لئے......سب کو چھوڑ دیا......حتیٰ کہ اپنے ماں جائے بھی......!

"یا اللہ...... میرے والدین کو سلامت رکھنا۔"

اُس کے جسم کا رواں رواں دعا گو ہو گیا۔

"اور یا اللہ...... میرے ریحان کو بھی ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھنا......!

جو میری زندگی کا...... تاج...... اور ہم سفر ہوگا۔

اور ایسا ہم سفر...... جو اپنی بیوی پر پورا پورا بھروسہ...... یقین...... اور ایمان رکھتا ہو......کوئی اتنا عام تو نہیں ہوا کرتا۔

ریحان تم واقعی خاص ہے۔

بلکہ خاص الخاص......!

جسے اللہ تعالیٰ نے...... صرف میرے لئے بنایا تھا۔

ہاں صرف میرے لئے......!"

نہاں سجدہ ریز تھی...... اور اس کی دعاؤں کے سنگ سنگ اُس کے خوشی کے آنسو ......اُس کے ساتھ تھے......!

☆☆☆

کیا یہی پیار ہے

"دیکھ لو...... یہ اچھی والی پلاسٹک کی تھیلیاں ہیں...... اتنی عمدہ تھیلیاں تو یہاں ہوتی بھی نہیں ہیں...... تمہیں پسند ہوں تو اپنے پاس رکھ لو...... ورنہ اٹھا کر گاربج میں ڈال دو۔" نازیہ نے تمسخرانہ مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجاتے ہوئے کہا۔ چھوٹی خالہ کی رضیہ نے جھٹ وہ تھیلیاں اپنے بیگ میں ڈال لیں۔ اتنی نرم ملائم اور ہینڈل والی تھیلیاں تو اسے کسی گفٹ سے کم نہیں لگ رہی تھیں۔

"یہ لان کے سوٹ میں نے پاکستان میں ہی خریدے تھے...... صرف ایک ہی سیزن بمشکل پہنے ہوں گے...... اگر کسی کو چاہیے تو لے لے...... ورنہ گاربج میں ڈال دو۔" نازیہ نے اپنے سوٹ کیس میں کپڑے جماتے ہوئے کہا۔ چھوٹی خالہ وہاں کسی کام سے آئیں تو وہ جان نکلے چھچھڑا سے لان کے سوٹ دیکھ کر بولیں۔

"ارے، باورچی خانے میں صافی کا کپڑا نہیں مل رہا ہے۔ نازیہ ذرا ان پرانے کپڑوں کو کاٹ کر دے دو۔ باورچی خانے میں چولہے صاف کرنے کے کام آ جائیں گے۔" رابی جو اُن سوٹوں کو اٹھانے کا سوچ رہی تھی خالہ کے یہ جملے سن کر...... یوں پیچھے ہٹی جیسے کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔

عثمان ماموں کی نازیہ سعودی عرب بیاہ کر گئی تھی...... وہ جب بھی پاکستان آتی تو اس کی باتوں سے ریال کے بھبکے آتے تھے...... اس کا میاں کسی ایئر لائن کمپنی میں ملازم تھا...... سال میں دو فری ٹکٹ مل جاتے تھے...... اور وہ جب بھی آتی...... اپنے غریب عزیز و اقارب کے سامنے ایسی ہی چھچھوری باتیں کیا کرتی تھی۔ وہ آتے ہوئے تو کسی کے لیے کوئی خاص سوغات نہیں لاتی تھی جتنی کے وہ جاتے ہوئے اپنی پرانی اور پھینکنے والی چیزیں بطور تحفہ اپنی کزنز

کو دے کر فخر محسوس کیا کرتی تھی۔

"اے ہئے...... میری عبایا (برقع) پر یہ پینٹ کا نشان لگ گیا ہے۔ میں تو اسے پہنوں گی نہیں...... اگر کسی کو چاہیے تو لے، لے۔" نازیہ نے اپنا عبایا...... سب کے سامنے نچاتے ہوئے کہا۔

"مجھے عبایا پہننا اچھا لگتا ہے...... یہ مجھے دے دو۔" چمن نے آگے بڑھ کر نازیہ سے کہا۔

"دیکھ لو میرا یہ عبایا خاصا پرانا...... سائیڈ سے استری سے جل بھی گیا ہے۔ ویسے پہن کر جلا ہوا حصہ نظر نہیں آتا...... یہ نہ ہو...... تم عبایا بھی لے لو اور بعد میں باتیں بھی بناؤ...... کہ ایسا دیا اور ویسا دیا...... ورنہ گاربج میں پھینک دو۔" نازیہ نے اسے اس طرح گول مول سا کیا...... جیسے وہیں سے بیٹھے بیٹھے اسے ڈسٹ بن میں پھینک رہی ہو۔

"ارے...... رے یہ کیا کر رہی ہیں نازیہ باجی...... میں نے کب کہا...... ایسا الٹا سلٹا۔" چمن نے عبایا جھپٹ کر تشکر بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

نازیہ کی فلائٹ آج شام کی تھی...... محلے میں جتنے بھی عزیزوں کے گھر تھے سب دوپہر سے ہی ان کے ہاں ان کو خدا حافظ کہنے کے لیے جمع تھے۔ صادقہ بھی کالج سے آنے کے بعد...... آ گئی تھی...... اور یہ سب تماشا وہ دونوں ہاتھ باندھے کافی دیر سے دیکھ رہی تھی۔

نازیہ کی چھچھوری باتیں اور حرکتیں اسے ہمیشہ سے ناپسند تھیں...... اس وقت بھی وہ اماں کی جھڑکیاں سن کر یہاں آ تو گئی تھی...... مگر نازیہ کی باتیں سن کر اسے وحشت ہو رہی تھی۔

"سونے کے سیٹ تو میں نے اپنے بیگ میں ڈال لیے...... یہ خالی ڈبے ہیں۔ کسی کو چاہئیں تو لے، لے......" نازیہ نے سرخ مخملی ڈبے لاابالی پن سے بیڈ پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"نازیہ باجی ہمارے پاس کون سے سونے کے سیٹ ہیں...... جو ان میں رکھیں گے۔" چمن نے حیرت سے ان ڈبوں کو دیکھتے ہوئے کہا...... حسرت اور ملال اس کے لہجے میں مزین تھا۔

"اللہ کتنے خوبصورت ڈبے ہیں۔" صادقہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی اور آنکھیں مسلسل ان ہی ڈبوں پر تھی۔

"صادقہ اگر یہ ڈبے تمہیں چاہئیں تو تم لے لو...... ورنہ انہیں گاربج میں ڈال دو۔"

نازیہ نے شاید صادقہ کے دل کا حال اس کے چہرے سے پڑھ لیا تھا...... صادقہ ان چمکتے دمکتے ڈبوں کو کلیجے سے لگائے اپنے گھر لے آئی۔ ڈبے کھول کر وہ بارہا دیکھ چکی تھی مگر اس کا دل نہیں بھرا تھا۔

"کیا ہوا کہ میرے پاس سونے کا زیور نہیں ہے۔ آرٹیفشل بندے، بالیاں اور انگوٹھیاں تو اچھی خاصی ہیں۔" صادقہ نے اپنا سارا نقلی زیور ان ڈبوں میں سجا لیا تھا اور جب بھی کہیں جاتی تو اپنے ڈبے کھول کر اپنی جیولری کا جائزہ لیا کرتی۔

"شاید کبھی ایسا بھی وقت آئے...... میرے پاس...... ان ڈبوں میں اصلی سونے کے چم چم کرتے زیورات ہوں...... اور اتنے زیادہ ہوں کہ نازیہ سے بھی زیادہ ہوں......" یہ سوچ اکثر صادقہ کے ذہن میں کدکڑے لگایا کرتی۔

"ایسا تو بہت مشکل ہے۔" وہ اپنی سوچ پر خود ہی خفت زدہ سی ہو جاتی۔ گھر کے حالات اس سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ "کوئی بات نہیں میں اپنا آرٹیفشل ٹیکا اور جھومر بھی انہی مخملی ڈبوں میں سجا لوں گی۔" وہ اپنے آپ کو تسلی دے کر خود ہی بے مہار ہنسا کرتی۔

یوں بھی شوق تو سب بہنوں کے ایک سے ایک بے ڈھنگے تھے۔ ٹی وی کے ڈرامے ہو بہو، ہی ہی میں دیکھے جاتے۔ ایک دوسرے کا میک اپ کر کے خود ہی مذاق اڑایا جاتا؛ خاندان بھر کی نقلیں اتاری جاتیں۔ اپنی غلطی کبھی مان کر نہیں دیتیں مگر صادقہ اپنی بہنوں سے کچھ اس لحاظ سے بھی مختلف تھی کہ اس نے اپنی پڑھائی کا سلسلہ منقطع نہیں کیا تھا۔ مطالعے کا اسے بے حد شوق تھا۔ گھر میں آنے والی اخباری تھیلیاں تک وہ پڑھ ڈالتی تھی۔

اماں سے بحث و مباحثہ کر کے بدھ اور اتوار کے لیے اخبار لگوا لیا تھا...... بقیہ دنوں میں وہ کالج میں اخبار پڑھ لیا کرتی تھی۔

"لوگ اخبار پڑھتے ہیں تو ان کے سر میں درد ہو جاتا ہے اور ایک یہ صادقہ ہے...... اخبار پڑھ کر ایسی خوش ہوتی ہے کہ مانو اس کا کوئی پرائز بونڈ نکل آیا ہو۔" دو سو روپے والے پانچ پرائز بونڈ بھی صادقہ کے پاس تھے جن کے نمبر اسے زبانی یاد تھے مگر ہر دفعہ اس کے نمبر لگتے، لگتے رہ جاتے تھے۔ بقول اماں۔ "اس صادقہ کے پرائز بانڈ تو دل و دماغ کی چولیں ہلانے کے لیے ہیں...... جب بھی نمبر ملاؤ دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔"

صادقہ کی یہ دلی خواہش تھی کہ اماں کو نت نئی اسکیموں سے باخبر رکھے...... مگر اماں

کے پاس اتنا فالتو وقت کہاں تھا...... ان کے اپنے دھندے ہی اتنے تھے کہ سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔ خاندان میں یا برادری میں کوئی مر جاتا تو اس کی ساری فاتحائیں بھگتاتی پھرتیں۔ وہ جب بھی کبھی بدحواسی میں رنجیدہ شکل لیے برقع کی ڈوریاں کستیں تو سلمٰی مذاق میں کہتی۔

''اماں، سوئم میں جا رہی ہیں...... یا دسویں میں۔'' بقول اس کے چہلم تک ان کو بھی مرنے والے سے اتنی انسیت نہیں رہ جاتی تھی۔ برادری یا ملنے ملانے والوں میں کسی کے ہاں ست وانسا بچہ بھی ہوتا تو اماں مبارکباد دینے والوں میں سب سے پہلے موجود ہوتیں۔ مگر اتنی مصروفیات کے باوجود صادقہ اماں کی سب سے چہیتی بیٹی تھی۔ اس کو دیکھ کر اماں کی آنکھوں میں ممتا کا سمندر ٹھاٹیں مارنے لگتا تھا۔

''اری آ جا میرے پاس۔'' وہ اپنے اجلے بستر پر اس کو اپنے پاس لٹا لیتیں اور دھیرے، دھیرے اس کے الجھے ہوئے بال اپنی انگلیوں کی مدد سے سلجھایا کرتیں...... ''بال تو دیکھو جیسے جنگل ہیں...... اتنے گھنے بالوں کو سنبھالنا بھی تو ایک مصیبت ہے......'' وہ اس کی دراز چوٹی کے بل کھول کر اسے مزید سکون پہنچاتیں۔ وہ آنکھیں موندے گھنٹوں اماں کے کلیجے سے لگی یوں لیٹی رہتی جیسے کوئی ننھی سی بچی ہو۔

تھی بھی وہ سب سے پیاری...... دوسری بہنوں سے بالکل مختلف...... سلمٰی اور شاہانہ دونوں پڑھنے کے معاملے میں انتہائی بدشوق تھیں...... مارے باندھے پرائمری تک پڑھا پھر سلائی کڑھائی سیکھنے کا بہانہ کر کے گھر بیٹھ گئیں...... مگر ان کی بدشوقی اس جانب بھی آڑے آئی...... کروشیا لے کر بیٹھتیں تو معاملہ زنجیرا بنانے سے آگے نہ بڑھتا۔ تارکشی اور ریشم کے لچھے خریدنے کا شوق تو انہیں ضرور ہوا تھا مگر لیزی ڈیزی کے پھول بنانے تک نہیں آ سکے۔ اون، سلائیوں میں ادھورے سوئیٹر تکمیل سے پہلے ہی کھو گئے۔ قیس میں تر پائی بھی یوں کرتیں جیسے شلنگے مار رہی ہوں۔ اماں کو یہ حسرت ہی رہی وہ دونوں کپڑے کاٹ کر خود سیئں۔ شاہانہ کو قینچی چلاتے ہوئے ڈر لگتا تھا...... ہاں سلمٰی نے ایک مرتبہ فرش پر بیٹھ کر شلوار کاٹنے کی کوشش ضرور کی تھی تو پتا چلا تھا شلوار کے ساتھ نیچے بچھی ہوئی چاندنی تک کاٹ ڈالی تھی...... اس لیے اس نے بھی اپنی اس کوشش کو فائنل شکست کہہ کر اپنی جان چھڑا لی تھی۔ اماں اچھا سینا جانتی تھیں...... اس واقعے کے بعد سے وہ خود کاٹ کر دیتیں...... پینسل سے نشان لگاتیں...... چاک کے دیتیں...... بقول ان کے اتنے پاپڑ بیلنے کے بعد...... تو کوئی اندھا بھی سی کر رکھ دے مگر دونوں

بہنوں کے ہاتھ کا سلا ہوا کپڑا دیکھ کر بھی ہنسا کرتے تھے...... ان کے ہاتھ کی سلی ہوئی سادہ سی قمیص کبھی اونچی، کبھی بے حد نیچی، کبھی ایسی تنگ کہ پہننے والی کا سانس گھٹ جائے اور کبھی قمیص کے گلے ایسے پھاٹک بنا دیتیں کہ اماں کے منہ سے گالیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا طوفان جاری ہو جاتا۔

''اری کم بختو! تم سے تو کفن بھی نہ سلے۔'' یہ ان کا اختتامی کوسنا ہوتا تھا...... اس کے بعد وہ گھنٹوں ان سے بات نہ کرتیں۔

ایسے میں صادقہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر انہیں مناتی۔

''اری پیچھے ہٹ جا تو بھی۔'' وہ اسے دھکیلتے ہوئے کہتیں۔

''پیاری اماں...... میں نے آپ سے بے شمار دفعہ کہا ہے کہ آپ اپنے کپڑے صرف مجھ سے سلوایا کریں۔ کیوں آپ...... آپا لوگوں کو دیتی ہیں؟'' وہ بہنوں کو شرارت سے دیکھتے ہوئے کہتی...... مگر وہ شرارت پر بھی جز بز ہو جاتیں۔

''کیا، کیا کرے گی تو، اپنی پڑھائی، گھر کا کام کاج یا پھر سینا پرونا...... شاہانہ تو تیرے ساتھ کی ہے...... صرف دس منٹ ہی تو بڑی ہے۔ سلمٰی تجھ سے سال بھر بڑی ہے اگر یہ دونوں ہاتھ پاؤں کی بونی ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں کام کاج میں بھی پھوہڑ ہونا چاہیے۔ کسی بھی کام کے سلیقے سے ان کا تعلق ہی نہ ہو اور یہ سطوت تو ہمیشہ ہی چھوٹی بنی رہے گی، آدم بیزار لوگ سے ضرور تھے مگر دیکھے نہ تھے...... اپنی سطوت تو پیٹ بھر کے کام چور ہے۔''

''ارے اماں! جب سر پر پڑے گی تو سب سیکھ لیں گے۔ آپ ہی بتاتی ہیں کہ رشیدہ خالہ کی جب شادی ہوئی تھی تو انہیں انڈا ابالنا نہیں آتا تھا، اب دیکھیے ان کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانوں کی پورے خاندان میں دھوم ہے۔''

''ارے...... اس کی شادی چودہ برس کی عمر میں ہو گئی تھی۔ بچی تھی وہ...... یہ بیس، بیس سال کی لوٹھا بیٹھی ہیں مگر کام کاج کے معاملے میں پتھر ہیں...... ہاں گھومنے پھرنے میں دیدہ خوب ہوائی ہے...... مگر مجال ہے کہ کام کاج میں ذرا سا ہاتھ مار لیں...... ایسے آلکس سے کام کرتی ہیں کہ دل چاہتا ہے...... ان کا ہاتھ ہی نہیں لگوایا جائے...... اور کہا جائے کہ ''اے شہزادیوں...... تم بیٹھ کر پلنگ توڑو ہم خود ہی کر لیں گے۔ تم یونہی مہندی لگائے تخت پر بیٹھی رہو...... ہم گوند بھی لگا دیتے ہیں تا کہ تم ہل بھی نہ سکو اور یونہی چپکی ہوئی بیٹھی رہو۔'' اماں غصے

میں خوب بولے جاتیں اور ان کے طنزیہ جملے سن کر سطوط اپنی ہنسی گھونٹنے کے لیے دوپٹا منہ پر رکھ لیتی۔ سلمیٰ بھی بے آواز ہنستی اور تب ان کی آنکھوں سے پانی بہے چلا جاتا (آواز روکنے کا ایک یہی تو نقصان تھا) مگر اماں ان کے مسکراتے چہرے دیکھ کر مزید بگھر جاتیں۔

''کم بختیں مذاق اڑاتی ہیں...... نہ شکل صورت کی...... نہ تمیز اخلاق کی، اس پر سو ڈرے اور کہ کام کاج کی بھی پھوہڑ...... لگتا ہے کہ سب کا اچار ڈالنا پڑے گا۔''

''کوئی بھی مرتبان خالی نہیں ہے۔'' سطوط دھیرے سے کہتی۔

''یونہی سینے پر مونگ دلیں گی، یہ سب میرے......''

''ارے چھوڑیں اماں...... چلیں یہ لسی پی لیں......'' صادقہ اماں کا غصہ اتارنے کا فن جانتی تھی...... آدھا گلاس ابھی ان کے حلق سے اتر نہ پاتا تھا کہ انہیں سطوت کے دبلاپے کا احساس ستا جاتا۔

''اری ادھر آ مردار...... یہ تو پی لے...... کم بخت ناغے کے دن کی پیدائش...... کتنا ہی کھلا دوں...... مجال ہے کہ تجھ پر بوٹی چڑھے۔'' ویسے بھی آدھا گلاس ان کا غصہ کم کر دیا کرتا تھا۔ ماتھے کی سلوٹیں خود بخود ہی سمٹ جاتی تھیں۔

''میں نہیں پی رہی، پلا دیں آپ صادقہ باجی کو جو آپ کی سب سے زیادہ پیاری ہیں۔'' سطوت کو یہ ملال ہمیشہ سے تھا کہ سب سے چھوٹی ہونے کے باوجود اس کے لاڈ بالکل نہیں اٹھائے جاتے۔

''ارے...... اس جیسی بن تو سہی......'' وہ اس کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہتیں۔

''ایمان سے اماں...... یہ صادقہ باجی بڑی چالاک ہیں...... اپنی سفید چمڑی سے بڑے فائدے اٹھاتی ہیں۔ ان کے ہاتھ سے نقصان بھی ہو جائے تو اتنی معصوم بن جاتی ہیں کہ آپ کا سارا نزلہ ہم سب پر گرتا ہے اور یہ صاف بچ جاتی ہیں۔ کالج میں تقریریں کیا کرتی ہیں کہ للو چلانے کے تمام گر سیکھ لیے ہیں۔'' سطوت آنسو بہا کر کہتی۔

''چل تو یہ لسی پی لے۔'' اماں سطوت کو سینے سے لگا کر کہتیں...... دھان پان سی سطوت...... اماں کے سامنے بچہ بن جانے کا گر خوب جانتی تھی۔

یوں اماں کو بھی اس حقیقت کا احساس تھا کہ مانا صادقہ اپنی تمام بہنوں میں سب سے خوبصورت، سلیقہ مند ہے مگر زبان کی پیٹ بھر کر پھوہڑ ہے اور مزید ترقی کر رہی ہے۔

(شاید زیادہ لاڈ کا نتیجہ تھا)

''اری مت بولا کر...... ہر آئے گئے کے سامنے یوں...... تڑ تڑ...... لوگ دوسری جگہ جا کر باتیں بناتے ہیں۔'' صادقہ سے ان کا اختلاف صرف زیادہ بولنے پر ہی ہوا کرتا تھا۔ لڑکیوں کا یوں بے تکان بولنا انہیں قطعی پسند نہیں تھا۔

''میں کہاں بولتی ہوں۔ کس کے سامنے بولی تھی بھلا......؟'' صادقہ...... چندرا کر بہنوں کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرتی۔

''ہاں...... ہاں...... تم کہاں بولتی ہو۔ بڑی تائی کے سامنے کون پٹر پٹر بول رہا تھا، بھوری خالہ کے سامنے کس کی زبان چل رہی تھی اور مجیدن بوا کے سامنے کون فضیحتے کر رہا تھا۔'' اماں نے اسی وقت انگلیوں پر گن کر اسے جتایا۔

''اماں آپ کو تو سب کے سامنے منہ باندھ کر بیٹھنے کی عادت ہو گئی ہے...... جبھی تو لوگ منہ کھول کر جو دل چاہے کہہ جاتے ہیں۔ بڑی تائی جب بھی آتی ہیں کوئی نہ کوئی کھولتا ہوا جملہ کہہ جاتی ہیں۔ اس دفعہ آئیں تو سلمیٰ کو کہہ گئیں...... تم پیر گھسیٹ کر چل رہی ہو...... کیا لنگ ہو گیا ہے...... حالانکہ اس بیچاری کی چپل ٹوٹ گئی تھی جو نظر بھی آ رہی تھی۔ پچھلی مرتبہ آئیں تو بڑی سطوت کو بونی کہہ گئیں۔ شاہانہ کو گنجی کا خطاب دے گئیں...... تو کیا ایسے لوگوں کا منہ بند بھی نہ کیا جائے؟ بھوری خالہ کہنے کو تو آپ کی سگی چچازاد ہیں مگر آپا کے لیے وہ کیسا لیچڑ سا رشتہ لائی تھیں۔ ایسا تھرڈ کلاس رشتہ کیا وہ اپنی بیٹی کے لیے قبول کر سکتی تھیں اور مجیدن بوا...... کیوں دوسرے گھروں کی باتیں ہمارے ہاں بیٹھ کر بنا رہی تھیں کل وہ دوسرے گھر بیٹھیں گی تو یہاں کی لگائیں گی۔ ایسے لوگوں کا کیا مزاج درست نہ کیا جائے۔''

''ہاں...... ہاں بہت اچھے اطوار ہیں تیرے۔ ایک تو ہی تو عقل مند ہے۔ باقی سب تو باؤلے ہیں۔ چار حرف کیا پڑھ بیٹھی ہے کہ اپنے آپ کو علامہ سمجھنے لگی ہے۔''

اماں اپنی دانست میں علامہ کو بطور افلاطون سمجھا کرتی تھیں اور کسی کو علامہ کہنا ان کی جانب سے ایسا تھا جیسے کسی کے اینٹ مار دی ہو۔

''اماں صادقہ باجی کو بولنے کا احساس ہے کہاں؟'' سطوت بھی شرارت سے اماں کو خوب تاؤ دلایا کرتی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے تو...... اگر یہی رنگ ڈھنگ رہے تو بڑی آپا بھی اپنے شاکر کا

رشتہ واپس مانگ لیں گی کہ بھیا بہت دیکھ لی ٹرٹر کرنے والی لڑکی...... اس کو لا کر اپنا بھیجا چٹی تھوڑی کرنا ہے۔ ہم تو بھر پائے...... خاندان میں لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے۔"

"مانگ لیں واپس رشتہ...... میری جوتی سے...... میں کون سی اس کے لیے مری جا رہی ہوں...... کیا پتا میرے لیے کوئی شہزادہ گڑگڑاتا ہوا آ جائے۔"

"اچھا...... تو اب آپ کے لیے کوئی شہزادہ دروازے پر سوالی بن کر آئے گا......" سطوت کو پانی پیتے ہوئے اچھو لگ گیا۔

"آج کے شہزادوں کی اوقات کیا رہ گئی ہے...... اپنے محل کی کسی نوکرانی پر دل آ جائے تو محل سے نکل جانے کی دھمکی تک دے دیتے ہیں۔"

"ہاں، باجی کہہ تو آپ صحیح رہی ہیں...... آج کے راج کمار محبت کرتے ہوئے کلاس نہیں دیکھا کرتے ہیں۔"

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ کسی دن کوئی راج کمار مجھے ڈھونڈتا ہوا بھی چلا آئے گا...... صادقہ بیگم تم کہاں ہو...... دیکھو میں آ گیا ہوں۔"

"اری ہوش میں رہ، یہ شاکر میاں کا رشتہ ہی آ گیا تو بڑا غنیمت ہے، آج کل خالی خولی شکل نہیں دیکھی جاتی۔" اماں کلس ہی تو گئیں۔

"اُف خدایا...... یہ اماں، کیوں ایسی باتیں کرتی ہیں، میری خوبصورتی، میری تعلیم، میرا سلیقہ جس کی پورے خاندان میں دھوم ہے...... اتنا بے مایہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں شاکر جیسے دو کوڑی کے شخص سے بیاہی جاؤں...... اور پھر یہ شاکر میاں کہاں کے ایسے گلفام ہیں کہ ان کے لیے میرا دل بھی دھڑکے......" اپنے کمرے میں آ کر وہ بہنوں کے سامنے زعم سے بولی۔

"کیوں، دل دھڑکنے کا سامان کچھ اور قسم کا ہوتا ہے؟" سلمیٰ کو غصہ ہی تو آ گیا۔

"ہاں...... شاکر کو دیکھ کر دل ڈوب تو ضرور سکتا ہے دھڑکنے کا جواز بالکل پیدا نہیں ہوتا۔" برآمدے میں چھالیا کاٹتے ہوئے اماں کا سر گھوم کر رہ گیا اور وہیں سے لتاڑ لگائی۔

"صادقہ اپنے ہوشوں میں رہا کر...... کالج آنے جانے سے اور امیر لڑکیوں سے دوستی کرنے سے تمہاری جون نہیں بدلی...... مت بھولو کہ تمہارا باپ ایک معمولی شخص ہے...... کوئی امیر کبیر نہیں ہے...... جس طرح میں یہ گھر گھسیٹ کر چلاتی ہوں میں ہی جانتی ہوں۔"

"اللہ کا شکر ہے اماں...... پیٹ بھر کے کھاتے ہیں کسی کے آگے ہاتھ نہیں

پھیلاتے۔ بہت سوں سے اچھے ہیں ہم۔" صادقہ اماں کے سوچنے کا محور موڑنے کی کوشش کرتی۔

"آج کل بیٹے والے بہت کچھ دیکھتے ہیں، خالی خولی لڑکیاں بیاہ کر لے جانا کوئی پسند نہیں کرتا...... یہ تو بڑی آپا کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ شاکر میاں کا انہوں نے تمہارے لیے رشتہ دے ڈالا...... صرف رشتے داری کی وجہ سے یہ رشتہ آیا ہے...... ورنہ کتنی ہی دوستی کیوں نہ ہو غیروں سے یہ توقع ہرگز نہیں ہوتی ہے...... مگر تم لوگ اپنے طور طریقے یونہی رکھو گی تو برادری کے لوگ بھی بدک جائیں گے۔ لوگوں کو بدلتے دیر نہیں لگتی آج کل۔ ایسے بھی سب کے دماغوں میں خناس بھرا ہوا ہے۔ دوسرے کی سیدھی بات بھی ٹیڑھی لگتی ہے۔ ایسے میں سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے......" اماں کی تقریر شروع ہو جاتی تو بند ہونی مشکل ہو جاتی تھی۔

"ٹھیک ہے اماں سب کے کڑوے کسیلے جملے سن کر ہنستی رہا کریں......" صادقہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"برداشت پیدا کر برداشت...... اگر زبان کے نیچے یونہی خندق کھودتی رہی تو پھر ہو گیا گزارہ......!"

اماں سب رشتے داروں سے مل جل کر رہنے کی قائل تھیں ان کا کہنا تھا ایک وقت کم کھا لو مگر آئے ہوئے مہمانوں کو کبھی سوکھا نہ ٹہلاؤ۔ اور یہی وجہ تھی کہ فیض شاہ کے لاہور آنے کی خوشی میں وہ نہال ہوئی پھر رہی تھیں۔ یوں تو فیض شاہ نے اپنی آمد کی اطلاع ابا جان کو دی تھی مگر اماں کے ایسے اوسان خطا تھے کہ الٰہی توبہ...... جیسے کوئی قریبی عزیز ان کے ہاں آ رہا ہو۔ کھڑکیوں پر پڑے بدرنگ پردے اتار پھینکے تھے۔ تخت پر بچھی چارخانے کی بوسیدہ سی چادر نوچ ڈالی تھی۔

"اب یہ بدوضع کھڑکیاں یونہی ننگی بوچی رہیں گی۔" سطوت کو غصہ ہی تو آ گیا تھا۔ خوامخواہ اماں نے کام بڑھا دیا تھا اور وہ کام چور سدا کی تھی۔

"میں اور صادقہ پردے سی لیں گے۔ تخت کی چادر بھی بن جائے گی اور فیض شاہ کے لیے ریشمی رضائی بھی تیار کر لیں گے......" یہ سب بتاتے ہوئے ان کا لہجہ کھلا پڑ رہا تھا اور آنکھیں آپ ہی آپ مسکرا رہی تھیں۔

"ان سب چیزوں کے لیے ابا جان نے کوئی تھان لا کر رکھ دیا ہو گا۔" شاہانہ نے

غصے سے کہا ورنہ وہ تو اماں کے سامنے زیادہ بولنے سے پرہیز ہی کیا کرتی تھی۔

''اری گھبراتی کیوں ہے، میرے پاس دو چار دولی کی شیموز کی پرانی ساڑیاں رکھی ہیں۔ اب ان کو پہننے کا فیشن تو کب کا ختم ہو چکا ہے۔ دو ساڑیوں میں بیٹھک کے پردے بن جائیں گے ایک ساڑھی میں تخت کی جھالردار چادر بن جائے گی اور رہی عنابی شیموز کی ساڑی اس سے ایک خوبصورت رضائی تیار ہو جائے گی۔ ابرے کا کپڑا میرے پاس رکھا ہوا ہے۔''

''اماں...... مہمان کے آنے میں صرف دو دن باقی ہیں...... اتنے کم وقت میں یہ سب کیسے ہوگا......؟'' سلمٰی نے حیران سے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں سب ہو جائے گا۔'' لہجے میں اطمینان اور خوشی برابر تھی۔

''واہ' پورے گھر میں اماں کی ساڑیاں بہار بن کر چھا جائیں گی......'' سطوت نے جھوم کر کہا۔

''چلو کچھ تو گھر میں تبدیلی ہوگی...... ورنہ ایک ہی روٹین میں گھر کو دیکھتے دیکھتے دل بھر سا گیا ہے......'' سلمٰی نے بھی اماں کے فیصلے کی تائید کی۔

''اونہہ، بڑا اچھا لگے گا کہ ہر طرف ساڑیاں ہی ساڑیاں نظر آ رہی ہیں۔ رات کو مہمان بے چارہ سونے کے لیے بھی لیٹے تو ساڑی اوڑھ کر لیٹے، جدھر نظر دوڑائے...... ساڑیوں کے باڈر اور پلو نظر آئیں۔'' صادقہ نے اس تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

''اے واہ، اسے کیا پتا چلے گا......'' سطوت کو ہنسی آگئی۔

''سب پتا چل جاتا ہے...... کیوں بے چارے مہمان کو نفسیاتی مریض بنانے کا ارادہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی صبح اٹھ کر آپ سے بلاؤز اور پیٹی کوٹ کا تقاضا بھی کر دے۔''

''اے ہے...... وہ کیوں بھلا......؟'' صادقہ کی بات سن کر اماں کو بھی ہنسی آگئی۔

''وہ کہے گا کہ جب میں روزانہ ساڑی اوڑھ کر سوتا ہوں تو کسی دن بلاؤز اور پیٹی کوٹ پہن کر ساری لپیٹ بھی لوں تو کیا مضائقہ ہے۔'' صادقہ نے اچھے خاصے تمسخر بھرے لہجے میں کہا۔

''ارے بیٹا، ہر شخص اپنا گھر اپنی اوقات کے مطابق سنوارتا ہے ورنہ کس کا دل نہیں چاہتا اپنا گھر قیمتی چیزوں سے سجائے۔''

''یہ میں کب کہہ رہی ہوں......'' وہ بے اعتنائی سے بولی۔

''پھر مذاق کیوں اڑا رہی ہو؟ پرانی ساڑیاں بکسے میں پڑی جھینگروں کی خوراک بنیں اس سے بہتر ہے کہ وہ گھر میں استعمال ہو جائیں۔'' اماں اپنے مؤقف پر قائم تھیں۔

''اماں، ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اور آپ کو حدیں کراس کرنے کی عادت ہے......!'' اور واقعی یہ حقیقت تھی کہ چادر، رضائی اور پردوں کا مسئلہ حل کرنے کے لیے وہ اپنی چاروں بیٹیوں کو یوں سمجھا رہی تھیں جیسے کوئی سیاست دان اپنے گرگوں کو سمجھاتا ہے۔

''مجھے سب سے زیادہ خطرہ اسی صادقہ کی طرف سے ہے۔ دیکھنا اس کی زبان کوئی نہ کوئی رنگ ضرور دکھائے گی۔ اس سے خاموش نہیں رہا جاتا اگر کوئی جملہ مار بیٹھی تو سب کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا، بداخلاق مشہور ہو جائے گی تو چٹی چمڑی بھی کام نہیں آئے گی۔''

''اماں...... آپ بیکار میں پریشان ہو رہی ہیں۔ آپ سے وعدہ تو کر لیا تاں کہ میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گی۔ موصوف میرا نام بھی پوچھیں گے تو گونگی بن جاؤں گی اور اشارہ کر دوں گی کہ ہماری اماں سے پوچھ لو......'' اس نے اچک کر اشارہ کیا تو سلمٰی کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

''اب یہ باؤلے پنے کی حرکتیں کرنے کو بھی میں نے نہیں کہا۔''

''اری سلو ادھر آ...... کہہ کر آپ بھی بلانے کی کوشش مت کیجیے گا۔ اس طرح آپ کے نمبر بھی خاصے کٹ جائیں گے......'' اس نے الٹا انہیں ہی سبق دے دیا۔

''واقعی سطوت ٹھیک کہتی ہے...... مردار کی زبان کندھوں پر پڑی ہوئی ہے......'' ان کا غصہ ایک دم ہی سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

''افوہ...... نہ میرا بولنا پسند ہے اور نہ ہی میری خاموشی برداشت ہوتی ہے۔'' صادقہ کو ہنسی ہی تو آگئی۔

''انسانوں کی طرح رہتے ہوئے کیا موت آتی ہے تم سب کو...... سلمٰی کو ہزار دفعہ سمجھا چکی ہوں کہ تیرا قد چھوٹا ہے اور تو کسی آئے گئے کے سامنے مزید کندھوں کو جھکا کر چلتی ہے تو اور بونی بطخ نظر آتی ہے۔ سر اٹھا کر چلا نہیں جاتا کیا......؟ اور یہ شاہانہ اتنا اکڑ کر چلتی ہے کہ کمر پر دھموکا جڑنے کو دل چاہتا ہے۔ چلتی ہے تو پیر کو ترچھا اٹھاتی ہے۔ پنکی کہیں کی......''

اماں سب کے عیب گنوا کر کوسنے کاٹنے پر اتر آئیں اور یہ ان کا آخری حربہ ہوا کرتا تھا...... بقول سطوت کے گالیاں دے کر انسان کی طبیعت میں جو فرحت اور شگفتگی پیدا ہوتی ہے وہ دل کی دل

میں رکھ کر قطعی نہیں ہو سکتی اور اماں جان شاید اسی نسخے پر عمل کرنے کی عادی تھیں۔

ابھی آنے والے مہمان کے سواگت کی پوری طرح تیاریاں بھی تکمیل کے مراحل میں نہیں پہنچی تھیں کہ فیض شاہ اس چھوٹے سے گھر میں مہمان بن کر آ گئے۔ ان سے رشتے داری تو اتنے دور کی تھی جس میں نہ کسی کے نام یاد تھے اور نہ ہی قصبوں کے جھمیلوں میں ان کا کہیں ذکر آتا تھا مگر کسی زمانے میں دونوں گھرانوں میں دوستی کے تعلقات خاصے مضبوط رہے تھے۔ یہ قیام پاکستان سے پہلے کی بات تھی جب فیض شاہ کے والد کی شادی ہوئی تھی اور نہ ہی ابا جان کی...... اس زمانے میں ابا کے مالی حالات بھی خاصے اچھے تھے...... پاکستان بننے کے بہت عرصے بعد ابا جان کسی کام سے کراچی گئے تو کسی محفل میں فیض شاہ کے والد سے ٹکراؤ ہو گیا۔ دونوں پرانے دوست لپک کر ملے پرانی باتوں کو یاد کیا گیا۔ ابا جان بھی نہ جانے کس بوتے پر اپنا پتا دے آئے کہ لاہور آؤ تو میرے گھر آ کر ٹھہرنا حالانکہ ان کا گھر دیکھ کر ہی کسی کو بھی یہ حماقت کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔

اور اب وہ اسی وعدے کے تحت ان کے گھر آئے تھے۔ شاید ایڈریس سے بھی انہیں ابا کی حیثیت کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ ڈھائی کمروں کے مکان کا ایڈریس شاہجہاں منزل کے نام سے شروع ہوتا تھا جس پر ابا سے زیادہ اماں کو زعم تھا کہ ابا جان نے مکان ان کے نام بنایا تھا اور فیض شاہ وعدے کو ایفا کرنے ان کے گھر آئے تھے۔ وہ ابا جان کو چچا جان اور اماں کو چچی جان کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔ ان کے اس اندازِ تخاطب پر سطوت کئی دفعہ اپنی ہنسی گھونٹ چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ بہنوں سے مزید اشارے کنائے کر کے فیض کا مذاق اڑاتی...... صادقہ نے اسے آنکھوں، آنکھوں میں ایسا تاڑا کہ وہاں سے بھاگتے بنی تھی۔

فیض بے حد وجیہہ تھے...... فرنچ کٹ داڑھی اور سنہرے فریم کا چشمہ ان پر بہت سوٹ کر رہا تھا۔ وہ پرفیوم میں اس قدر ڈوبے رہتے تھے کہ ان کے آتے ہی گھر مہک سا جاتا تھا اور ایک، بے نام سی مسحور کر دینے والی خوشبو سب کو محسوس ہونے لگتی تو از خود معلوم ہو جاتا کہ باہر سے فیض آ چکے ہیں۔

''اُف...... کس قدر فرق ہے ان میں اور ہم لوگوں میں......'' صادقہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر سوچا۔

اماں اپنی عطر کی شیشی بھی تالے میں بند کر کے رکھتی تھیں۔ جمعے کے جمعے ابا کے

کرتے پر لگانے کے لیے یوں قطرہ ہتھیلی پر نکالا کرتی تھیں جسے خوردبین سے ہی دیکھا جا سکتا تھا اور فیض نے پرفیوم لگانے میں انتہا کر رکھی تھی وہ کسی کام سے گھر سے نکلتے تو تینوں بہنیں پرفیوم کی بوتلیں خوب شوں شوں کر کے اپنے اوپر لنڈھا تیں۔ واقعی مفت کے مال پر قطعی رحم نہیں آتا۔

''ارے میری چٹی بہنو...... خوشبو بھی بھلا کسی کی چرائی جا سکتی ہے۔ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوں گے...... انہیں فوراً پتا چل جائے گا کہ کس، کس نے میری پرفیوم کی بوتل چھوئی ہے۔'' صادقہ نے بہنوں کو سمجھایا۔

''اب اس کو تو چرانے سے رہے......'' سلمٰی نے ابرو چڑھا کر کہا۔

''کیوں، کیا زیادہ ہی پسند آ گیا ہے......؟'' شاہانہ نے شرارت سے پوچھا۔

''جی نہیں...... میرے ہاتھ کی لکیریں کہتی ہیں کہ پیسے والی کوئی شخصیت تمہاری طلب گار نہیں ہو سکتی، کوئی غریب ہی دستک دے گا۔ کوئی کلرک، کوئی مکینک......'' اس نے آزردہ سے لہجے میں کہا۔

''اے لو، یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ راجا کی آئے گی بارات والے ڈرامے میں کیسی غریب لڑکی کی شادی راجا سے ہو رہی ہے۔'' سطوت نے سلمٰی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی یہ اپنی، اپنی اپروچ کی باتیں ہیں جو ڈراموں اور کہانیوں میں آسانی سے ہو جاتی ہیں اور حقیقی زندگی میں کالے کوسوں دور رہتی ہیں۔'' سلمٰی نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اے ہے...... یہ کس کی باتیں ہو رہی ہیں۔'' اماں دالان سے گزریں...... تو آخری الفاظ ان کے بھی کانوں میں پڑ گئے تھے۔

''اماں...... ہم لوگ شاکر بھائی کی بات کر رہے تھے...... واقعی، وہ ہماری صادقہ باجی کے لیے بہت ہی مناسب ہیں۔ دولہا کو واقعی بدصورت ہونا چاہیے...... جبھی...... وہ اپنی خوبصورت دلہن کے آگے پیچھے گھوم سکتا ہے...... اور شاکر بھائی کے چہرے پر ہمہ وقت پھٹکار برستی رہتی ہے......'' سطوت نے آخری جملے دھیمے سے شرارت بھرے لہجے میں بولے۔

''خدا تجھے غارت کرے سطوت......'' صادقہ نے اسے مکا دکھایا اور آنگن سے اٹھ کر اندر چل دی...... کمرے سے باہر آتے ہوئے فیض کو دیکھ کر گنگ سی ہو گئی جو پی کیپ لگائے ہاتھوں کے کف لنکس بند کرتے ہوئے باہر آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک اچٹتی سی نظر صادقہ پر

ڈالی..... سر کی کیپ کو مزید ترچھا کیا اور تیزی سے باہر نکل گئے۔

ان کی سادگی سے ڈالی ہوئی نظر اس کے من کو خیرہ کر گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے خوابوں کا شہزادہ اس کے آنگن میں بھی اتر سکتا ہے۔

کالج کی سہیلیوں کے اسی ٹائپ کے کزن تھے۔ جن کی باتیں کرتے ہوئے وہ تھکا نہیں کرتی تھیں اور وہ چپ چاپ سب کی باتیں اس دلچسپی سے سنتی کہ ہر سہیلی اپنی کتھا صادقہ کو ہی سنانے کی آرزومند ہوتی۔

"اللہ صادقہ ..... ان کی پرسنالٹی اس قدر آفت ہے کیا بتاؤں جب وہ اپنے گولڈن بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے ہیں تو بالکل ہیرو لگتے ہیں..... " راحیلہ اس کی قریبی دوست اپنے کزن کی شاندار شخصیت کی باتیں ہمہ وقت اس سے کیا کرتی تھی اور صادقہ کے دل میں ہڑک رہ جاتی کہ اپنا کوئی کزن اس قابل ہی نہیں تھا جن کا ذکر کیا جائے مگر اب فیض کو دیکھ کر اس کے دل کی کلی پھول بن کر کھل چکی تھی مگر اس کے باوجود..... وہ بے حد محتاط تھی..... بار بار دل میں یہی وسوسہ پیدا ہوتا تھا..... اللہ کسی کو پتا نہیں چلے..... (اسکی گز بھری زبان آپ ہی آپ حلق میں سمٹ کر رہ گئی تھی) سہیلیوں کو تو بتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ صادقہ اپنی سوچوں میں خود ہی دہلے جا رہی تھی جیسے کوئی اس کے چہرے کو پڑھ رہا ہے..... دل میں راز رکھنا کتنا دوبھر ہوتا ہے، وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ برتنوں کو جونے سے مانجھتے ہوئے وہ بار بار اپنے دوپٹے سے چہرہ یوں صاف کرتی جیسے لکھا ہوا مٹا رہی ہو..... ہائے سلمٰی اور شبانہ کچھ سمجھ نہ جائیں.....

"توبہ، میں کیسی، کیسی باتیں سوچتی ہوں۔ ابا کی وہ بودی سی دوستی اتنی مستحکم کہاں سے ہو گئی جو باہمی رشتوں کی بیلیں بھی چڑھالیں گی۔ بھلا میں اور وہ بھی کبھی مل سکتے ہیں۔" یاس بھری سوچ اسے مارے دیتی۔ "دریا کے دو پاٹوں میں کہیں سنگم ہوا ہے۔" وہ اپنے آپ کو سمجھاتی۔ "وہ تو بس ..... ہنس سے ہنس بول لیتے ہیں، جانے میں کیوں خوش فہموں کے جال میں الجھ کر رہ گئی ہوں ..... سطوت کو پتا چلے تو دل بھر کے مذاق اڑائے گی میرا..... " ہر ایک کا مذاق اڑانے میں وہ آگے ہی آگے تھی۔

"ہونہہ ..... میں خوامخواہ پریشان ہوں۔" اس نے اپنا پسینہ دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے سوچا۔

"باجی، کیا بات ہے.....؟" سطوت اسے یوں ہکا بکا سی دیکھ کر بولی۔

"کچھ نہیں ..... کچھ بھی تو نہیں ..... " وہ اچھل ہی تو پڑی۔

"توبہ ہے ..... یہ پریشانیاں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں۔ خود ہی چلی آتی ہیں بغیر اجازت انہیں تو پتا بھی نہیں ہوگا کہ صادقہ بیگم جو یوں اکڑ کر گزر جاتی ہیں اندر سے کیسی کھوکھلی سی ہیں۔ ذرا بھی تناؤ نہیں رہا..... " اپنی حالت پر اسے خود تعجب سا تھا کہ یہ کیفیت کیونکر ہو گئی ہے۔ "رواں رواں ان سے متاثر ہو چکا ہے ..... مگر خدا کا شکر ہے کہ سب لاعلم ہیں۔ خبردار جو ان کو پتا بھی چلے ..... ورنہ صادقہ تمہاری خودداری کا جنازہ نکل جائے گا۔" وہ خود کو سمجھاتی، الجھتی اور پھر گڑھ کر رہ جاتی۔

من میں جانے بے کلی سی کیوں بڑھ گئی تھی ..... اتنی بے کلی تو پڑوس کی شمو کا جہیز تاکتے وقت بھی نہیں ہوئی تھی۔ بس میٹھا میٹھا سا درد اٹھ کر رہ گیا تھا۔ اب تو نہ جانے کیسی چنگاری کلیجے میں جا چھپی تھی جس کی دھیمی دھیمی سی آنچ نے اس کے من میں ایک آگ سی لگا کر رکھ دی تھی۔ وہ اپنے شوریدہ جذبوں کو حقائق کے تھپڑوں سے کچلتی، دباتی، مٹاتی مگر کسی چیز کو مٹانا چاہو تو وہ مٹ تھوڑی سکتی ہے۔ چونے کو دیوار پر تھوپ دو تو وہ بھی جھڑ جاتا ہے۔ برتنوں پر قلعی کروالو تو وہ بھی اتر ہی جاتی ہے ناسور پر چاہے کتنی ہی دھجیاں لپیٹ لو، رہے گا وہ ناسور ہی تو اس کے جذبے کیسے مر جاتے۔ من کی بے کلی کیونکر ختم ہو جاتی ..... چاہے اور چاہے جانے کا جذبہ کیونکر مٹ جاتا۔ ہاں، اس کی محتاط روش سے سب بے خبر تھے ..... وہ کبھی غصے میں بھنا کر کام کرتی تو کبھی چیخ چیخ کر اور کبھی اس پر ایسی مردنی سی چھا جاتی جیسے وہ کوئی زندہ لاش ہو۔ دودھ ابلتا تو دیکھتی رہتی ..... اتنا نہ ہوتا کہ صافی سے پکڑ کر دیگچی کو نیچے ہی اتار لے۔ جب اماں صلواتیں سناتیں تو وہ ہنس پڑتی ..... لو نیچے دھڑ دھڑ لکڑیاں جل رہی ہوں تو پھر بھی دودھ نہ ابلتا۔ اماں تو سدا کی سیدھی سادی عورت تھیں جو بے وقوفی کی بات تو کر سکتی تھیں ..... مگر مکاری کی بات کرنا تو درکنار سمجھ تک نہیں سکتی تھیں اور آج بھی اسے اماں پر غصہ سا آ کر رہ گیا۔

"توبہ سارے بال اجاڑ دیے ..... آگ لگے کالج کی پڑھائی کو ..... ساری کتابیں سب بال چاٹ گئیں ..... کیسی موٹی چٹیا تھی ..... کمر سے نیچے تک آتی تھی ..... دیکھتا فیض بیٹے ..... اب اپنی صادقہ کے بال ہلکے ہو گئے ہیں نا.....؟" اماں نے اس کے اچھے خاصے لمبے بالوں کی چٹیا ان کے سامنے کھول دی جیسے وہ اس سے قبل اس کی گھٹائیں دیکھ چکے ہوں۔ وہ جلے

ہوئے بال نہ صرف اس کی پشت پر پھیل گئے بلکہ اس کے چہرے پر بھی بکھر گئے اور وہ تیل کی شیشی اٹھا کر وہاں سے بھنا کر بھاگی۔

''توبہ......اماں سے تیل لگواؤ تو پہلے بالوں کی نشوونما پر پورا لیکچر سنو اور یہ بھی بھلا کوئی تک تھی کہ کسی دوسرے کے سامنے بال یوں بکھیر کر دکھائے جاتے اور چلو اماں نے اپنی سادہ لوحی میں چٹیا کھول ہی دی تھی تو فیض صاحب کو کیا ضرورت تھی کہ اپنا چشمہ اتار کر یوں پلکیں جھپکائے بنا ایسی گہری گہری نظروں سے دیکھیں۔ایسی نظریں جو اسے برمے کی سی تیزی سے چھید رہی تھیں......وہ نظریں جن کی تپش سے وہ جھلسی جا رہی تھی۔تب وہ بھاگتی نہ تو بھلا کیا کرتی۔

فیض اپنی ایک دفتری میٹنگ میں شرکت کرنے کے لیے لاہور آئے تھے میٹنگ تو چار روز میں ختم ہو گئی تھی لیکن ان کا یہاں دل ایسا لگا تھا کہ وہ جانے کا نام نہیں لے رہے تھے......اماں سے خوب باتیں کرتے، سطوت سے بھی خوب مذاق ہوتا۔شاہانہ اور سلمٰی سے بھی خاصی باتیں کر لیتے...... ہاں صادقہ کی کم گو طبیعت دیکھتے ہوئے اس سے کم ہی مخاطب ہوتے......جب کبھی وہ بات کرتے صادقہ انتہائی سنجیدگی سے جواب دیتی......نظریں نیچے ہی گڑی رہتیں......مگر دل یوں دھڑک اٹھتا جیسے ابھی باہر نکل آئے گا۔آخر اماں سے زباں بندی کا وعدہ جو کیا تھا' وہ ان کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرتی۔اس کی خم دار پلکیں تھوڑی سی اوپر اٹھتیں اور پھر اپنی ایڑیوں پر ہی جم جاتیں۔بولتی ہوئی آنکھیں، سوال کرتی ہوئی آنکھیں، سراہتی ہوئی آنکھیں۔اس کو کپکپا سی دیتیں اور وہ خوامخواہ چپل کی نوک سے مٹی کریدے جاتی......اور پھر کس بوتے پر وہ ان سے نظریں ملا سکتی تھی......اس کا بھلا ان سے جوڑ ہی کیا تھا۔

''کیسا محل جیسا تو ان کا گھر ہے۔چم چم کرتے کمرے...... بڑا سا لان، کوریڈور ہر سمت ہریالی''......یہ سب نقشہ ابا جان نے کھینچا تھا......''بیس برس پہلے ان کا گھر اتنا پیارا تھا تو اب تو نہ جانے مزید کتنا خوبصورت ہو گیا ہو گا اور خود بھی تو کسی شہزادے سے کم نہیں ہیں......ساری سہیلیاں جو اپنی فائلوں میں اپنے ہوتوں سوتوں کی تصویریں دکھایا کرتی تھیں......فیض ان میں اول نمبر پر ہیں۔کیسی مسحور کن شخصیت ہے ان کی......آواز کس قدر امرت آمیز کہ بندہ کھنچا چلا جاتا......اور وہ خود کیا تھی۔کچھ بھی تو نہیں تھی۔خالی مٹھی کی طرح کھوکھلی۔''

اس کی زندگی کسی ٹھنڈی چائے کے مانند بے مزہ اور بے کیف تھی اور پھر چاروں اور غربت کی آکاس بیل نے اس کے حسن کی بھی مارکیٹ ڈاؤن کر دی تھی۔

''وہ تو یونہی سادہ سی نظروں سے دیکھتے ہوں گے...... یہ میرے دل میں چور ہے ناں...... جبھی سارے تارنج اُٹھتے ہیں......'' وہ اپنے آپ کو خود ہی سمجھاتی......اور پھر گھر کے مسائل میں الجھ جاتی۔

ابا کی معمولی تنخواہ......گھر کا ڈھیر سارا خرچ......جیسے بمشکل وہ پڑھ رہی تھی یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔اماں ہر پہلی کو اس کے کالج کی فیس کیسے جھکا جھکا کر دیتی تھیں......اپنے اور اپنی بہنوں کے شوق پورے کرنے کے لیے وہ چار لڑکیوں کو ٹیوشن دیتی تھی جو اس کے اور اس کی بہنوں کے کام آتے تھے۔

فیض بے شک ان کے ہاں پہلی دفعہ آئے تھے......مگر اتنے اندھے نہیں تھے۔آتے ہی اماں کے کانوں کے لیے سونے کے ٹاپس لے آئے تھے۔بقول ان کے......ایسے ہی ٹاپس انہوں نے اپنی والدہ کے لیے بھی لیے تھے۔اماں کے خالی کان کتنے برے لگا کرتے تھے اور اب خوبصورت ٹاپس ان کے چہرے پر کیا ہی اچھے لگ رہے تھے۔

ایک صبح ان کے کانوں میں بھنک پڑ گئی کہ آج سطوت کی سالگرہ ہے......تو شام کو سونے کی خوبصورت چین اس کو تحفے میں انہوں نے دے دی تھی۔

''بیٹا......اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی...... جب کہ نہ یہاں سالگرہ ہو رہی ہے اور نہ ہی کوئی تقریب۔'' ان کی یہ سخاوت دیکھ کر اماں خجل سی ہو گئی تھیں۔

''سطوت میری چھوٹی بہن جیسی ہے......جب میں اپنی بہن کو چین تحفے میں دے سکتا ہوں تو سطوت کو کیوں نہیں......؟''

''فیض بھائی......کیا کراچی میں آپ کی جیولری کی شاپ ہے۔'' سطوت نے ہنس کر کہا تھا۔''جب بھی کسی کو تحفہ دیتے ہیں گولڈ کا ہی دیتے ہیں۔'' سطوت نے ہنس کر کہا تھا۔اور فیض بے اختیار ہنس پڑے تھے۔

''مجھے تو بس اتنا معلوم ہے کہ گولڈ خواتین کو پسند ہوتا ہے خاص طور پر لڑکیوں کو تو بہت......ہے ناں صادقہ......'' وہ یکدم گھوم کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے......جیسے اس کا ووٹ لے رہے ہوں۔

''پتا نہیں......'' وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے جھپاک سے اندر چلی گئی......دالان میں

ان کے سامنے کھڑا ہونا اس کے لیے کہاں آسان تھا۔

"بھئی جب سب کے لیے گولڈ کے تحائف آ رہے ہیں تو ہم بھی سالگرہ کر لیتے ہیں...... کبھی زندگی میں تو یہ تقریب کی نہیں...... مگر فیض بھائی سے ہمیں بھی فیض تو ملنا چاہیے۔"

دونوں بہنیں اپنے کمرے میں باتیں کر رہی تھیں...... اور دوسرے کمرے میں فیض مسکراتے لبوں سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ شام کو وہ جب گھر آئے تو سب بہنوں کے لیے مختلف اقسام کی سونے کی بالیاں ان کے ہاتھ میں تھیں۔ جھمکے والی بالی...... انہوں نے علیحدہ کر کے سلمٰی اور شاہانہ کو بالیاں دیں۔

"اور یہ بالیں کس کی ہیں......؟" شاہانہ نے پوچھا۔

"یہ صادقہ کے لیے ہیں......" وہ اماں کی جانب بڑھاتے ہوئے بولے۔

"بیٹا...... یہ سب کیوں کر رہے ہو؟"

"اماں...... آپ مجھے بیٹا بھی کہہ رہی ہیں اور پھر منع بھی کر رہی ہیں۔" وہ برا مانتے ہوئے بولے۔

"میرا مطلب تو یہ تھا کہ خوانخواہ کا خرچہ نہیں کرنا چاہیے...... اتنے مہنگے، مہنگے تحفے...... کون کسی کو دیا کرتا ہے۔"

"میں دیتا ہوں...... اپنے گھر میں بھی اسی طرح لاتا ہوں میری عادت کیسے چھوٹ سکتی ہے۔" وہ نادم لہجے میں بولے تو اماں کو بے اختیار پیار آ گیا۔

"واقعی یہ فیض بھائی تو ہمارے گھر شہزادوں کی سی آن بان کے ساتھ آئے ہیں...... ہزاروں روپے کے گفٹ دے چکے ہیں اور ماتھے پر ایک شکن نہیں، لبوں پر تکبر کا ایک جملہ نہیں۔ احسان جتانے کا کوئی انداز نہیں۔ ایسے بھی مہمان کسی کے گھر آتے ہوں گے۔" سطوت کہہ رہی تھی...... اور صادقہ ساکت سی بیٹھی سب کی باتیں سن رہی تھی۔

☆☆☆

وہ پیر کا...... دن تھا جب صادقہ کو کالج سے آنے میں دیر ہو گئی تھی بس سے اترتے ہی سینڈل کا اسٹریپ بھی ٹوٹ گیا تھا۔ بڑی مشکلوں سے پیر گھسیٹ کر وہ گھر تک آئی اور اماں کے فضیحتے اس کی شکل دیکھ کر شروع ہو گئے۔

"آج کہاں چلی گئی تھیں...... گھر آتے آتے چار بج گئے...... سردیوں کے دن

ویسے ہی چھوٹے ہوتے ہیں...... اب جھٹپٹا ہونے ہی والا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ دو بجے کے بعد میں چوکھٹ پر کھڑی ہو جاتی ہوں۔ کم از کم کہیں جایا کرو تو پہلے بتا کر جایا کرو۔"

"امی میں کہاں جاتی ہوں، یہ آپ جانتی ہی ہیں...... ایسی کون سی سہیلیاں بنانے کی شوقین ہوں کہ کالج سے تھکی ہاری اپنے گھر آنے کے بجائے ان کے گھروں میں جھانکتی پھروں گی۔" اسے غصہ ہی تو آ گیا۔

"میں تو ہول گئی تھی۔ جانتی ہے تو چڑیا سا دل ہے میرا۔ تجھے ذرا بھی دیر ہو جائے، مجال ہے کہ کبھی اچھا خیال آئے۔ دل کم بخت ہمیشہ بھاڑ کی طرح پھنک کر رہ جاتا ہے۔ میں نے سوچا شاید آج کہیں چلی گئی ہو۔"

"حد کرتی ہیں اماں آپ بھی، اس سے پہلے میں کہیں گئی ہوں جو آج جاتی۔ یہ سوکھے سڑے سینڈل دیکھیے...... آج بھی ان کے طفیل دیر ہوئی ہے...... آئے دن تو یہ ٹوٹ جاتے ہیں آج بھی بس اسٹاپ سے پیر گھسیٹتی ہوئی گھر پہنچی ہوں...... یہ نہیں ہوتا کہ کالج جانے کے لیے کوئی اچھا سا جوتا دلوا دیں...... پیر رگڑ کر چلنے سے کس قدر سرخ ہو گیا اور انگلیاں علیحدہ متورم ہو گئی ہیں۔"

"آ جائیں گے جوتے بھی، پہلے پیٹ کا دوزخ بھرنا ہوتا ہے۔" اماں خاصا کلس کر بولی تھیں۔ ان کا اکتایا ہوا لہجہ گھر کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچ رہا تھا۔ فیض کی کھنکھار سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اندر کمرے میں سطوت سے باتیں کر رہے ہیں اور سطوت ان کو چھیڑنے میں کسی قسم کا لحاظ نہیں رکھا کرتی تھی۔

"اماں پلیز، آہستہ بولیں...... گھر میں مہمان کی موجودگی میں کوئی اس طرح چلا کر بولا جاتا ہے...... آپ تو گھر کے سارے ہی راز فاش کیے دے رہی ہیں۔ ساری باتیں مہمان نے سن لی ہوں گی...... کیا سوچتے ہوں گے بھلا؟" صادقہ نے آواز گھونٹ کر ماں سے کہا۔

"اے لو...... وہ کہاں سے مہمان ہو گیا...... وہ تو گھر کا بچہ ہے۔" اماں سادہ لوحی سے بولیں۔

"پلیز اماں...... اپنے گھر کے فضیحتے...... باہر والوں کو مت سنایا کیجیے، مذاق اڑاتے ہیں سب۔ دیکھ لیجیے گا یہ فیض بھی اپنے گھر میں جا کر خوب ہنسیں گے...... روزانہ سنایا کریں گے ہمارے گھر کی کہانیاں......؟ ہاں۔"

"صادقہ باؤلی تو نہیں ہو گئی......کوئی نہیں ہنستا۔ایسی باتیں تو ہر گھر میں ہوتی ہیں۔"

"جی نہیں، آپ کا خیال غلط ہے......" وہ دانت پیس کر مزید رازدارانہ لہجے میں سمجھاتی۔

"ارے تو فیض کو مہمان مت سمجھ......وہ بے چارہ تو مہمانوں کی طرح ایک دن بھی نہیں رہا۔" اماں کا سادہ لہجہ امرت برسا رہا تھا۔ان کو مزید سمجھانا قطعی محال تھا۔وہ یونیفارم بدلنے کے لیے اندر چلی گئی مگر ذہن میں اماں کی باتیں ریس کے گھوڑوں کی طرح دوڑ رہی تھیں۔

اماں اپنے گھر میں آنے والوں کو اپنا ہی سمجھا کرتی تھیں۔سب ان کے اپنے ہی بچے تھے۔ہر ایک کے سامنے کلیجا ہلکا کر کے انہیں چین ملا کرتا تھا۔بڑی ممانی کے وقار، چھوٹی ممانی کے سجاد اور خالہ بی کے شاکر میاں کے سامنے بھی اماں یونہی دھڑلے سے بولا کرتی تھیں اور دورانِ گفتگو کوئی بھی انہیں چپ نہیں کروا سکتا تھا۔پہلے صادقہ کو ان کی باتیں اتنی بری نہیں لگتی تھیں کہ ان کے گھر بھی ٹاٹ کے پردوں سے سجے ہوئے تھے۔اماں کی باتیں ان کے اپنے گھروں کی ہی باتیں تھیں اور ان کی ماؤں کی گفتگو بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی تھی۔

"آج گھی کا ڈبا ختم ہو گیا......دال میں نے پڑوسن سے گھی مانگ کر بھگاری۔دیکھو لڑکیو اس چینی میں دو دن اور نکال لو......پھر خیر سے پہلی آ ہی جائے گی۔ہاں چائے کی پتی ہلکی ڈالو......مہینے کے آخر میں سلیقے سے چلنا پڑتا ہے۔اری صابن نہیں ہے، کپڑے مت بھگوؤ......دو دن صبر کر لے پھر لگانا دھوبی گھاٹ......ہاں شاہانہ سے کپڑے مت دھلوانا......صابن ایسا بہاتی ہے جیسے اس کے باوا کا صابن کا کارخانہ ہو۔" وقار، سجاد اور شاکر میاں جب آنکھوں میں سپنے سجا کر ان کے ہاں قدم رکھتے تو اس کا دل چاہتا کہ انہیں انہی قدموں واپس لوٹا دے کہ......دفع ہو جاؤ......میرے گھر میں قدم رکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے......بارہا اس کا دل چاہا کہ ان کی آنکھیں نکال دے۔

"اُف، یہ سب لوگ یہی چاہتے ہیں کہ میں ساری زندگی غربت کی چکی میں پستی رہوں۔"

"صادقہ، کسی دن تم ہمارے گھر آؤ ناں۔" شاکر جب اس سے کہتے تو ان کے چہرے پر حماقتیں خاصا مجمع سا لگا لیتیں یا ایسا اسے ہی محسوس ہوتا۔

"میں کوئی فالتو بیٹھی ہوئی ہوں۔" وہ تڑ سے جواب دیتی۔

"یہ میں کب کہہ رہا ہوں......" وہ گھگیا جاتے......آنکھیں خوامخواہ مسکرا کر سوالیہ بن جاتی تھیں۔

"آپ کو پتا نہیں یہ امتحانی سیزن ہے......" وہ مزید قابلہ بن جاتی۔

"چلو اتوار کو آ جاؤ......اس دن تو کالج نہیں جاتی ہو۔" وہ زبردستی ہنسا کرتے۔

"مگر کیوں آؤں......کوئی وجہ ہو......؟" وہ ابرو چڑھا کر کہتی۔

"وہ تمہیں اماں پوچھ رہی تھیں......بہت دن سے تم آئی جو نہیں......" وہ ہڑبڑا کر کہتے۔

"خیریت......خالہ بی پرسوں تو ہو کر گئی ہیں یہاں سے......" ان کو باؤلا بنانے میں اسے خاصا مزہ آتا تھا۔

"اماں اتوار کو مسالے والی بریانی پکا رہی ہیں......کہہ رہی تھیں اپنی صادقہ سے بھی کہہ دینا......وہ بڑے شوق سے کھاتی ہے......" شاکر کے چہرے پر رونق سی آ جاتی۔

"ارے مجھے کہاں فرصت ہے کہیں جانے کی......ایک چھٹی کا دن اور ہزار کام کرنے ہوتے ہیں اور پھر سو باتوں کی ایک بات کہ اب مجھے بریانی کھانے سے اتنی رغبت بھی نہیں رہی ہے۔"

"جھوٹ مت بولو، تمہاری تو یہ ہمیشہ سے پسندیدہ ڈش رہی ہے۔" وہ اپنی معلومات کا ڈبا کھولنا شروع کرتے۔"ہاں مٹر چاول بھی پسند ہیں......مگر بریانی کا نمبر پہلا ہے......" وہ یوں بولتے جیسے اس کی پسند......ناپسند کے بارے میں رتی رتی معلومات رکھتے ہوں۔

"ہاں، پہلے تھی مگر اب نہیں رہی......ایمان سے سانس ہو جاتا ہے اگر میں جاڑوں میں چاول کی پھنکی بھی کھا لوں......" وہ انتہائی بے اعتنائی سے کہتی۔

"پھر جو تم کہو گی، وہی پکوا دیں گے......گھر کی مرغی بھی ست سی ہے، کہو تو وہ کاٹ کر تمہاری دعوت کر دیں......" شاکر میاں سادگی سے کہتے مگر ان کا لہجہ لگاوٹ سے چور چور ہوتا۔

"توبہ ہے، آپ تو پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں......میں نے کہہ تو دیا ہے کہ میں مصروف ہوں، ہرگز کہیں نہیں جا سکتی اور بیمار مرغی کھانے کا مجھے نہ تو شوق ہے اور نہ حوصلہ......!" تب ان کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی اور وہ اس کو گہری نظروں سے تکتے ہوئے اپنے گھر چلے

جاتے ......ان کے جانے کے بعد اماں کھول کر رہ جاتیں......انہیں صادقہ کا یہ انداز قطعی پسند نہ آتا اور وہ ہمیشہ اس کو بے بھاؤ کی سناتیں۔

''صادقہ......واقعی بہت بڑی زبان ہے تیری،......اس گز بھر کی للو کو اپنے منہ کے پٹارے میں بند رکھا کر......کیوں گوشت کی بوٹی سے کوڑے کا کام لیتی ہے، تمیز سے بات کرنے میں حرج کیا ہے......؟ واقعی......تو تو کالج میں پڑھ کر بھی اجڈ کی اجڈ ہی رہی......جب کہ تجھے معلوم ہے کہ بڑی آپا نے شاکر میاں کا رشتہ بھی دے رکھا ہے۔'' ان کا ہر چوتھا جملہ یہی ہوتا تھا۔

''ہم نے کون سا ان کا رشتہ قبول کر لیا ہے......کون سی میں نے اس کے نام کی انگوٹھی پہن لی ہے......'' وہ غصے میں سرخ تڑ سے بولی۔

''صادقہ، واقعی تیرے دیدوں کا پانی مر گیا ہے، ہوش میں رہ ہوش میں...... پہلے لڑکیاں شرمایا کرتی تھیں، اور اب تم جیسی لڑکیاں نکو بنا کر بھیجتی ہیں......کوئی اس طرح بات کرتا ہے......''

''میں نے کیا کہا ہے آخر......؟'' وہ پیر پٹخ کر بولی۔

''ہیں بی بی......ابھی کون سی کسر باقی تھی...... ایک ڈھیلا کس کے مارتی اس نگوڑ مارے کے...... پٹی باندھ کے اپنے گھر جاتا......تب تجھے صبر آتا......یا تیرے دل کو طمانیت ملتی۔''

''اللہ اماں! کلی کا پھندنا بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے......ذرا سی بات کا سرا کہاں تک لے گئیں۔''

''ہاں، ہاں تو ہمیں بھی باؤلا بنا دے......اپنی اوقات مت بھول...... جہاں دوات میں آنا اور قلم سے کھانا ہو......تو وہاں کے لوگوں کا شمار امیروں میں تو نہیں ہو سکتا ناں اور پھر شاکر اچھا خاصا لڑکا ہے۔ گورنمنٹ آفس میں اب ہیڈ کلرک ہو گیا ہے۔ ٹیوشن علیحدہ کرتا پھرتا ہے، ماشاءاللہ......اس کی اچھی کمائی ہے۔ آپا نے رشتہ بھی بڑی چاہت سے مانگا ہے، آخر برائی کیا ہے؟ امتحان سے فارغ ہو لو تو کم از کم میں تم سے ہی فارغ ہو جاؤں۔''

''اماں پلیز......میرے لیے تو آپ سوچیے بھی نہیں...... اوروں کے لیے دیکھیے، آخر میرے علاوہ تین بیٹیاں اور بھی ہیں...... پہلے ان کا قصہ پاک کر دیجیے نا، آپ میرے ہی

پیچھے کیوں پڑی رہتی ہیں؟''

''کیوں تیرے لیے آکاش سے شہزادہ اترے گا؟'' وہ جل کر کہتیں......صادقہ اگر ان کی چہیتی بیٹی تھی تو اس کی باتیں ان کا دل بھی جلا دیا کرتی تھیں۔

''کیا پتا صادقہ باجی کے لیے کوئی شہزادہ آ رہا ہو......راکٹ پر بیٹھ کر۔'' سطوت، شاہانہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہتی۔

''ٹی وی کے ڈرامے دیکھ کر سب کا ہی دماغ خراب ہو گیا ہے...... یہ شہزادے اور راج کمار صرف ڈراموں میں ہی غریب لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں...... حقیقت میں نہیں...... اب تو امیر گھرانوں کے لڑکوں کو دان جہیز زیادہ چاہیے ہوتا ہے۔ یہ بیچارے غریب ہی ہوتے ہیں...... جو غریبوں کا خیال کرتے ہیں...... امیر تو لالچی ہوتے ہیں ہاں۔'' اماں کی زبان کھل جاتی تو رکنے میں نہیں آتی تھی......صادقہ کی باتیں ان کا خون کھولا کر رکھ دیا کرتی تھیں۔

جب سے فیض ان کے گھر آئے تھے......صادقہ کو ایسا لگتا......کہ اس کا خوابوں کا شہزادہ راکٹ پر بیٹھ کر ان کے صحن میں اتر آیا ہو......ان کا کراچی سے جہاز میں آنا بھی ان کی امارت کی ایک نشانی تھی جس سے سارے گھر والے مرعوب ہوتے چلے جا رہے تھے۔

''ریل میں جاؤ تو چار جوڑے سفر میں میلے ہو جاتے ہیں اور ہل ہل کر دماغ تک ہل جاتا ہے۔'' ابا جان نے نئی تاویل پیش کی جیسے کہ وہ آئندہ کبھی ریل کی شکل نہیں دیکھیں گے۔

''جہاز جب جن کی طرح چنگھاڑتا، دہاڑتا اڑتا ہے تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے......'' سطوت نے بھی اپنا ووٹ جہاز کے سفر کے حق میں دے دیا۔

''ریل میں نیند اس قدر آتی ہے کہ توبہ......جگہ جگہ بے وجہ ٹھہر جاتی ہے، میرا بس چلے تو ریل کی پٹریوں سے بھی جہاز اڑا دوں......'' شاہانہ کی انوکھی بات سن کر سبھی ہنسنے لگے، سلمیٰ کو تو ہنستے ہنستے اچھو لگ گیا۔

''اگر ریلیں بھی اڑنے لگیں تو جہاز کا کرایہ کم ہو جائے گا......'' شاہانہ نے پھر نئی منطق پیش کی۔

''آپ کا کیا خیال ہے...... جہاز کے کرائے واقعی کم ہو جائیں گے، آخر کتنا فرق پڑ سکتا ہے؟'' فیض نے مسکراتے لبوں سے صادقہ سے پوچھا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں، میں آج تک کبھی جہاز میں بیٹھی ہی نہیں، میں نے تو ایئر ہوسٹس کو بھی کیلنڈر میں دیکھا ہے۔ کبھی جیتی جاگتی، چلتے پھرتے کوئی ایئر ہوسٹس دیکھی ہی نہیں......'' اس کے لہجے میں ایک ملال سا آ گیا۔

''کیا بغیر تجربے کے آپ کوئی رائے دینا پسند نہیں کریں گی؟''

''جی نہیں......''

''حیرت ہے۔'' انہوں نے کندھے اچکائے۔

''کیوں، اس میں حیرت کی بات...... ہر شخص کا اپنا، اپنا نظریہ ہوتا ہے...... جو چیز میں نے دیکھی ہی نہیں اس کے بارے میں آپ کو کیا بتاؤں؟''

''اچھا باقی سب لوگ بیٹھ چکے ہیں...... جہاز میں......'' وہ مسکرائے۔

''ارے، آپ مذاق اڑانا بھی جانتے ہیں......'' وہ تنک کر بولی اور ناراض سی ہو گئی۔

''بخدا یہ بات نہیں...... میں تو بس آپ کی رائے جاننے کا خواہاں ہوں اور بس......! چلو کوئی بات نہیں...... ایسا بھی ہوتا ہے......'' وہ خوامخواہ مسکرانے لگے۔

''ارے بیٹا...... ہمیں تو جہاز کے اندر کا حال بتاؤ...... اس میں بیٹھ کر ڈر تو نہیں لگتا۔''

اماں جہاز کے بارے میں ایک، ایک بات تفصیل سے پوچھ رہی تھیں اور ان کے اس انداز پر وہ از خود نادم سی ہو رہی تھی۔ غربت اور بے مائیگی کی ایک، ایک آنچ وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی...... مگر ایک فیض تھے...... کہ ایک، ایک بات اماں کو اتنی تفصیل سے بتا رہے تھے جیسے چند دن بعد انہیں کسی ضروری کام سے جہاز میں تنہا جانا ہو...... اور نہ بتانے کی صورت میں ان کو کسی پریشانی سے دوچار ہونا پڑ جائے۔

''ہاں تو بیٹا، کیا بتا رہے تھے تم کہ دکھیا ایئر ہوسٹس بچے کی بوتل میں دودھ بنا کر بھی دے دیتی ہے۔''

''جی ہاں، بالکل۔'' ان کے لب فراخی سے مسکرا دیے اور وہ سرخ پڑ گئی۔'' اماں کو بوتل سے دودھ پیتے بچے ہی مضحکہ خیز لگا کرتے تھے اپنے سب بچوں کو انہوں نے اپنا دودھ جو پلایا تھا۔

''اے لو کیا وہ ہماری پٹاری سے پان بنا کر کھلا دے گی ہمیں......'' وہ مزید چٹخارے لے کر پوچھتیں۔

''اماں وہ پان چبا کر آپ کے منہ میں بھی ڈال دے گی اور آپ کے دانتوں میں خلال بھی کر دے گی......'' اسے غصہ ہی تو آ گیا...... کیا ضرورت تھی اتنی تفصیل میں جانے کی مگر اماں کی سوئی کہیں اٹک جاتی تو مجال ہے کہ وہ دوسرے کا پیچھا چھوڑ دیتیں۔

''اے لو جہاز میں سفر کرنے کے تو بہت مزے ہیں۔''

''ہاں چچی...... یہ بات تو ہے۔'' وہ رسان سے کہتے۔

''ارے ہاں، یہ تو پوچھنا ہی بھول گئی کہ مسافر جگہ کے چکر میں ایک دوسرے سے لڑتے تو نہیں ہیں۔''

''نہیں چچی...... ایسی بات نہیں ہوتی...... وہاں ہر ایک کی سیٹ پر نمبر درج ہوتے ہیں۔''

''ارے بھیا...... نمبر تو ریل میں بھی درج ہوتے ہیں مگر وہاں کی لڑائیاں دیکھو...... بعض دفعہ تو جوتم جاتم تک ہو جاتی ہے اور کچھ چنڈال چوکڑیاں تو خاندان تک کے بخیے ادھیڑ دیتی ہیں۔'' صادقہ اپنا وعدہ بھلا کر انہیں خاموش کرنے کے تمام حربے اپناتی...... سلمٰی، شاہانہ اور سطوت بھی صادقہ کا مدعا سمجھ کر اماں کو واضح چپ ہونے کے اشارے کرتیں جسے فیض کن انکھیوں سے دیکھ کر نظر انداز کر دیتے...... مگر اماں سب کو ڈانٹ دیتیں۔

''اے لڑکیوں چپ ہو جاؤ اپنے بچے سے نہیں پوچھوں گی تو کسی غیر سے پوچھوں گی۔ ہاں تو بتاؤ، یہ تو بتانا...... یہ جو جہاز کی مائیاں ہوتی ہیں۔''

''اماں آپ کو حمیدہ خالہ بلا رہی ہیں......'' سطوت نے اماں کی طویل مکالمے بازی سے گھبرا کر ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اے ہے، یہ حمیدہ کو کیا ہو گیا ہے...... جب بھی بات کرنے بیٹھو...... اسکا بلاوا آ جاتا ہے...... کہہ دو ابھی نہیں آ رہی...... پرسوں اس کے بلاوے پر چلی گئی تھی تو محترمہ گھر میں تھی ہی نہیں...... مجھے بلا کر خود مارکیٹ گھومنے نکل گئیں۔ ہاں تو بیٹا میں کہہ رہی تھی کہ یہ جہاز میں کام کرنیوالی لڑکیاں ہوتی تو بہت خوبصورت ہیں، تم اپنے لیے کسی کو پسند ہی کر لیتے۔'' انہوں نے اپنی آنکھیں چھوٹی کر کے کہا...... یہ ان کی خاص ادا ہوا کرتی تھی۔

''چچی جان...... کیا زمین پر لڑکیاں ناپید ہوگئی ہیں جو میں آسمانوں میں پسند کرتا۔ میرے خیال سے زمین پر بھی بڑی خوبصورت لڑکیاں دکھائی دیتی ہیں۔'' وہ پھر مسکرائے۔

''اے لو...... تمہارے لیے کوئی کمی ہوگی کیا...... ایک مانگو تو دوسرا اپنی چار کھڑی کر دے گا۔'' (اُف اماں کرکری کر کے رکھ دیتی ہیں)

''مگر مجھے چار تھوڑی چاہئیں...... صرف ایک کافی ہے۔'' فیض کا لہجہ تمسخر آمیز ہو گیا۔

''مگر بیٹا شادی دیکھ بھال کے کرنا...... اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی ہو...... خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ پیسے والی بھی ہو...... تاکہ نگوڑی چار پیسے بھی اپنے ساتھ لائے۔'' یہ ان کی انکساری کی حد تھی جیسے یہ کہہ رہی ہوں کہ ہم تمہاری شادی کی بات تو ضرور کر رہے ہیں...... مگر ہم اپنی بات ہرگز نہیں کر رہے۔

''چھوڑیں چچی جان! اپنے زور بازو پر بھروسا کرنا چاہیے...... ہمیں کسی دوسرے کے پیسے سے کیا لینا...... ہم خود ہی کسی لڑکی کو راج کرادیں گے......'' وہ کن انکھیوں سے صادقہ کو دیکھتے ہوئے کہتے۔ دھیمی مسکراہٹ بدستور ان کے لبوں پر راج کرتی...... براؤن آنکھیں شرارت سے مزید گہری ہو جاتیں...... ایسے میں صادقہ کا وہاں بیٹھنا دوبھر ہو جاتا...... وہ بہانے سے اٹھ کر کھڑی ہو جاتی۔

''کم بخت، امتحان بھی کس قدر لیتا ہے، یہ نہیں کہ صاف کہہ دیتا چچی جان...... صادقہ کے ہوتے ہوئے میں دوسرا در کیوں جھانکوں گا...... آپ مجھے اپنی غلامی میں لے لیجیے۔ یہ گول مول باتیں بھلا مردوں پر بجتی ہیں۔ مرد اور عورت کے عشق میں یہی تو فرق ہے...... آج کا لڑکا عشق کرے گا تو اپنے دل کی بات بھی سات تالوں میں چھپا کر رکھے گا اور آج کی لڑکی، دل کی بات لبوں پر آتے ہی کھٹاک سے کہہ ڈالتی ہے۔'' وہ مرد جو عشق کے معاملے میں گونگے ہوں ان سے وحشت ہوا کرتی تھی۔ سجاد بھائی سے چڑ ہونے کی وجہ بھی ان کی یہی گول مول باتیں ہی تو تھیں اور پھر ان کے گھر میں سب کو چندرانے کی کس قدر عادت تھی۔ ایسا کوئی لاٹ صاحب گھرانا بھی نہیں تھا...... اس کے بڑے تایا کا گھر تھا جن کی مالی حالت اس کے اپنے گھر سے زیادہ مختلف نہ تھی۔ اگر صادقہ کبھی بھولے بھٹکے ان کے ہاں قدم رکھتی تو تائی اس کو دیکھ کر آواز لگاتیں......

''اری شجو...... رات کی مرغی بھی گرم کر لیجو...... ہاں کھیر بچی تھی یا نہیں...... وہ بھی دیکھ لیجو...... اتنے دنوں بعد آج صادقہ آئی ہے...... اسے کھیر تو کھلا دو بھئی۔''

''اماں وہ تو ختم ہوگئی......'' شجو قہقہہ لگا کر کہتی۔ (اُف مکاری اور چندرانا اس گھرانے پر ختم تھا، وہ سوچتی کیونکہ اس کے آنے پر ہمیشہ ہی اسی قسم کی صورتِ حال ہوا کرتی تھی)

''اماں گاجر کا حلوہ میں نے چھینکے پر رکھا تھا...... کہاں گیا؟ اپنی صادقہ باجی کو کھلائیں گے، کتنے مزے کا تھا؟''

''ارے وہیں ہوگا...... خود ہی دیکھ لے......'' وہ آلکس بھرے لہجے میں کہتیں۔

''نہیں اماں...... وہاں نہیں ہے۔ کیا صبح ناشتے میں سجاد بھائی کو دے دیا تھا۔ وہ بھی تو میٹھا بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔''

''ہاں، یاد آیا...... میں تو بھول ہی گئی تھی۔ صبح اسے ہی دے دیا تھا، وہ تو میٹھا بہت شوق سے کھاتا ہے...... اب کیا پتا تھا کہ آج صادقہ آئے گی...... نہیں تو......''

''مگر میں میٹھا کھاتی ہی نہیں۔'' ان کے تابڑ توڑ جھوٹ سے اس سے ہنسا بھی نہیں جاتا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر ہی وہ گھر جانے کے لیے بے چین ہو جاتی۔

''اب میں چلوں گی تائی۔'' وہ اپنی چادر سنبھالتی۔

''ارے واہ...... کھانا کھائے بغیر کیسے جانے دوں گی، مہینوں تو تم آتی نہیں ہو، چل شجو دستر خوان بچھا، جلدی سے کھانا اتار...... حیرت ہے کہ دو سیر پکی مرغی تم لوگ ایک ہی وقت میں چٹ کر گئے...... واقعی تم لوگ بہت پیٹو ہو گئے ہو...... کتنا ہی پکا لوں...... سب ڈکار جاتے ہو۔'' وہ رعونت بھرے لہجے میں اسے سنا رہی تھیں مگر ان کا لہجہ کیسا پھیکا سا تھا...... ان کی آنکھیں خود ان کے لہجے کی نفی کر رہی تھیں۔

''ہاں اماں...... اب ہم لوگ کچھ زیادہ ہی پیٹو ہو گئے ہیں۔'' شجو ہنس کر کہتی۔

''اچھا پھر نکال لا...... اپنی سبزی، ترکاری...... یہ صادقہ بھی کیا کہے گی...... جب بھی تایا کے گھر جاؤ...... کدو ہی کھانے کو ملتا ہے۔'' ان کا لہجہ کھسیایا سا ہوتا۔

''میں سبزیاں بہت شوق سے کھاتی ہوں۔''

''رات کی دال بھی گرم کر لی ہوتی......'' تایا جب دستر خوان پر بیٹھتے تو سب کی

باتوں سے بے خبر حقیقت بیان کر دیتے اور وہ اپنی ہنسی دبوچے کھانا کھاتی رہتی...... یوں جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو...... ویسے بھی گھر کی مرغی دال برابر تو ہوتی ہے۔ اسے تائی پر خاصا رحم آ جاتا...... واقعی انسان اپنی خفت مٹانے کے لیے کیسی اوندھی سیدھی حرکتیں کر جاتا ہے۔ اور حرکت تو اسے فیض کی بھی عجیب بلکہ عجیب ترین لگی تھی جب اس کا رزلٹ سن کر...... وہ چپ چاپ اس کے کمرے میں دو سونے کے کڑے لے کر آ گئے تھے۔

''یہ آپ کے پاس ہونے کا تحفہ ہے۔'' وہ اس کو مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''مگر اتنا مہنگا تحفہ میں کیسے لے سکتی ہوں؟'' وہ جز بز ہو کر بولی۔

''سنیے...... یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اچھے تحفے وصول نہیں کرنے چاہئیں۔''

''مگر...... میں کس، کس کو سمجھاتی پھروں گی کہ آپ نے سونے کے کڑے مجھے کیوں...... کیسے اور کس لیے دیے ہیں۔''

''کیا آپ کو ابھی تک اندازہ نہیں ہوا...... کہ آپ مجھے اچھی لگی ہیں۔''

''کڑے دینے کے اور بھی جواز ہو سکتے ہیں۔'' اس نے دھیمے سے کہا۔ (پاگل میں اگر اچھی لگی ہوں تو اپنی اماں کو بلا کر یہ کڑے مجھے دے دے)

''وقت آنے پر انشاء اللہ وہ بھی ہوں گے...... اپنے آفس کے کام سے مجھے چند دن بعد بنکاک جانا ہے...... میرا خیال ہے کہ وہاں سے آ کر میں اپنا ہیڈ آفس لاہور میں بناؤں گا...... اپنے آئندہ پلان کے بارے میں...... آپ کو سب بتاؤں گا۔''

''مگر میں یہ کڑے نہیں لے سکتی...... آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔''

''صادقہ آپ اگر میرا تحفہ واپس کریں گی تو مجھے رنج ہوگا......'' فیض نے دل پر ہاتھ رکھ کر جھک کر کہا۔

''میرے خاندان والے تو باتیں بنائیں گے...... پلیز یہ ابھی آپ اپنے پاس رکھ لیں...... پھر کبھی سہی۔'' وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

اگلے دن شام کو...... وہ اماں کے پاس بیٹھا اسے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''چچی کیا میں صادقہ کو اس کے امتحان کے پاس ہونے پر تحفہ دے سکتا ہوں۔''

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں......'' وہ پالک کے پتے کاٹتے ہوئے نظریں جھکائے جھکائے بولیں۔

''یہ کڑے مجھے اچھے لگے تھے...... دیکھیے تو کیسے ہیں......؟''

''اچھے ہیں......'' انہوں نے ایک نظر اچٹتی ہوئی ڈال کر کہا۔

''صادقہ یہ کڑے لے لو......'' وہ اماں کی شہہ پر بولا۔

''مگر اماں...... یہ سونے کے کڑے میں کیسے لے سکتی ہوں۔'' وہ گھبرا کر بولی۔

''کیا کہا سونے کے کڑے ہیں......؟'' اماں کے ہاتھ سے چھری گر گئی اور وہ حیرت سے فیض کو دیکھنے لگیں...... جیسے وہ عجوبہ ہو۔

''چچی میں ہمیشہ تحفے اچھے دینے کا قائل ہوں...... اور گولڈ سے مجھے ہمیشہ لگاؤ رہا ہے...... اور آپ جانیے ان دنوں روپے کی قیمت گر رہی ہے اور سونے کی قیمت بڑھ رہی ہے اگر میں پیسے دیتا تو اس کی بھلا کیا ویلیو رہتی۔''

''مگر فیض بیٹا...... تم صادقہ کو کس ناتے سونے کے کڑے دینا چاہتے ہو......؟'' اماں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''چچی...... رشتے اور ناتے تو قسمت سے ہوتے ہیں۔ آپ میرا یہ ناچیز تحفہ قبول کر لیں گی...... تو میں سمجھوں کہ میں نے اپنی منزل کی جانب پہلا قدم بڑھایا ہے۔''

''نہیں بیٹا...... ہمارے ہاں بزرگوں کی مرضی ہوا کرتی ہے۔ جب تک تمہارے ماں باپ نہیں آئیں گے...... میں کیسے رکھ سکتی ہوں یہ کڑے اپنے پاس......'' اماں بھی اس کا مفہوم یہی سمجھ رہی تھیں۔

''چچی جان...... آپ فی الحال ایک امانت سمجھ کر رکھیں۔ بہت سی باتوں اور چیزوں میں وقت لگا کرتا ہے۔ کوشش کروں گا کہ وقت کا پہیا میرے ہاتھ میں رہے...... ان دنوں اپنے آفس کا سارا بوجھ میرے کندھے پر ہے...... مجھے بنکاک جانا ہے۔ ایکسپورٹ میرا ایکسپائر ہو گیا ہے...... ارجنٹ سے بنوا رہا ہوں...... شاید دوبارہ میرا ٹائم ضائع نہ ہونے پائے۔'' وہ اپنی سرگرمیوں کے بارے میں تفصیل سے بتا رہے تھے۔ صادقہ کے سامنے تو سونے کے دو بھاری کڑوں کی طرح چکا چوندی کر رہے تھے۔

میں اپنی آرٹیفشل جیولری، سونے کی تمام یا سلوت کو دے دوں گی اور سرخ مخملی

کپڑے میں یہ دونوں کڑے سجا کر اس میں رکھوں گی جہاں جانا ہوا کرے گا تو اپنی کلائیوں میں یہ پہنا کروں گی۔ کتنے ٹھوس بنے ہوئے ہیں۔ غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ ان کڑوں تک گیا۔ فیض اپنے ہاتھوں میں بے خیالی میں گھما رہا تھا۔ چونک کر صادقہ کو دیکھا...... صادقہ نے ان کے ہاتھوں سے کڑے لیے اور اپنی کلائی میں پہنے۔

''بہت شکریہ......'' اس نے نظریں جھکا کے کہا۔ فیض نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھا اور وہ شرما کر وہاں سے بھاگ لی۔

☆☆☆

سلمیٰ، شاہانہ اور سطوت کو بالکل بھی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی کہ فیض نے صادقہ کو کڑے تحفے میں دیے ہیں۔

''لگتا ہے وہ ہمیں غریب سمجھ کر ہماری امداد کر رہے ہیں...... غریب کی بچیاں ہیں ان کو سونے کے گفٹ دے دو...... ان بے چاری لڑکیوں کی شادی کے کام آ جائیں گی یہ چیزیں۔'' سطوت کا یہ جملہ صادقہ کو بہت برا لگا تھا۔

''ہم نے کیا ان کے آگے رونا رویا تھا کہ ہماری امداد کرنے ہمارے گھر آ جاؤ۔''

''اب وہ اندھے تو نہیں ہیں ناں...... دیکھ تو سب رہے ہیں کہ کسی کے پاس سونے کا تار تک نہیں ہے، کسی فنکشن میں بھی جاتے ہیں تو آرٹیفیشل چیزیں پہن کر جاتے ہیں۔'' سلمیٰ تنک کر بولی تھی۔

''مائی ڈیئر سسٹر تمہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ اب سونے کے زیورات کا فیشن ہی نہیں رہا ہے...... اب بڑے بڑے طرم خاں شادی بیاہ تک میں میچنگ کی آرٹیفیشل جیولری پہنتے ہیں...... اور اس میں کوئی سبکی محسوس نہیں کرتے۔''

''تو پھر یہ فیض کیوں ایسی فیاضی دکھا رہے ہیں...... ایسے کہاں کے شہزادے ہیں وہ جو اپنا قارون کا خزانہ ہمارے خاندان پر لٹانے چلے آئے ہیں۔'' سطوت نے تمسخر آمیز لہجے میں صادقہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کا دل چاہا...... کہ اپنی بہنوں کو آج اس حقیقت سے روشناس کرا دے...... کہ فیض شاہ اس سے محبت کرنے لگے ہیں اور کسی اچھے وقت کے انتظار میں ہیں...... جب وہ برملا اس سے شادی بھی کرلیں گے۔

''یہ تو میں اچھی طرح جانتی ہوں...... کہ فیض بھائی یہاں لاہور شادی کرنے تو نہیں آئے ہیں۔ شادی تو یقیناً وہ اپنی فیملی...... یا اپنی کلاس میں ہی کریں گے۔ اگر کوئی یہ سمجھ رہا ہے کہ فیض شاہ اس کے عشق میں گرفتار ہو گئے ہیں تو یہ اس کی بھول ہے۔'' سطوت نے عام سے لہجے میں کہا۔

''تو پھر ان بھاری بھرکم تحائف کا مطلب کیا ہے؟'' سلمیٰ نے پوچھا۔

''میرا تو خیال ہے کہ یہ زیورات جعلی ہوں گے...... ان پر سونے کا ملمع تو ضرور ہو گا...... مگر حقیقت میں یہ سارے زیورات جعلی ہوں گے۔'' شاہانہ نے ایک نیا ہی انکشاف کیا۔

''جعلی تحائف، جعلی باتیں، جعلی جذبے لیے...... کیا کوئی نوٹنگی ہمارے گھر آیا ہوا ہے۔'' صادقہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

''اماں کیا یہ کڑے جعلی ہوں گے......؟'' دلان میں خاموش کھڑی اماں سے صادقہ نے لرزتے دل سے پوچھا۔

''سونے کی بالیاں اور سونے کی چین تو میں نے صرافہ مارکیٹ میں دکھائی تھی وہ کہہ رہا تھا یہ چیزیں بائیس کیرٹ سونے کی بنی ہوئی ہیں...... وہ بلکہ ان کے اچھے پیسے بھی دے رہا تھا، اس کا شاید خیال تھا کہ میں انہیں بیچنے کے لیے آئی ہوں...... اس لیے یہ کڑے بھی جعلی نہیں ہوں گے کہ فیض شاہ غریب گھرانے سے تعلق نہیں رکھتا ہے پیسے والے گھرانے کا لڑکا ہے...... اور شاہ خرچ ہے جو اس کے من میں آتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔''

''اماں...... کیا یہ کوئی اچھی بات ہے؟'' سطوت نے اماں سے پوچھا۔

''نہیں بیٹا...... اب تو میرا بھی دل ڈرنے لگا ہے...... فیض کی یہ فیاضی دیکھ دیکھ کر......'' اماں نے آہستگی سے کہا جیسے کسی کے کان میں بات کر رہی ہوں اور صادقہ کا دل چاہا کہ سب سے کہہ دے کہ محبت کرنے والوں کی آن، بان اور شان ایسی ہی ہوتی ہے وہ تول مول کے نہ تو محبت کرتے ہیں اور نہ ہی تحائف دیتے ہیں۔

''کیا ہوا کہ اگر...... ابھی کھل کر کچھ نہیں کہہ رہا مگر اس کی آنکھیں اور چہرہ تو صاف، صاف یہی کہہ رہا ہے کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے...... اور اپنی زندگی کا ساتھی بھی مجھے ہی بنائے گا۔''

''اماں...... آپ فیض بھائی سے کہیے ناں کہ وہ اپنے گھر والوں کو ہمارے ہاں لے کر آئیں......'' سلمیٰ نے ماں سے کہا۔

''کہا تھا میں نے......'' اماں ایک گہری سانس لے کر بولیں۔

''تو پھر کیا کہا...... انہوں نے؟''

''ٹال دیا اس نے...... مجھے ایسا ہی لگا۔''

''کیوں ٹال دیا......؟''

''ابھی وہ مصروف بہت ہے...... باہر سے آ جائے...... تو شاید...... وہ اپنے گھر والوں کو لے کر آئے۔ ہو سکتا ہے یہی بات ہو......'' اماں نے سادہ لوحی سے کہا۔

''دیکھ لینا...... ان کے گھر والے جلد ہمارے گھر آئیں گے اور ہمارے خاندان کے لوگ جل جائیں گے جب ان کو پتا چلے گا۔''

''چپ ہو جاؤ......'' اماں نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''کسی سے کچھ نہ کہو، کسی کو کچھ نہ بتاؤ،، یہ بات میں تم لوگوں سے بالکل سچی کہہ رہی ہوں کہ فیض کے یہ تحفے لے کر تو دل ڈرنے لگا ہے۔ مجھے تو بسا اوقات یوں لگتا ہے کہ میں خوامخواہ کسی کے سادہ لوح بیٹے کو بیٹھی لوٹ رہی ہوں۔''

''ہونہہ...... اماں کو تو اصل بات معلوم ہی نہیں ہے۔'' صادقہ نے سر جھکا کر شرما کر سوچا...... اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

☆☆☆

''حیرت ہے اتنی بڑی بات اور تم مجھے اب بتا رہی ہو......'' ابا جان نے حیرت سے سر تھام لیا۔

''بتایا تو تھا آپ کو...... فیض گھر میں بہانے بہانے سے جیولری کے گفٹ لے کر آتا ہے۔''

''مجھے تم نے یہ تو نہیں بتایا تھا کہ وہ اصلی سونے کے زیورات ہیں، کیا سوچیں گے اس کے گھر والے...... کہ اچھے رشتے دار نکلے۔ ان کے بیٹے کو جھانسا دے کر لوٹ لیا۔''

''پہلے مجھے بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ زیور اصلی سونے کے ہیں...... سچی بات ہے کہ میں انہیں رولڈ گولڈ کا ہی سمجھی تھی۔ اب تو نقلی زیورات بھی ایسی ہی چمک دمک لیے ہوتے ہیں جو اصلی زیورات میں ہوتی ہے۔'' اماں نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔ اس وقت فیض گھر میں ہی تھا۔

''جب تمہیں پتا چل گیا تھا...... تو تمہیں واپس کرنا چاہیے تھا ناں......!'' ابا جان ناراض سے لہجے میں بولے۔

''اے لو...... مگر وہ تو ناراض سا ہو گیا اور کہنے لگا۔ ''چچی جان...... یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ تحائف واپس کیے جاتے ہیں اور اگر آپ یہ واپس کریں گی تو میں اسی وقت گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا...... اب بتاؤ بھلا...... ایسے میں، میں کیا کرتی......؟''

''اب ہمارے مالی حالات تو ایسے نہیں ہیں کہ اس کے تحائف کے جواب میں اس کی ماں، بہنوں کے لیے سونے کی کوئی چیز بنوا کر بھیج دیں۔'' ابا جان کے لہجے میں تاسف سے زیادہ بے چارگی نمایاں تھی۔

''جوڑے تو میں کڑھائی والے دے دوں گی...... صادقہ کے لیے اٹھا کر رکھے تھے...... چلو یہاں کام آ جائیں گے۔''

''پھر بھی عجیب سی شرمندگی ہو رہی ہے...... بجائے اس کے کہ ہم مہمان پر خرچ کریں ہمارے گھر آیا ہوا مہمان ہمارے اوپر خرچ کر رہا ہے۔''

''اللہ نے اسے نوازا ہی اتنا ہے...... ماشاءاللہ تو وہ کیوں نہیں خرچ کرے گا...... اب نازیہ کا میاں سعودی عرب سے جب آتا ہے کیسے چھنا چھن خرچ کرتا ہے۔ میں تو اس کا کھلا ہاتھ دیکھ کر حق دق سی رہ جاتی ہوں۔''

''نیک بخت، نازیہ کا میاں تمہاری بہن کا داماد ہے اگر وہ خرچ کرتا ہے تو اس کی رشتے داری ہے جس کے برتے پر وہ خرچ کرتا ہے۔ مگر فیض سے ہمارا کوئی ایسا قریبی رشتہ تو نہیں ہے اگر کسی کو پتا چلے گا...... تو وہ اس کے غلط سلط مطلب اخذ کرے گا۔''

''خوامخواہ میں کوئی غلط مطلب نکال کر تو دیکھے...... زبان کھینچ لوں گی...... اتنا نیک اور شریف لڑکا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ مجال ہے کہ میری کسی بچی کی طرف آنکھ اٹھا کر تو دیکھ لے...... ہمیشہ نظریں نیچی کر کے بات کرتا ہے۔''

''کاش، فیض ہم جیسا ہوتا...... تو یقیناً ہماری کسی لڑکی سے شادی کر لیتا...... مگر یہ تو بہت پیسے والوں کا لڑکا ہے۔ فیض کے والد کراچی میں کپڑے کے اچھے بڑے تاجر ہیں۔ کئی بڑی، بڑی دکانیں ہیں ان کی...... یہ تو اس وقت کی بات ہے جب میں نے ان کو دیکھا تھا...... اب تو پتا نہیں کتنی ریل پیل ہو گی ان کے ہاں پیسے کی......!''

''آپ کچھ بھی کہیے......اب بڑے گھرانوں کے لڑکے اپنے سے چھوٹے گھرانوں کی لڑکیاں بیاہنا پسند کرتے ہیں۔اب راجا کی آئے گی بارات کے ہیرو کو ہی دیکھ لو......اچھی خاصی راج کماری سے شادی ہو رہی تھی......اس کو چھوڑ کر نوکرانی سے شادی کر رہے ہیں...... میں تو کم ہی ڈرامے دیکھتی ہوں مگر اس ڈرامے کی کوئی قسط نہیں چھوڑی۔''

''جو ڈراموں میں دکھایا جاتا ہے......وہ حقیقت میں کہاں ہوتا ہے...... مجھے تو ایسا نہیں لگتا کہ فیض ہمارے گھر میں شادی کے ارادے سے آیا ہے۔'' ابا جان دھیمے لہجے میں اماں سے کہہ رہے تھے۔

''مگر میرا یہ دل کہتا ہے کہ فیض ہماری ہی کسی بیٹی سے شادی کرے گا۔اس کا دل ہمارے گھر میں بھی خوب لگا ہے......آج تک اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس میں اس کی بڑائی اور ہماری غریبی اجاگر ہو......!''

اماں فیض کی تعریف پر تعریف کیے جا رہی تھیں......اور ابا جان بھی شاید ان کے ہمنوا بن گئے تھے جب ہی ان کی ہر بات پر ''ہوں'' کا ہنکارا ابھر رہے تھے۔صادقہ ان کے کمرے کی کھڑکی سے لگے تخت پر بظاہر تو کتاب لیے بیٹھی تھی مگر اس کے کان اماں اور ابا جان کی باتوں میں ہی لگے ہوئے تھے۔

فیض واقعی اس کے اپنے کزنز سے بالکل مختلف تھے۔انکا ذرا بھی تو چھچھورا انداز نہیں تھا...... جب سے وہ آئے تھے بارہا کسی اچھے سے ہوٹل کا کھانا پیک کروا کے لائے تھے۔ جس کی تعریف میں انہوں نے پہلے سے تفسیر بیان کی تھی اور نہ ہی بعد میں شکریے کے لفظوں سے اپنی گود بھرنے کی کوشش کی تھی اور حد تو یہ تھی کہ کس بھی موقع پر شیخی کے دو لفظ بھی ادا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''اے ہے......فیض میاں!تم نے ناحق اتنے پیسے خرچ کر دیے۔'' اماں کھانا کھا کر ان سے کہتیں......انداز سراسر روایتی سا ہوتا حالانکہ ہر نوالے پر تعریف کا نعرہ مارنے والوں میں وہ دوسرے نمبر پر ہوتیں...... پہلے نمبر پر ہمیشہ سطوت ہوتی تھی۔

''ارے نہیں چچی،کوئی پیسے خرچ نہیں ہوئے......انتہائی معمولی کھانا تھا جو سب کے کھانے کی وجہ سے مزے دار لگا۔'' ان کے اس انداز پر وہ دل و جان سے فدا ہو جاتی اور دل میں سوچتی......''واقعی پیسے والوں کا ایک،ایک انداز موہ لینے والا ہوتا ہے۔''

ابا جان ٹھیک کہتے تھے کہ اونچی ذات،بڑا حسب نسب انسان کو خوبیاں ہی عطا کرتا ہے......اور پھر وہ کتنے شائستہ مزاج تھے......نہ کبھی کسی سے بھونڈا مذاق کیا تھا......اور نہ ہی کسی پر کوئی گہری نظر ڈالی تھی......وہ تو بات بھی اتنی آہستگی سے کرتے تھے کہ اماں کو کان لگا کر سننا پڑتا تھا......گھر میں کوئی مہمان آ جاتا تو اپنے کمرے میں بند ہو جاتے...... پڑوسی کی کئی لڑکیاں ان کی شاندار وجاہت کو دیکھ کر خوب بن ٹھن کر آ کر اماں سے پوچھ رہی تھیں۔

''خالہ......آج کل آپ کے ہاں کون ہیرو آیا ہوا ہے؟''

''میرا سگا بھتیجا ہے،اپنے بزنس کے سلسلے میں آیا ہوا ہے۔'' اماں نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

''خالہ اس سے قبل آپ کا یہ بھتیجا کیوں نہیں آیا......؟'' محلے والوں کی کریدنے کی عادت غصہ دلانے پر آمادہ کرتی تھی۔

''فیض بھائی ملک سے باہر ہوتے تھے......تو کیسے آ سکتے تھے......'' صادقہ کے جملے ماں کو کمک دیا کرتے۔

''شادی ہو گئی ہے کیا......؟'' اصل بات زبان پر آ جاتی۔

''نہیں ابھی تو نہیں ہوئی۔'' اماں کا چہرہ یہ جملہ ادا کرتے ہوئے پیلا سا پڑ جاتا۔

''اچھا یہ بات ہے......پھر تو لڑکیاں دیکھنے آئے ہوں گے۔'' وہ قہقہہ لگا کر کہتیں۔

''پاگل ہو گئی ہو تم لوگ......امیر لڑکوں کی شادیاں اپنے جیسے گھرانوں میں ہوتی ہیں......غریبوں میں نہیں۔'' صادقہ غصے میں کہتی......مگر اس کے یہ جملے بھی اس کے اپنے دل کا ساتھ نہیں دیتے تھے۔

''خالہ جب دل آ جائے تو سب اصول و قواعد رکھے رہ جاتے ہیں......اور جوڑے تو پہلے سے بن جاتے ہیں۔'' لڑکیاں بھی افلاطون بن جاتیں۔تب اماں کا دل چاہتا کہ ان لڑکیوں کو بے نقط سنائیں مگر وہ چپ رہنے میں ہی بہتری سمجھتی تھیں......اور صادقہ...... اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے ان کو جلد فارغ کر کے سکون کی سانس لیا کرتی۔

''ہونہہ،محلے کے لوگ بھی کیسی چوکسی کیا کرتے ہیں،کسی کے گھر کون آ رہا ہے،کون جا رہا ہے......ہمیں تو پروا تک نہیں ہے......اور ہمارے گھر میں مہمان جب سے آیا ہے محلے کے ایک،ایک گھر سے اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی ہر روز چلا آتا ہے۔معلومات کرنے کے

لیے۔“

فیض ان تمام باتوں سے بے نیاز تھا...... کبھی سارا سارا دن وہ اپنے کمرے میں گزار دیتا...... اور کبھی دو، دو دن گھر نہ آتے۔ نہ ان کا کوئی نخرہ تھا اور نہ ہی باتوں میں کسی قسم کی بناوٹ۔

اماں جو موٹا جھوٹا پکا کر رکھ دیتیں اس کی خوب تعریف کرتے۔ مجال ہے کہ کسی کو کبھی یہ احساس ہوا ہو کہ انہیں کوئی چیز پسند نہیں آئی یا کم تر ہے۔ جیسے وقار بھائی تھے...... کہنے کو تو ان کے خاصے قریبی عزیز تھے۔ بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی...... کسی سرکاری دفتر میں ملازم تھے ان کا حلقۂ احباب بھی جاہل لوگوں کا نہیں تھا...... مگر وہ جب بھی ان کے ہاں آتے ان کے ہاں کی چیزوں کو وہ دو کوڑی کا بتاتے اور ان کے اپنے گھر کی خاک بھی لاکھ کی ہوتی۔ ان کی ان گھٹیا باتوں سے صادقہ کو سخت وحشت ہوتی تھی۔ یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ ان کے ہاں چوبیس انچ کا ٹی وی تھا اور وقار بھائی کے ہاں اول تو بہت بعد میں آیا تھا ٹی وی اور وہ بھی سولہ انچ کا سیٹ تھا جس کی تعریفیں سن کر سارا گھر تھک چکا تھا، خیر غلطی سطوت کی ہی تھی جس نے ہنس کر ان سے کہہ دیا۔ (یہ سوچے بغیر کہ ان کا ٹی وی پرانا خرید اگیا تھا)

”بھائی جان آپ کے ٹی وی میں ڈراما دیکھو تو یوں لگتا ہے جیسے بونے اِدھر سے اُدھر بھاگ رہے ہو، ایمان سے آنکھیں چندھیا سی جاتی ہیں، آپ کو خاک مزہ آتا ہوگا، ناحق ہی لیا...... پڑوس میں ہی دیکھ لیا کرتے، آخر پہلے بھی تو دیکھتے تھے...... پھر آپ کے پڑوسی بھی بہت اچھے ہیں، بچوں کو ڈانٹتے بھی نہیں......“ تب وقار بھائی کا غصہ دیکھنے کے قابل تھا۔ ان کا بس ہی نہیں چل رہا تھا کہ سطوت کو کچا ہی چبا جائیں۔ ان کا سانولا سلونا چہرہ مارے غصے کے سیاہ پڑ گیا اور وہ انتہائی بدتمیزی سے اکھڑ لہجے میں بولے۔

”جاہل لوگوں کو نہ بات کرنے کی تمیز ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی چیز خریدنے کی...... اب اس ڈھائی کمرے کے گھر میں، تم لوگوں نے ہاتھی سا ٹی وی خرید لیا تو یہ بھی جہالت ہے اور اس جہالت کی سزا تم لوگ یوں بھگتو گے کہ تم سب کی آنکھوں پر خوب موٹے موٹے شیشوں کی عینکیں فٹ ہو جائیں گی...... ماشا اللہ خوبصورتی میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ آتے جاتے ہوئے لوگ مڑ مڑ کر دیکھیں گے۔“ لہجہ تمسخر آمیز تھا۔

”میرے خیال سے تو چشمہ پڑھے لکھے لوگ لگاتے ہیں۔“ سطوت کو اس دن نہ

جانے انہیں چھیڑنے میں کیوں مزہ آ رہا تھا۔

”پھر تو کئی چشمے لگایا کرو...... تاکہ تمہاری تعلیم کی کمی اس کے طفیل ہی دور ہو جائے۔“

”کیا بات ہے، سطوت کے مذاق کا بہت برا مان گئے آپ......“ سلمیٰ نے کہا۔

”نہیں بھئی...... آپ کے ہاں تو بہت اچھی باتیں کی جاتی ہیں، تہذیب، تمیز سے مخاطب ہوتی ہیں...... ماشا اللہ آپ کے گھر کا ماحول بہت اچھا ہے...... آنے والے مہمان کو تپانے کے تمام گر آتے ہیں آپ لوگوں کو۔ جاہل لوگوں کے یہی اوصاف تو ہوتے ہیں جو آپ سب بہنوں میں ہیں...... کہ کوئی بات کرو تو بھڑ کی طرح کاٹتی ہیں۔“ وقار...... غصے میں بک بک کرنے سے باز نہیں آ رہے تھے اور ان کی آواز کا ٹیمپو بھی بڑھتا جا رہا تھا۔

”ارے ہم لوگ اتنے جاہل نہیں ہیں...... جتنی جہالتیں آپ نے ہمارے سر تھوپ دی ہیں......“ صادقہ کو روٹی پکاتے ہوئے غصہ ہی تو آ گیا...... ورنہ وہ بہت برداشت کر رہی تھی کہ اس معاملے میں چپ ہی رہے مگر وقار کی مسلسل بڑبڑاہٹ نے اسے کھولا کر رکھ دیا تھا...... اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہیں سے چمٹا اٹھا کر دے مارے کہ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔

”صادقہ تمہارے بھی کالج میں پڑھنے کا فائدہ...... اس گھر میں تو نظر نہیں آتا......“ وہ کلس کر بولے۔

”دوسرے گھر میں نظر آئے گا۔“ سطوت ہنس کر بولی۔

”خاک نظر آئے گا۔“ وہ پھر کلسے...... اس وقت تک سطوت کی بات کی تہہ میں وہ نہیں پہنچے تھے۔

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں...... خدانخواستہ ہماری صادقہ باجی آپ کے گھر تو نہیں جائیں گی......“ سطوت انگارے چبا کر بولی...... اسے معلوم تھا کہ یہ ان کا ویک پوائنٹ تھا اور یہیں وقار کا لہجہ سیدھا ہو گیا۔

”ارے بھئی، تم لوگ میری بات کا غلط مطلب سمجھی ہو۔“

”ایسی بات تو نہیں ہے...... ہمیں تو آپ کی بات صاف سمجھ میں آ رہی ہے۔“

”اُفوہ...... بالکل نہیں سمجھتی ہو تم لوگ...... یوں بھی سیدھی سادی سی تم لوگ ہو اور میں تو تم لوگوں کو اپنی بہنوں سے زیادہ چاہتا ہوں۔ غلط بات دیکھ کر ڈانٹ بھی دیتا ہوں ورنہ

مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ سطوت کی باتوں پر اتنا سیریس ہو جاؤں۔" وہ زبردستی ہنستے۔

"آپ نے ہماری صادقہ باجی تک کو جاہل کہہ دیا۔" سطوت اکڑ گئی۔

"تم میری بات کا ہمیشہ غلط مطلب لیتی ہو...... صادقہ کہاں سے جاہل ہو گئی جو اس کو جاہل کہے...... وہ سب سے بڑا جاہل...... ماشا اللہ صادقہ تو اتنی اچھی ہے...... بہت ہی اچھی۔" ان کی آنکھوں کے ڈیلے دائیں بائیں ناچنے لگتے اور چہرہ حماقت سے مالا مال ہو جاتا۔

"مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ ہمارے ہاں کا ماحول جہالت سے لبریز ہے۔" سلمٰی بھی ان کی تمام باتیں ایک، ایک کرکے انگلیوں پر گنواتی۔

"وہ تو میں اس لیے کہہ رہا تھا کہ تم لوگ ہر وقت تو تکار سے بات کرتی رہتی ہو، ہمارے ہاں آ کر دیکھو ہماری اماں بھی آپ جناب سے بات کرتی ہیں...... تم لوگ اپنی صادقہ کے نقشِ قدم پر چلو، جیسی وہ ہے، اس جیسی بننے کی کوشش کرو پھر دیکھو کتنا فرق پڑے گا...... وہ کتنی اچھی ہے...... اس کی آواز میں کتنا لوچ ہے، کتنی اپنائیت ہے...... کتنی محبت ہے۔" وہ پھر اڑنے لگتے...... اور آنکھیں صادقہ کے گرد چکر لگانے لگتیں۔

"ہم کیوں کریں کسی کی نقالی...... ہم جیسے ہیں ٹھیک ٹھاک ہیں۔" سطوت کا غصہ ابھی اترا نہیں تھا...... "ہونہہ خود اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں۔ بازار میں ذرا ذرا سی بات پر گالم گلوچ کرنے والے...... آئے ہیں تہذیب کا درس دینے۔" اس دن وقار بھائی اپنے گھر کھسیائے کھسیائے سے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سب نے انہیں بے نقط سنائیں۔

"پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں...... جو ہمیں باتیں سنانے آ گئے۔"

"ارے تم لوگ کیوں الجھتے ہو اس سے؟" ایک اماں تھی جنہیں مجال ہے کہ ذرا بھی وقار بھائی کی کوئی بات بری لگی ہو۔ "گھر کا بچہ ہے...... جیسا اسے لگا اس نے کہہ دیا۔ اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے...... اور سب سے بڑی بات وقار کا دل بہت اچھا ہے...... بات کتنی ہی بگڑ جائے...... جب بھی آئے گا...... پچھلی ساری باتیں بھولا ہوا ہوگا...... کبھی اس نے پرانی باتیں ادھیڑ کر نیا گولہ نہیں بنایا۔" یہ اماں کی تعریف ہوتی تھی۔ انہیں وقار بھائی کبھی برے نہیں لگے تھے...... ان کا یہ کہنا تھا کہ ہر شخص کی گفتگو کرنے کا اپنا انداز ہوا کرتا ہے اور وقار دل کا بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔

"پیاری اماں جان! کسی کے دل کا اندازہ بھی اس کی زبان سے ہی ہوتا ہے۔ جب زبان بری ہوگی تو لعنت ہے اس کے دل پر جو اپنی خوبیاں اپنے سینے میں چھپائے رکھتا ہے۔"

"ارے ایسے نہیں کہتے، بہت اچھا ہے وہ...... میں جانتی ہوں...... مگر تم لوگ بدلحاظ ہو...... دس بارہ سال قبل میں کیسی بیمار پڑی تھی...... جب تمہارے ابا کی دونوں ٹانگوں میں پلاسٹر بندھا ہوا تھا۔ ایسے میں وقار مجھے ساتھ لیے ڈاکٹروں کے پاس دوڑا پھرتا تھا کہ کسی طرح مامی ٹھیک ہو جائیں...... میں کیسے بھول جاؤں لوگوں کے احسان...... اور پھر اپنے گھر کا بچہ ہے محبت سے آتا ہے...... مگر ایک تم لوگ ہو کہ جب بھی وہ بیچارہ آئے...... اس کی ناک میں تیر دیے رکھتی ہو...... وہ ایک بات بولے تو تم سب مل کر اس کے ستر جواب عطا کرتی ہو۔ ایسا بھی بھلا کوئی کیا کرتا ہے...... عزت کیا کرو...... بھائی کی۔"

اماں کے اتنا سمجھانے کے باوجود جب بھی گھر میں وقار بھائی کا ذکر ہو دو چار روزنی گالیوں کے ساتھ ہی ہوا مگر وہ بھی اچھے خاصے بے غیرت تھے...... اتنا کچھ سننے کے باوجود ہر چوتھے روز آ جاتے اور صادقہ کو کن انکھیوں سے دیکھے چلے جاتے۔ تب سطوت نے ان کا اضافی نام خبیث رکھ دیا تھا جو اماں کی غیر موجودگی میں پکارا جاتا بلکہ ہزار ہا صلواتیں تک سنائی جاتیں۔ وہ خبیث کس قدر مستقل مزاج تھے...... یا واقعی دل کے اچھے تھے...... لفٹ نہ ملنے کے باوجود انہوں نے آنا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ جب بھی آتے سطوت پاؤں پٹخ کر گزر جاتی...... سلام بھی کرتی تو ایسے منہ بنا کر جیسے انہیں دیکھا ہی نہ ہو۔ سلمٰی کو جب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ ان کے سر میں درد رہنے لگا ہے وہ اونچی ایڑی کی سینڈل بجاتی بار بار دالان سے گزرتی اور اس کی کھٹ کھٹ کے ہتھوڑے ان کا دماغ ہلا کر رکھ دیتے۔

"صادقہ کیا بات ہے......؟ کیا آج ایک گلاس شربت بھی نہیں پلاؤ گی؟" وہ لاتعلق سی صادقہ کو روک کر آنکھوں میں شیرینی گھول کر کہتے۔

"مگر شربت کی بوتل تو ختم ہو گئی ہے......" انداز یوں بے پروائی لیے ہوتا جیسے کہہ رہی ہو...... بھاگو یہاں سے...... آج تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔

"اچھا تو پھر چائے ہی پلا دو......" وہ اپنی چپلیں اتار کر اپنے پیر میز پر رکھ لیتے...... کہ لو...... آج ہم بھی نہیں جانے کے۔

"اے ہے آج تو چینی بھی خلاص...... کیسے غلط دن آئے ہیں آپ......" وہ ڈبا بجا

کر بتاتی۔

''چلو پھیکی ہی پلا دو...... تمہارے ہاتھ سے بنی ہوگی تو شیرینی تو اس میں خود بخود آ جائے گی۔'' وہ ڈائیلاگ بولنے کا کوئی بھی موقع ہرگز نہیں گنواتے تھے۔

''وقار بھائی آپ کو تو ٹی وی کے ڈراموں میں کام کرنا چاہیے۔'' سطوت نے آتے ہوئے ان کا جملہ سن لیا تھا...... حالانکہ وہ خاصا دھیما بولے تھے مگر سارا قصور اس چھوٹے سے گھر کا تھا۔

''ارے ہم کیا کام کریں گے ٹی وی پر...... وہاں سب سفارشی چلتے ہیں۔'' انہوں نے اپنا کالر اچکایا۔

''بس آپ کی آواز خراب ہے...... ہمیں تو خیر عادت ہوگئی ہے ورنہ دوسرے کو پتا نہیں چلتا کہ کوئی بول رہا ہے یا بول رہی ہے۔''

''کیا مطلب ہے...... کیا کہنا چاہتی ہو......؟''

''یہی کہ آپ کی آواز میں مردانہ گھن گرج نہیں ہے...... بس سُریلی سی ہے......'' سطوت ہونٹ دبا کر کہتی۔

''وقار بھائی آپ دبلے بہت ہیں۔ بالکل ہڈیوں کا ڈھانچا ہیں۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو تم...... پتا بھی ہے کہ کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''ارے...... ارے...... مایوس نہ ہوں آپ...... آپ بآسانی ٹی وی کے ڈراموں میں کام کر سکتے ہیں...... ٹی وی پر تو ویسے بھی دبلا آدمی موٹا نظر آتا ہے...... مگر آپ کو پروڈیوسر سے بطورِ خاص کہنا ہوگا۔ آپ کے سارے کلوز اپ لیے جائیں، ہیروئن کو بے شک دور سے دکھا دیں...... بلکہ آپ سے دور ہی دور رکھیں...... مگر آپ کو کلوز اپ میں دکھایا جائے۔'' سلمٰی بھی میدان میں کود جاتی۔

''وقار بھائی آپ کے دیکھنے کا اینگل بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا بکواس کر رہی ہے...... اندھا ہوں، کانا ہوں۔''

''ارے نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے...... بس آپ کے دیدے گول گول ہیں...... تو آپ خوب کاجل لگا کر کلوز اپ دیجیے گا...... اور آپ اپنی ہیروئن سے نظریں ملا کر مکالمہ مت بولیے گا...... بلکہ آپ اوپر آسمان کی طرف چہرہ کر کے مکالمے بولیے گا پھر دیکھیے گا

آپ کا ڈراما کیسا ہٹ ہوتا ہے۔'' شاہانہ کیسے پیچھے رہتی۔

''واقعی وقار بھائی آپ تو بہت مقبول ہو جائیں گے۔'' سطوت تو قیر بھرے لہجے میں کہتی۔

''ارے باؤلی ہوگئی ہو تم سب...... اتنی خوبیاں پیدا کر کے بھی اس بے چارے کو ٹی وی کے ڈرامے میں کام دلوانا چاہتی ہو تم سب، آخر وہ کیا کام کرے گا۔'' اماں کو بھی ہنسی آ گئی۔

''دیکھ لیں مامی...... یہ سب میری اداکاری کو کتنا پسند کر رہی ہیں ابھی سے...... جب کہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ میں کہاں کام کروں گا اور کیا کام کروں گا......'' وہ بھی سب کے ساتھ ہنسنے لگتے۔

''ٹھیک تو کہہ رہا ہے بے چارہ۔'' اماں کی بھی ہنسی نہ رکتی۔

''ارے کام کیوں نہیں کر سکتے...... پوسٹ مین بن سکتے ہیں۔ ان کی اداکاری صرف خط پھینکنے کی ہوگی۔ کوٹھی کا دربان بنا سکتے ہیں۔ باراتی بن سکتے ہیں۔ راہ گیر بن سکتے ہیں، تماش بین بن سکتے ہیں۔ مغوی بن سکتے ہیں کہ ان کے ہاتھ پیر باندھ کر کوئی ان کو اغوا کر کے لے جائے...... اور نقاب پوش تو خیر بن ہی سکتے ہیں......'' سطوت قہقہہ مار کر بولی۔

''بند کروا اپنی بکواس بہت چلنے لگی ہے تیری للو بھی۔''

''مامی...... کیا آج چائے بھی نہیں ملے گی......'' وہ صادقہ کو تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے جو شام کے لیے سالن بگھار رہی تھی اور اسے چائے بنانے کی قطعاً کوئی پروا نہیں تھی۔

''ارے واہ...... چائے کیوں نہیں ملے گی...... روٹی بھی کھا کر جانا...... چل صادقہ اپنے بھائی کو چائے بنا کر دے۔''

''آج کیا پکا رہی ہو؟'' وہ اس کے سفید ہاتھوں کو غور سے دیکھتے......

''مسور کی دال۔'' وہ اکل کھرے انداز میں یوں کہتی جیسے کہہ رہی ہو تمہارے منہ کے لیے نہیں ہے...... اس لیے جانا ہے تو چلے جاؤ۔

''مگر تم تو سبزی کاٹ رہی تھیں......'' وہ بھی بلا کے ڈھیٹ ہی تو تھے۔

''فیض بھائی سبزی زیادہ شوق سے کھاتے ہیں۔'' اس کا لہجہ تک گلگوں ہو جاتا...... اور چہرے پر اجالا سا پھیل جاتا۔

''یہ فیض بھائی...... کچھ زیادہ ہی نہیں ٹھہر گئے......کوئی غیر آدمی کسی کے ہاں اتنا تھوڑی رکا کرتا ہے۔'' صادقہ کوان کا لہجہ چوکنا کرتا تو وہ زہر اگلتے۔

''وہ ہمارے لیے غیر نہیں ہیں......'' وہ رسان سے جواب دیتی۔

''اچھا کیا رشتے داری ہے......ان سے تمہاری؟'' وہ اچھا پر زور دے کر کہتے۔

''وہ ہمارے کزن ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں قندیلیں سی روشن ہو گئیں۔ لفظ ''کزن'' بالی عمر کی لڑکوں کے لیے ویسے ہی رنگین جذبے سمیٹے ہوتا ہے۔

''وہ تمہارے ماموں، خالہ، پھوپھی اور چچا اور تایا کے بیٹے تو نہیں ہیں ناں......اس لحاظ سے تو وہ تمہارے نقلی کزن ہوئے......'' وہ ٹھٹھا مار کر ہنسے...... یوں جیسے اس کا مذاق اڑا رہے ہوں۔

''آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیے......وہ ہمارے مہمان ہیں۔'' وہ سرگوشی میں کہتی...... جیسے کسی کو یہ بات معلوم نہ ہو سکے۔

''یہ بات میں نہیں کہتا...... بلکہ سب کہتے ہیں کہ ایک دن کا مہمان، دو دن کا مہمان اور تیسرے دن کا بے ایمان ہوتا ہے...... یوں بھی اس مہنگائی کے دور میں کسی کے گھر زیادہ نہیں رہنا چاہیے۔''

''میرے خیال میں یہ ہمارے گھر کا مسئلہ ہے......آپ کو اس معاملے میں بولنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے......'' وہ اس سفاکی سے جملہ ادا کرتی کہ وہ بھونچکے سے اس کی شکل دیکھتے رہ جاتے...... اس کا چہرہ غصے سے کس لیے لال ہے۔ ان کے دل و دماغ میں طوفان سے آجاتے۔

''مامی یہ سب ٹھیک نہیں کر رہیں؟؟ مامی کو ہرگز...... کسی پرائے لڑکے کو اپنے گھر میں نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ حد ہے ماموں جان بھی سٹھیا گئے ہیں......اور لڑکیوں والے گھر میں جوان لڑکے کو ٹھہرا رکھا ہے۔'' وہ کھڑے ہو کر بڑبڑاتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھتے اور انہیں کوئی خدا حافظ کہنے والا بھی نہیں ہوتا۔

یہی حال سجاد کا تھا......انہیں بھی فیض کا یوں رہنا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

''خالہ...... یہ خالو جان کے کون سے رشتے دار ہیں......جن کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

''پہلے وہ ملک سے باہر تھے۔'' اماں کے جواب دینے سے پہلے سطوت بول پڑتی۔

ایک مرتبہ سجاد کی مڈبھیڑ فیض سے ہو گئی...... ورنہ عموماً اگر گھر میں کوئی مہمان آتا تو فیض اس وقت تک گھر نہ آتا۔ جب تک مہمان چلا نہ جاتا......دروازے کے ساتھ لگی سائیکل یا بائیک سے اندازہ ہو جاتا تھا اسے کہ کوئی نہ کوئی آیا ہوا ہے۔ مگر اس شام سجاد بھائی اپنے گھر سے ٹہلتے ہوئے آئے تو تھوڑی دیر بعد فیض بھی آ گیا۔

''یہ فیض ہے۔ تمہارے خالو کے عزیز ترین دوست منور کا بیٹا......'' اماں نے تعارف کرایا۔

''کیا کرتے ہیں آپ......؟'' سجاد بھائی نے مصافحہ کر کے پوچھا۔

''ہماری ایک چھوٹی سی فیکٹری ہے......اس فیکٹری کی بنی ہوئی شرٹس باہر بھیجی جاتی ہیں......!''

''اچھا تو آپ کا بزنس ہے......'' سجاد بھائی نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں......!''

''تو لاہور بھی اسی سلسلے میں آئے ہوں گے......!''

''جی ہاں...... ہم اپنی کمپنی کا ایک آفس یہاں قائم کرنا چاہتے ہیں اور ایک بڑی شاپ بھی جہاں ہماری شرٹس رکھی جائیں......!''

''پھر تو آپ کو کسی بڑے ہوٹل میں ٹھہرنا چاہیے تھا...... یہاں رہ کر تو آپ کو واقعی تکلیف ہو رہی ہو گی......!''

''ڈیڈ نے کہا تھا......انکل سے ضرور ملنا......اور چچی جان مجھے کہاں جانے دے رہی ہیں......!''

''میں تو آپ کی تکلیف کے خیال سے کہہ رہا تھا......آپ کو نہیں تو آپ کے کلائنٹس کو تو پریشانی ہوتی ہو گی ناں......!'' سجاد بھائی کے ہر جملے کا مطلب یہی تھا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔

''ہوتی ہے تکلیف تو ہوتی رہے......میں تو نہیں جانے دینے کی......میرا بچہ آیا ہی کتنے دنوں کے لیے ہے......'' اماں نے سجاد کی بات کاٹ کر کہا تو صادقہ کی رکی سانس بحال ہوئی۔

ماموں کے بیٹے جواد آتے تو ان کو فیض کا یہاں رہنا ایک آنکھ نہ بھاتا۔

''ابھی تک گئے نہیں وہ ہیرو......'' میز پر پڑی ہوئی فیض کی عینک وہ اپنی آنکھوں پر لگاتے ہوئے کہتے۔

''ارے دوسرے کی عینک نہیں لگاتے...... یہ فیض بھائی کی عینک ہے......'' سطوت نے ناگوار سے لہجے میں انہیں ٹوکا۔

''مگر مجھے تو اس عینک سے بالکل صاف نظر آرہا ہے۔''

''آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں گے تو وہ آپ کو نظر کا چشمہ دے گا ناں...... ہوسکتا ہے آپ کا بھی یہی نمبر ہو......'' سلمیٰ کو جواد کا یوں دوسروں کی چیزوں کو چھونا قطعی پسند نہیں تھا۔

''ہوسکتا ہے یہ فیض...... ایسے ہی فیشن میں عینک لگاتے ہوں...... کہ آج کل تو اسٹائل دیکھا جاتا ہے......ان کی فرنچ کٹ داڑھی پر یہ عینک واقعی آفت لگتی ہے......'' جواد قہقہہ لگا کر کہتے۔

''آئیں چائے پی لیں۔'' سطوت ان کی توجہ ہٹانے کی کوشش کرتی۔

''مجھے چائے کب اچھی لگتی ہے، لسی بنا سکتی ہو تو پی لیں گے۔'' نخریلے سے لہجے میں کہا تو سلمیٰ بے پروائی سے ہنستی ہوئی نو دو گیارہ ہو جاتی۔

ایک فیض تھے...... مجال ہے کہ کسی معاملے میں بول تو لیں۔ جب بھی کسی سے بات کرتے اس کی دلچسپی کو مد نظر رکھتے...... ہائے ظالم کا انداز کس قدر منفرد ہے۔ مجال ہے کہ وہ گھر میں کسی سے کوئی کام کہیں...... کس قدر آئیڈیل صفت کے مالک ہیں۔

''چائے پئیں گے آپ؟'' وہ ان کو دیر تک لکھتا دیکھ کر پوچھتی۔

''آپ پلا دیں گی تو پی لیں گے......'' وہ اپنی ڈائری نما فائل سے نظریں اٹھائے بنا کہتے۔

''فیض بھائی آپ کے لیے کھانا لے آؤں؟'' وہ باہر سے جب بھی آتے تو صادقہ بوتل کے جن کی طرح ان کے سامنے حاضر ہو کر کہتی۔

''کیا بات ہے؟ آپ ہر وقت چائے، کھانے کے علاوہ کوئی دوسری بات نہیں کر سکتیں؟'' ان کا لہجہ کسی حد تک رومانوی سا ہو جاتا اور نظریں اس کے بالوں پر سے پھسلتے اس کے گورے گورے پیروں پر جم جاتیں۔ تب اس کا دل چاہتا کہ وہ انہیں جھنجھوڑ کر کہے تم کیسے مرد

ہو جو منہ سے کچھ پھوٹ نہیں سکتے...... منہ سے کچھ کہتے ہوئے تمہیں شرم آتی ہے...... ویسے تو ہمارے گھر میں دنیا بھر کے افسانے سناتے رہتے ہو...... آج ڈالر کا ریٹ 72 روپے ہے تو کل 75 روپے ہو جائے گا...... مزید بڑھنے کا امکان ہے...... تو تمہیں محبت کے پیمانے کے بارے میں بھی علم ہونا چاہیے تھا...... اماں سے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تمہارے جاتے ہی تمہارے گھر کے لوگ رشتہ مانگنے آئیں گے...... یا جو میں نے سونے کے کڑے دیے ہیں ان کو منگنی کا تحفہ سمجھ لیں کہ آخر کون کسی کو ایسے تحائف دیا کرتا ہے...... سونے کے تحائف تو خاص خاص مواقع پر ہی دیے جاتے ہیں مگر وہ تو کھل کر کچھ بھی نہیں کہہ پا رہے تھے۔ ہر وقت کسی نہ کسی سوچ میں گم رہتے تھے۔

''آپ کو کراچی زیادہ اچھا لگتا ہے یا ہمارا لاہور......؟'' صادقہ اکثر ان سے پوچھا کرتی کہ شاید اسی طرح ان کا کوئی بھید پا لے۔

''بھئی سچ پوچھو تو لاہور بہت اچھا لگتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اتنا اچھا کبھی نہیں لگا جتنا کہ اس دفعہ اچھا لگا۔'' وہ مسکرا کر کہتے۔

''کیوں اس دفعہ...... اس شہر میں کیا خاص بات ہو گئی......؟'' وہ انہیں بولنے کے لیے اکساتی۔

''یہ تو مجھے بھی نہیں پتا چل رہا کہ ہوا کیا ہے...... مگر اس دفعہ یہاں بے حد دل لگا...... ورنہ کراچی تو ایک دم بور ہے، وہاں بندہ انجوائے ہی نہیں کر سکتا۔''

''حیرت کی بات ہے کراچی اتنا بڑا شہر اور سمندر کے کنارے۔ اس کو تو بہت لوگ پسند کرتے ہیں...... اب تو سنا ہے وہاں اتنے سارے ساحل بن گئے ہیں...... سڑکوں پر اس قدر خوبصورت کارنرز بن گئے ہیں۔''

''اپنی اپنی پسند کی بات ہے۔ لاہور آ کر جو مجھے طمانیت، سکون اور سرشاری ملی ہے...... میں بتا ہی نہیں سکتا۔'' فیض مسکرا کر بولے۔

''مجھے تو کراچی دیکھنے کا بہت شوق ہے۔''

''وہ بھی دیکھ لینا مگر جو لاہور کی بات ہے وہ کہیں نہیں ہے۔ مجھے تو صرف لاہور حد سے زیادہ اچھا لگا...... بلکہ لاہور والے بھی۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا......'' صادقہ کا دل چاہا وہ بات کو مزید آگے بڑھائیں......

لاہور والوں سے مراد کون، کون لوگ ہیں...... سب کے نام وہ انگلیوں پر گنوائیں مگر وہ بھی بڑے کائیاں تھے...... موقع ملنے کے باوجود بھی کبھی کوئی مہکتی بات...... کوئی گلابی جملہ کہنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی صرف ایک بار یہ کہہ دینا...... کہ آپ مجھے اچھی لگتی ہیں تو اس کے لیے ایسا ہی تھا...... جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ آج موسم بہت اچھا ہے...... اس پیارے موسم میں ہر شخص اچھا لگ رہا ہے۔ ایک ایسی لڑکی جو روزانہ کالج جا کر اپنی سہیلیوں کی خوشبودار مہکتی رازدارانہ باتیں سن کر آتی تھی...... اس کے پاس کسی کو سنانے کے لیے دو ڈھنگ کے گلابی قصے تک نہیں تھے...... اس کی کیسی ہیٹی ہو رہی تھی یہ وہی جانتی تھی۔

''کیا تمہارا شادی شدہ کزن آیا ہوا ہے کہ جس کے لبوں پر پہرے ہیں؟'' صابرہ نے تو آج جل کر کہہ دیا تھا۔

''وہ بہت محتاط قسم کے شخص ہیں...... زیادہ بات چیت نہیں کرتے۔''

''کیا ڈرپوک قسم کا لڑکا ہے......'' شبانہ نے تو مذاق تک اڑا ڈالا۔

اس دن تو حد ہی ہو گئی تھی...... بڑی خالہ کے ہاں ان کے پوتے کا عقیقہ تھا...... سبھی اپنی بساط سے بڑھ کر تیار ہو کر جا رہے تھے حد تو یہ تھی کہ اماں نے بھی نیا جوڑا پہنا تھا...... صادقہ جو اُن کے ہاں تقریب میں جانے سے جی چرایا کرتی تھی (کہ شاکر میاں کی آنکھوں کے پٹاخے پھلجڑیاں چھوڑنے لگتے تھے۔ مگر اب وہ چاہتی تھی کہ فیض اسے بنا سنورا دیکھیں...... یہ اس کی الہڑ عمر کا تقاضا بھی تھا۔

''صادقہ باجی...... شاکر بھائی تو آپ کو دیکھ کر گر پڑیں گے۔'' سطوت نے سرگوشی کی تو سلمٰی نے قہقہہ لگا ڈالا۔

''خدا نہ کرے۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑائی۔

''ارے بڑا خیال ہو گیا ان کا......'' سطوت نے جان بوجھ کر چھیڑا اور لہرا کر چلی۔

''دیکھو چلتے وقت مجھ سے پٹو گی کیا......!''

''آخر آج آپ اپنے منگیتر کے ہاں جا رہی ہیں...... گارڈ آف آنر تو وہ پیش کریں گے ہی ناں......!''

''زیادہ ترتر کی تو جاؤں گی بھی نہیں...... ہاں۔''

''واقعی باجی...... تم نہیں جاؤ گی؟'' اس کا لہجہ شرارت سے لبالب ہو رہا تھا۔

''بالکل نہیں جاؤں گی...... تم بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو......'' وہ اکڑ کر بولی۔

''خدا کے لیے صادقہ باجی آپ واقعی مت جائیں...... خوانخواہ جا کر بور ہی ہوں گی اور جب آپ جائیں گی نہیں تو میں آپ کا یہ سوٹ پہن کر چلی جاؤں گی تو آپ کو یقیناً برا بھی نہیں لگے گا۔''

''اچھا یہ بات ہے...... میرے اس سوٹ پر نظریں ہیں تمہاری......'' سطوت کی شرارت پر صادقہ کو ہنسی آ گئی۔

''اری باؤلی ہے...... کون سا یہ میرا اپنا سوٹ ہے...... اپنی کالج کی سہیلی سے مانگ کر لائی ہوں' مجھے خود احتیاط سے پہننا ہے......'' سیاہ رنگ کا بھوپالی سوٹ واقعی بہت شاندار تھا جس پر روپہلی دھنک اور گوٹے کا کام بہت مہارت اور سبک انداز میں کیا گیا تھا اور پھول کے وسط میں ستارے جگمگا رہے تھے۔ صادقہ نے سیدھی مانگ نکال کر بڑی سی چوٹی باندھی تو اماں اس کو نظر بھر دیکھ کر رہ گئیں۔

''ماشا اللہ میری صادقہ کیسی چاند کی طرح چمک رہی ہے۔'' سلمٰی نے ناک میں سرخ رنگ کی لوگ پہنا دی تو صادقہ کے چہرے پر کئی رنگ آپ ہی آپ بکھر گئے۔ اس پر حیا کی سرخی نے اسے مزید حسین ترین بنا دیا تھا۔

''اری اپنی نظر اتار کر جائیو ویسے ہی خون بڑا ہلکا ہے تیرا۔'' اماں کو صادقہ سے زیادہ خوبصورت کوئی نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

''چچی کس کی نظر اتروائی جا رہی ہے......؟'' فیض اپنی آستین کا کف پلٹے ہوئے جب آنگن میں آئے تو صادقہ کو دیکھ کر اچنبھے میں آ گئے۔

''فیض بھائی آپ بھی چلیے ناں ہمارے ساتھ......'' سطوت نے کہا۔

''نہیں بھئی...... مجھے اپنے آفس کے کام کے سلسلے میں کسی سے باہر ملنے جانا ہے۔'' وہ ہمیشہ تقریبات میں شرکت کرنے سے گریز کرتے تھے۔

''فیض بھائی آپ ہمارے ساتھ چلیں گے تو ہماری خالہ بھی خوش ہو جائیں گی۔'' صادقہ نے بڑے مان سے کہا۔ ورنہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی قسم دے کر کہے...... ''سنو تمہیں میرے ساتھ جانا ہی پڑے گا۔''

''ارے...... رے...... یہ کون صاحبہ ہیں اور یہ کہاں سے آئی ہیں؟'' فیض شرارت

سے اماں سے ہکلاتے ہوئے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"دیکھا...... رہ گیا ناں حیران...... میری صادقہ ذرا سا بھی کریم پاؤڈر لگا لے تو شکل ہی بدل جاتی ہے۔" اماں نے ٹھٹھا لگا کر کہا۔

"ارے، کیا یہ واقعی اپنی صادقہ ہیں۔" وہ آنکھیں مسل کر پھر شرارت سے بولے...... لفظ "اپنی" پر صادقہ کے من کی کلی کھلتی چلی گئی۔

"ہوں...... آخر صاحبزادے پر اثر ہو ہی گیا۔"

"واقعی حسن میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ یہ اپنے آپ کو تسلیم کروانے کا گر جانتا ہے......" وہ ہشاش بشاش سی ہو گئی۔

"جی ہاں...... یہ ہم ہی ہیں۔" وہ اونچی ایڑی پر کھٹ کھٹ کرتی جان بوجھ کر لہراتی ہوئی گزر گئی مگر اس کی یہ خوشی صرف چند لمحوں کی ہی تھی۔ فیض اپنے کان پکڑ کر اماں کے سامنے خوفزدہ سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اُف خدایا...... میں تو ڈر ہی گیا تھا...... مجھے تو یوں لگا جیسے کوئی چڑیل ادھر آ گئی ہو کالے کپڑے پہن کر ڈرانے کے لیے...... اچھا ہوا کہ چچی جان نے بتا دیا ورنہ کہیں اکیلے میں یہ صاحبہ نظر آ جاتیں تو میری چیخ ہی نکل جاتی۔" انہوں نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ اماں...... فیض بھائی کے اس مذاق پر ہنس ہنس کر دُہری ہو گئیں اور اس کو پہلی مرتبہ ان پر اتنا غصہ آیا کہ وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

"کم بخت بدنصیب کہیں کا...... میں اسے چڑیل جیسی لگی۔ بخیل کے پاس دو جملے ستائش کے نہیں تھے ویسے تو بڑا رئیس زادہ ہے مگر لفظوں کا فقیر ہے۔ کیا تھا اگر کہہ دیتا...... اپنے محبت بھرے اور مخمور سے لہجے میں...... "صادقہ آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔ تمہارے جیسی من موہنی صورت میں نے کبھی نہیں دیکھی نہ دیکھ سکتا ہوں۔ تمہیں دیکھ کر میں اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھا ہوں...... تمہیں دیکھ کر میرا واقعی شاعری کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔" اسے یاد تھا کہ اس کی کالج کی سہیلیاں اپنے، اپنے کزنز کی کس قدر گلابی باتیں اسے سنایا کرتی تھیں...... جنہیں سن کر ہی وہ پسینے پسینے ہو جاتی تھی اور ان کو رشک بھری آنکھوں سے دیکھتی کہ وہ محبت سے کس قدر مالا مال تھیں (یہی باتیں...... اکثر کالج گرلز کے لیے محبت کا مفہوم رکھتی ہیں) اسے یوں لگا جیسے اس کی ساری محنت اکارت چلی گئی ہو...... تن پر چڑھا کالا لباس اسے بری طرح ڈسنے لگا۔

فیض گھر سے نکل گئے...... تو وہ اماں سے آپ ہی آپ کہنے لگی۔

"اماں...... اگر میں نہ جاؤں تو؟"

"اری پاگل ہے کیا، بجی سنوری کھڑی ہے اور جانے کو منع کر رہی ہے۔"

"دل نہیں چاہ رہا...... اس قدر تھکن سی ہو رہی ہے...... دل چاہ رہا ہے کہ فوراً سو جاؤں۔" وہ بے دلی سے بولی۔ اکتاہٹ اس کے لہجے میں نمایاں تھی۔

"رات کو میں تمہیں اکیلے نہیں چھوڑ سکتی، دن کی تقریب ہوتی تو چھوڑ بھی دیتی۔"

اماں اپنے اصولوں میں خاصی سخت تھیں۔

"کیسے ہیں یہ فیض بھی...... دوسروں کا دل رکھنا بھی نہیں جانتے...... کیا تھا جو مجھے دیکھ کر صرف یہی کہہ دیتے کہ اچھی لگ رہی ہو...... میں اس کی تشریح اپنے دل کے حوالے سے آپ ہی آپ کر لیتی...... محبت کرنے والے تنہائی کے بجائے مجمع میں بولنے کے عادی ہوتے ہیں...... انہیں نہ کسی کا ڈر ہوتا ہے اور نہ ہی پروا......! بندے کو اتنا کم گو بھی نہیں ہونا چاہیے جب کہ مخاطب حسن کی شہزادی ہو اس کے خوابوں کا شہزادہ تو اس کے خوابوں میں آ کر ڈائیلاگ کی بوریاں بھر کر رکھ دیتا تھا اور اس کے ستائشی جملے ختم ہونے میں نہیں آتے تھے اور یہ جیتا جاگتا شہزادہ اس قدر کم ظرف ہے کہ کسی کے حسن کو سراہنا بھی نہیں جانتا...... نامراد کہیں کا......" وہ کھول کر ہی تو رہ گئی۔

☆☆☆

بڑی خالہ کے ہاں تقریب میں شاکر میاں، صادقہ کی آمد کو اپنے لیے کسی بڑے اعزاز سے کم نہیں سمجھ رہے تھے...... اسے دیکھ کر وہ بے وجہ ہی ہنسے چلے جا رہے تھے۔

"ہونہہ، پاگل تو نہیں ہو گئے حضرت......" وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"باجی! آج تو یہ دیوانے بن کر جنگل میں نکل جائیں گے......" سطوت اس کے کان میں کہہ کر آگے نکل گئی...... سلمیٰ بھی ان کی حرکات دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"اچھا ہے کہیں دور نکل جائیں، رشتہ کیا دیا ہے...... اپنے آپ کو منگیتر ہی سمجھنا شروع کر دیا ہے......" اس کی سوچیں دماغ کھولانے لگیں۔ بڑی خالہ اسکا ہاتھ تھام کر اس کا تعارف ایسے کراتی پھر رہی تھیں جیسے آنے والوں سے داد حاصل کر رہی ہوں کہ دیکھو میں نے اپنے بیٹے کے لیے کیسے ہیرے کا انتخاب کیا ہے۔

''واہ بھابی واہ...... بہو تو تم نے بھی بہت ڈھونڈ کر چھانٹی ہے۔'' ان کی کسی ملنے والی نے اسے دیکھ کر تبصرہ کیا اور ٹھٹھا لگا کر خالہ سے ہاتھ ملایا۔

''کیا سمجھتی ہو ہمیں...... ہماری نظریں جوہر شناس ہیں۔'' وہ صادقہ کی بلائیں لیتے ہوئے بولیں۔ اس کا جی بولانے لگا...... ابھی وہ کرسی پر ہی آ کر بیٹھی تھی کہ مہمانوں کے ہجوم میں اسکا دل گھبرا سا گیا۔ مہمانوں کے اشارے کنایے اسے مغموم سا بنا گئے تھے۔ وہ تو کسی صورت اس گھر کی بہو نہیں کہلوانا چاہتی تھی۔

''آپ کا بے حد شکریہ...... ہمارے یہاں کی تقریب میں آ کر...... آپ نے میری دلی خوشی بڑھا دی۔''

''کس بات کا شکریہ؟'' وہ قصداً خاصا زور سے بولی۔

''کسی بات کا بھی نہیں۔'' دو چار لوگوں کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑے ہوئے چہرہ سے بدحواس سا ہو گیا جیسے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہوں۔

''آپ بیٹھیے ناں...... آپ شاید کچھ کہہ رہے تھے۔'' انہیں چھیڑتے ہوئے اسے مزہ آ رہا تھا۔

''ارے فیض بھائی کیوں نہیں آئے...... اماں تو بطورِ خاص خالہ سے کہہ کر آئی تھیں کہ اپنے مہمان کو بھی ساتھ لے کر آنا۔''

''انہیں کسی کام سے جانا تھا۔'' اب بدحواس ہونے کی باری صادقہ کی تھی۔

''پھر بھی آ جاتے تو اچھا لگتا...... غریبوں کی تقریبات کیسی ہوتی ہیں...... انہیں بھی یاد رہتا۔''

''وہ گھر میں نکتے کہاں ہیں۔ ہر وقت انکا آفس ہوتا ہے اور وہ ہوتے ہیں۔''

''میں ان کی جگہ ہوتا تو کسی کے گھر میں رہنے کے بجائے ہوٹل میں رہنے کو ترجیح دیتا...... اب کسی کے گھر میں نہ تو آرام مل سکتا ہے اور نہ ہی پرائیویسی۔''

''ہونہہ...... تم ان کی جگہ لے ہی نہیں سکتے۔'' یہ سوچ کر اسے ہنسی سی آ گئی۔ ''بھلا گیدڑ بھی ہاتھی کی جگہ لے سکتا ہے۔'' فیض کی شخصیت ان کی دریادلی...... ان کے شاہانہ تحائف کی بنا پر اتنی اونچی ہوتی جا رہی تھی کہ وہ سر اٹھانے کے قابل تک نہیں رہی تھی...... ان کے مقابلے میں شاکر میاں کا جوائنٹ فیملی سسٹم کا غریب سا گھرانا اسے قطعی پسند نہ تھا۔ شور مچاتے

ڈھیر سارے بچے، لڑتی ہوئی دیورانیاں، جیٹھانیاں، چھوٹا سا تنگ گھر...... جس میں سب کو ایک، ایک کا بک ملا ہوا تھا۔

''ہونہہ یہ بھی کوئی زندگی ہے...... ساری زندگی اپنی خوشیاں اپنے سینے میں دابے مر جاؤں۔ میں تو کسی صورت اس گھر میں دلہن بن کر نہیں آؤں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' اس سوچ نے اسے خاصی تقویت دی۔

یوں بھی جب دو چیزوں کا مقابلہ کیا جائے تو دل اسی کی طرف لپکتا ہے جس کا پلڑا بھاری ہو...... اور یہاں چیزوں کا نہیں دو شخصیات کا مقابلہ تھا اور فیض ہر معاملے میں آگے ہی آگے بلکہ بہت آگے تھے......! فیض نہ صرف بولنا بہت اچھا جانتے تھے بلکہ مسحور کرنے کا فن بھی انہیں آتا تھا اور پھر بقول ان کے...... ان کا تعلیمی کیریئر بھی بہت شاندار رہا تھا۔ ایک یہ شاکر بھائی تھے جو اخبار میں چوری، ڈکیتی یا فلم اسٹاروں کے علاوہ کوئی چیز ہی نہیں پڑھا کرتے تھے۔

''آج کا اخبار پڑھا...... یونیسیف کے حوالے سے کتنی گرینڈ نیوز شائع ہوئی ہیں۔'' ایک دن اس نے شاکر کا امتحان لینے کے لیے پوچھا تھا۔

''ہمارے ہاں صرف بدھ اور اتوار کے دن اخبار آتا ہے۔'' وہ سادگی سے بولے تھے۔

''ہمارے ہاں بھی صرف ان ہی دو ایام میں آتا ہے مگر میں کالج میں پڑھ لیتی ہوں۔ آپ کیا اپنے دفتر میں نہیں پڑھ سکتے۔''

''ارے اخبار میں کیا رکھا ہے، رات کو ٹی وی خبریں سن لیتے ہیں۔ وہی کافی ہوتا ہے کیا ضروری ہے کہ اوندھی ماری خبریں پڑھ کر ہم اپنے آپ کو ہولایا کریں۔'' انہوں نے بات کا مفہوم ہی بدل دیا تھا۔

''نہ تعلیم، نہ قابلیت...... اور آرزو کرنے چلے ہیں میری......'' اس کا دل مارے غم کے پھٹنے لگا، یہ اس کی ہتک تھی۔

''کاش فیض میرے طلب گار بن جائیں......'' اس کا رواں رواں دعا گو بن گیا...... اسے لگا جیسے فیض اپنے گھرانے کے ساتھ ان کے گھر آئے ہیں اور ان کی ماں جھولی پھیلائے اماں کے سامنے کھڑی کہہ رہی ہیں...... ''مجھے صادقہ دے دو...... میں اس کو اپنی بہو بناؤں گی۔'' کاش ایسا ہو جائے تو بھی خاندان والے کہیں گے صادقہ کو اپنے لحاظ سے بر ملا۔

ایسی پیاری لڑکی کو ایسے ہی ہیرے لڑکے کی بیوی بننا چاہیے تھا۔ حسن کی تمکنت کا بھاؤ اگر ہلکا ہو تو ایسے حسن کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ اس کا احساس تھا جو دل میں بہتے ہوئے لہو کی گردش کے ذریعے ہوش سنبھالتے ہی اس کے دماغ میں یوں فٹ ہو گیا تھا جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ اسے اچھی طرح یاد تھا (جب وہ چھوٹی سی تھی) ان کے ہاں جب کوئی ذی حیثیت مہمان اپنی کار میں بیٹھ کر آتا تو سارا گھر بوکھلا جاتا، مہمان کا رعب و دہشت میزبانوں کو مرعوب سا کر دیتی۔ اماں بے چاری کی تو ہمیشہ ٹانگیں کانپنے لگتیں۔ اللہ بخشے دادی اماں کو ہمیشہ اختلاج مہمانوں کو دیکھ کر ہوا۔ دروازے پر کھڑی ہوئی موٹر گھر والوں کو اپنے سینے پر کھڑی معلوم ہوتی۔ اس زمانے میں گاڑی کا خاصا رعب بھی ہوتا تھا۔ محلے والوں پر الگ اثر پڑتا تھا...... محلے کے بچے اس کے گرد دائرے بنا کر کھڑے ہو جاتے تھے۔

سلمٰی آپا جو سدا سے کپڑے بدلنے کی چور تھیں...... عموماً میلے کپڑوں کی وجہ سے وہ امرود کے پیڑ پر چڑھ کر بیٹھ جاتیں...... جہاں سے نظر آئے بغیر انہیں نہ صرف مہمانوں کو تاڑنے میں آسانی رہتی بلکہ وہ سارا حساب کتاب بھی رکھتیں کہ کس نے کتنے بسکٹ کھائے اور کتنے کپ چائے پی۔ زیادہ ٹھونسنے والے مہمانوں کو وہ وہیں بیٹھے بیٹھے کوسا کرتیں اور سب سے خاص بات یہ کہ چھپ جانے سے وہ سامنے آ کر شرمانے سے بھی بچ جاتیں۔ جب کہ بیچاری شاہانہ کو خوب شرمانا پڑتا۔

''بیٹے آپ کا نام کیا ہے؟'' ذی حیثیت مہمانوں کو اپنے غریب رشتے داروں کے بچوں کے نام کہاں یاد ہوتے ہیں۔ شاہانہ کبھی اپنا انگوٹھا منہ میں لے لیتیں تو کبھی انگلی منہ میں داب لیتیں حالانکہ اس وقت بھی خاصی سمجھدار تھی۔

''آپ کس کلاس میں پڑھتی ہیں......؟'' مہمان بے دلی سے پوچھتے۔

''اماں سے پوچھ لیں......!'' وہ پھر شرما جاتیں۔

''اری جا...... باہر جا کر کھیل...... کہیں کوئی محلے کا بچہ موٹر کو ہاتھ نہ لگا دے......''

اماں اس کے باؤلے پن کے مظاہرے کو دیکھ کر اسے باہر چلتا کرتیں۔

سطوت جسے سدا بہار نزلہ رہا کرتا...... اماں اسے پڑوس میں ٹہلا دیتیں...... ہاں ایک صادقہ تھی جو مہمانوں کی خاطر مدارات میں دوڑی دوڑی پھرتی...... نہ اسے بے کار کی شرم آتی اور نہ ہی وہ کسی کو دیکھ کر ہونق بنتی۔ وہ انتہائی سلیقے سے چار کمزور ٹانگوں والی لرزتی، کانپتی

میز کو احتیاط سے مہمانوں کے سامنے رکھتی۔ کروشیے کا بنا ہوا واحد میز پوش جو تا گھانی آنے والے مہمان کے لیے سینت کر رکھا ہوتا...... وہ نکال کر میز پر بچھایا جاتا۔ اماں اپنا مزید سلیقہ دکھانے کے لیے حفظِ ماتقدم کے طور پر میز پوش پر اخبار بچھا دیتیں کہ کہیں چائے نہ چھلک جائے۔ انرجی کے سیل زدہ بسکٹ چائے کے ساتھ بڑے اہتمام کے ساتھ پیش کیے جاتے، جسے مہمان بھی بڑے شوق سے کھاتے۔ شاہانہ دروازے کی جھری سے ندیدے پن سے جھانکتی رہتیں کہ کب مہمان جائیں اور وہ ان بسکٹوں پر ٹوٹ پڑیں اور جب مہمان چلے جاتے تو سب گھر والوں کے اوسان بحال ہوتے۔

''ہائے کتنے اچھے لوگ ہیں...... ہمارے گھر خود چل کر آئے...... یہ ان کے بڑے ہونے کی نشانی ہے......'' اماں کا یہ جملہ سارے گھر کے بھاگ جگا دیتا۔ سلمٰی امرود کے درخت سے اتر آتیں اور ساری کمنٹری نشر کرتیں۔

''مہمان کا بچہ...... موٹر ہونے کے باوجود پوری چار بسکٹ کھا گیا...... اماں تو ہمیں کہیں لے جائیں...... تو مجال ہے کہ کوئی چیز کھانے دیں۔''

ذی حیثیت مہمانوں سے ہی تکلف اور اہتمام سے ملا جاتا ہے ورنہ اپنے جیسے مہمانوں کے سامنے سب اپنے، اپنے حلیوں میں آ جاتے۔ سطوت کی ناک بہتی رہتی، بایاں نتھنا تو باقاعدہ پکتا رہتا۔ بچپن میں سطوت خاصی گھناؤنی سی ہوا کرتی تھی۔ چھوٹی پھپھو کئی دفعہ اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کی ناک رگڑ ڈالتیں اور وہ گھنٹوں روتی رہتی...... اس کی ریں ریں سے سب عاجز ہی رہا کرتے تھے۔ پان نہ ہوتے تو خالی کتھا چونا مہمان بھی چاٹ لیتے...... اگر پان کا کال پڑ جاتا تو امرود کے پتے تک کھا لیے جاتے۔ شام کی چائے، آٹھ آنے والے پاپے پر لڑائی آنے والوں کے سامنے بھی ہو جاتی جسے ہنس ہنس کر دیکھا جاتا...... ان دنوں روز کا یہی وطیرہ تھا۔

''اری چپ ہو جا، نہ لڑ......'' اماں سلمٰی آپی کو جوتی دکھاتیں جو ہمیشہ شاہانہ کا پاپا کھانے کی فکر میں رہتیں۔ ان کی نیت خرابی کے قصے جتنے مشہور تھے شاید ہی کسی کے ہوں۔ اماں ہر آئے گئے کے سامنے خوب ہنس ہنس کر سناتیں۔ انہیں شاید گفتگو کے لیے اس سے زیادہ بہتر موضوع کبھی ہاتھ نہیں آیا تھا جسے اب سلمٰی اپنے ماضی کے المیے کے طور پر یاد رکھتی تھی۔ جب کھانے پینے پر لڑائیاں اپنی حدیں چھونے لگتیں تو اماں چپل لے کر کھڑی ہو جاتیں۔

"بڑی نیت خراب ہے۔" وہ تابڑتوڑ ہر ایک کی کمر پر چپلیں برساتیں۔

"ارے چھوڑو بھابی...... مت مارو......" بڑی پھپھو اماں کے ہاتھ سے چپل چھین لیتیں...... "یہ لڑائیاں تو سب گھروں کی ہیں...... ہمارے ہاں خود ایک انڈے کی ٹکیہ پر چار جنے لڑتے ہیں۔" پھپھو اس سے زیادہ گری ہوئی حرکتیں بتا کر انہیں شیر کرتیں۔ تب صادقہ کا دل چاہتا سلمٰی کے ساتھ شاہانہ اور سطوت کا منہ تھپڑوں سے لال کردے۔

غربت میں بدتمیز اور بدنیت ہونا تو ضروری نہیں ہوتا...... یہ اس کی سوچ تھی جو اس کے گھرانے پر کم از کم لاگو نہیں ہو رہی تھی۔ یہ خاصی حیران کن بات تھی۔ اس ٹائپ کی ان لڑائیوں میں صادقہ ایک بار بھی نہیں پٹی تھی۔ وہ شروع سے ہی اپنے گھر والوں سے قطعی مختلف تھی۔ وقت پر ہمیشہ کھانا کھاتی، کھانا کھانے کے بعد مجال ہے کہ وہ دوبارہ بیٹھ جائے...... جب کہ اس کی بہنوں کے ساتھ اماں کا بھی منہ چلتا رہتا۔ وہ چاہے کتنی ہی پیٹ بھرے بیٹھی ہو محلے سے اگر چھٹانک بھر بریانی آ جاتی تو سب کے چہرے ایسے کھل جاتے جیسے کب کے بھوک ہڑتالیوں کی ہڑتال ختم ہوئی ہو۔ اس کی سب بہنیں اماں سمیت اسی وقت کھانے بیٹھ جاتیں...... سب کے ہاتھ ایک ہی رکابی میں الجھ جاتے۔ یہ بوٹی میری، یہ ہڈی تیری پر تکرار شروع ہو جاتی...... ذرا سی چیز مر بھکوں کی طرح کھائی جاتی۔

"صادقہ...... اری...... تو بھی کھا لے......" اماں انگلیاں چاٹتے ہوئے اسے بھی آواز لگاتیں۔

"اماں...... کھانا کھائے ہوئے ابھی پانچ منٹ نہیں ہوئے...... کیسے کھا لوں...... میرا پیٹ کوئی بارہ بیگھے تو پھیلا ہوا نہیں ہے۔" وہ تڑخ کر بولتی۔ اپنی اماں اور بہنوں کی یہ عادت اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔

"اری آ جا...... بڑے مزے کی ہے ورنہ بعد میں پچھتائے گی......" اماں کا لہجہ نغمہ بار ہوتا۔

"اماں پلیز...... آپ مجھے مت بلایا کریں...... میری عادت جانتی تو ہیں پھر بھی آوازیں دیتی رہتی ہیں۔ اس سے مجھے اور زیادہ وحشت ہوتی ہے...... آپ لوگ خود ہی کھا لیا کریں...... ہاں۔"

"ارے ہم تو محبت سے بلاتے ہیں...... ورنہ نہیں آئیں گی تو ہمارا ہی فائدہ

ہے......" سطوت اترا کر کہتی اور اس کے مزید آگ لگ جاتی۔

"اری اب آ بھی جا...... دیکھ دو نوالے باقی ہیں......" اماں کے حلق میں اس کے بغیر نوالہ پھنستا۔

"کھانا ہمیشہ وقت پر کھانا چاہیے...... چاہے کچھ بھی ہو اور کھانا کھانے کے بعد ایک نوالہ بھی نہیں کھا سکتی۔"

"اماں...... باجی کی قسمت میں ہی نہیں ہے...... کیوں آپ بے کار میں خوشامدیں کر رہی ہیں۔" سطوت آخری نوالہ سمیٹ کر فخر سے کہتی۔

"ہاں، نہیں ہے میری قسمت میں۔" اسے غصہ آ جاتا اور اب اسے فیض کے بارے میں سوچ سوچ کر بھی یہی کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔ "شاید...... وہ بھی میری قسمت میں نہیں۔ آخر بہت سی چیزیں میری قسمت میں نہیں تھیں۔ اسکول سے بھاگنے کی لذتوں سے محروم رہی۔ فیل ہونے کے چسکے مجھے کبھی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ نقل کرنے کی بہادری کبھی مجھ میں نہیں آتی تھی۔ گھر والوں سے چھپ کر کیریاں اتار کر نمک، مرچ کے ساتھ ایک آنکھ بند کر کے میں نے کبھی نہیں کھائی تھیں اور اب فیض کا وجود اتنا ارفع اور اعلیٰ نظر جو دسترس سے بالا ہے۔"

کبھی اسے لگتا...... کہ وہ صرف اس کی وجہ سے ان کے پاس ٹھہرے ہوں...... ان کا قیام...... صرف اور صرف اس کی وجہ سے بڑھتا چلا جا رہا ہو اور کبھی اسے لگتا...... کہ وہ اپنے کاروبار میں اتنے مست ہیں کہ انہیں اس کی پروا تک نہ ہو۔ وہ اپنے معاملات میں اتنے محو ہوں کہ انہیں اس کا خیال تک نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی سوچیں اگر کسی ساعت اسے آسمان تک بھی لے جاتیں تو زمین تک آنے میں بھی دیر نہیں لگتی تھی۔

"صادقہ بیگم...... مایوسی کو کبھی اپنے پاس پھٹکنے بھی مت دیا کرو۔" اس کا دل اسے اکثر سمجھایا کرتا۔

"کس بوتے پر امید رکھوں......؟" وہ اپنے آپ سے کہتی۔

"قسمت اپنے آپ بنائی جاتی ہے۔" دور کہیں...... ایک ننھا سا آس کا دیا...... اس کے ذہن میں روشن ہوا۔

"مگر کیسے......؟" دل دھڑک کر اسے پہلو میں آ گیا تھا۔

شاکر کے ہاں وہ موجود ضرور تھی مگر اس کا ذہن شائیں شائیں کر رہا تھا...... لوگ

ہنس رہے تھے، باتیں کر رہے تھے، کھا پی رہے تھے...... اور وہ ان سے ماورئی اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ فیض کا وجود کسی شہنشاہ کی طرح اس کے دل ودماغ پر حکومت کر رہا تھا...... جس سے وہ اپنے آپ کو آزاد نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ مغموم سے انداز میں اٹھی تو نہ اماں نظر آئیں اور نہ ہی بہنیں۔

''اللہ کہاں جا کر بیٹھ گئیں...... ضرور چھت پر بیٹھ کر سب سے گپیں لڑا رہی ہوں گی......'' وہ آپ ہی آپ بڑبڑائی۔

وہ اماں کو جلدی گھر چلنے کے لیے کہنے کو اٹھی...... زینہ چڑھ ہی رہی تھی کہ لائٹ چلی گئی...... اور سارا گھر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ تبھی کوئی دھم دھم کرتا ہوا اوپر اس سے آ ٹکرایا...... مارے ڈر اور خوف کے اس کی چیخ سی نکل گئی۔

''کون ہے بھئی......'' شاکر کی پریشان سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''میں صادقہ ہوں......'' وہ ان کے بازو سے آ لگی۔

''اوپر کہاں جا رہی ہیں۔''

''اماں کو بلانے کے لیے۔''

''خالہ تو نیچے کھانا کھا رہی ہیں...... لگتا ہے تم نے نہ تو اپنی تصویریں بنوائیں اور نہ ہی سب کے ساتھ گیت گائے۔''

''مجھے پتا ہی نہیں چلا...... میں تو سب کے ساتھ اوپر آ گئی تھی...... مجھے یہ بھی پتا نہیں چلا کہ کب سطوت اور سلمیٰ نیچے چلی گئیں۔''

''چلو نیچے...... میں تمہیں کھانا کھلواتا ہوں۔''

''میں سمجھی اماں، اوپر چلی گئیں...... وہاں سے آوازیں بھی آ رہی ہیں۔''

'وہاں میں نے مردوں کا کھانا شروع کروا دیا ہے......'' انہوں نے ماچس کی تیلی جلا کر روشنی کی۔

جس طرح ایک چھوٹی سی نیکی بھی اپنے پروردگار کے نزدیک بہت بڑا اجر رکھتی ہے اسی طرح ماچس کی ننھی سی لو بھی گہری تاریکی میں خاصی روشنی پھیلا رہی تھی۔ تب وہ سنبھل، سنبھل کر سیڑھیاں اترتی رہی اور شاکر میاں ماچس کی تیلیاں جلاتے رہے اور جب اس نے آخری سیڑھی سے نیچے قدم رکھا...... تو لائٹ اسی لمحے آ گئی...... اور وہ اپنی آنکھیں مسلنے لگی۔

''خدا کا شکر ہے کہ دبیز اندھیرے میں آپ کو کوئی ٹھوکر نہیں لگی۔'' وہ اس کو مسکراتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ایک انجانی ملکیت کا احساس سمندر بن کر ان کی آنکھوں میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''ٹھوکر کیسے لگتی...... آپ جو میرے ساتھ تھے۔'' جملہ آپ ہی آپ اس کے لبوں سے پھسل گیا، جس کی ادائیگی کی بعد وہ از خود نادم سی ہو گئی۔

''اللہ! یہ میں کیا کہہ گئی، میری ذرا سی بات کے وہ نامعقول شخص پچاس مطلب اخذ کر بیٹھے گا۔ وہ ویسے بھی میرے عشق میں گوڈے گوڈے غرق ہے۔ اب تو پورا ہی ڈوب مرے گا اور وقتاً فوقتاً اپنے بے ہودہ عشق کے لشکارے میرے سامنے بھی مارے گا، مروا دیا صادقہ بیگم تم نے اپنے آپ کو۔ اب بھگتنا تم بھی اس باؤلے شخص کی باؤلی باتوں کو۔'' واقعی اماں ٹھیک کہتی تھیں اس کی للو کچھ زیادہ ہی چلتی تھی۔ اس وقت بھی اس کی یہ گز بھر کی زبان ہی تو اس کو از خود شرمسار کر گئی تھی۔ وہ اس قابل تو نہ تھا کہ اسکا شکریہ بھی ادا کیا جاتا یہ اس کی حتمی رائے تھی۔

''صادقہ...... یہ تم یقین رکھنا...... اس روشنی کی طرح...... میری ہمراہی میں تم...... کبھی ٹھوکر نہیں کھاؤ گی......'' ڈائیلاگ بولنے کا موقع قدرت نے عطا کر ہی دیا۔

''تھرڈ کلاس لٹریچر پڑھ کر ہی کچھ بولو گے......'' اس نے اپنے دل میں سوچا اور اپنے لب کاٹ کر رہ گئی۔

''کیا سوچنے لگیں......'' وہ اسے خاموش پا کر بولے۔

''کچھ بھی نہیں......'' وہ گھبرا سی گئی...... شاکر میاں کی ہمت پر حیرت تھی...... ورنہ اس کا تو خیال تھا کہ انہیں بات تک کرنی نہیں آتی تھی...... یکبارگی اس کا دل چاہا...... کہ اپنے دل میں اٹھتے ہوئے جوار بھاٹے سے وہ شاکر کو بھی مطلع کر دے جو سر پٹخ پٹخ کر کہہ رہا تھا۔ شاکر میاں کے غربت زدہ ماحول میں تمہارے اس قدر ٹھوکریں لگیں گی کہ تمہارا وجود لہولہان ہو جائے گا۔ پیٹ بھر کر کھاؤ گی تو تن کو ترسو گی اور اگر لباس بناؤ گی تو شاید پیٹ بھر کے کھانا نصیب نہ ہو۔ اپنے گھر کی زندگی تمام بے کیف رنگوں پر مشتمل تھی اور دوبارہ اسی دائرے میں سفر کرنا اسے پسند نہیں تھا۔ کیسی چخ، چخ کرتی زندگی گزاری تھی اور گزر رہی تھی مگر وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اس قسم کی زندگی کی داغ بیل اس کی آئندہ زندگی کے لے ڈالی جائے اور شاکر سے شادی کر کے یہی کچھ تو ہونا تھا۔ گو کہ اس نے ایک چھوٹے سے گھر میں ہوش سنبھالا تھا مگر اس گھر میں اس

کا ہمیشہ دم گھٹتا تھا......اس کا دل ہمیشہ آسائشات کے لیے بلکتا رہا تھا۔

اے سی کا ٹھنڈا ماحول کس قدر خوابناک ہوتا ہوگا......اگر کسی کو نیند بھی نہ آتی ہو......تو ریشمی ملائم بستر پر نرم سی دلائی اوڑھ کر اس ٹھنڈک میں کتنی طمانیت سے سوئے گا۔ وہ جب بھی کوئی افسانہ پڑھتی تو گھنٹوں اسی ماحول میں کھوسی جاتی۔ پھولوں سے گھرا ہوا گھر، مخملی گھاس پر بھاگتے ہوئے معصوم سے بچے اور بہت زیادہ چاہنے والا شوہر جس کی تمام وفاداریاں اپنی بیوی کے لیے ہوں۔ جو تنخواہ لا کر اپنی بیوی کی گود میں پھینک دے، بھول کر بھی حساب نہ لے، بیوی کی خامیوں تک سے پیار کرتا ہو۔ اس کی خوبیوں کو سراہے، غلطیوں کو معاف کر دے۔ کیا واقعی ایسے لوگ ہوتے ہیں دھن دولت کیا اتنی آسودگیاں فراہم کر دیتی ہے۔ وہ گھنٹوں دم سادھے بیٹھی رہتی تھی۔

''اری، اتنی خاموشی کیوں ہے؟'' اماں کو اس کی خاموشی سے بھی ہول آتا تھا۔

''اماں آج بہت اچھا افسانہ پڑھا ہے۔''

''اے لو، اس افسانے نے دماغ خراب کر دیا ہوگا......کیا تجھے پتا نہیں ہے کہ ان افسانوں میں سب جھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔'' اور وہ اماں کی تاویلیں سن کر مسکرا کر رہ جاتی۔ اسے بچپن کی وہ تمام کہانیاں یاد تھیں کہ کس طرح شہزادے کسی خوبصورت ملکہ کو حاصل کرنے کے لیے نگر، نگر گھوما کرتے تھے اور خوبصورت سینڈل کو اٹھا کر ایک، ایک دروازہ کھٹکھٹاتے پھرتے اور حسین لڑکی چاہے سوتیلی ماں کی قید میں ہو یا جن بھوت کی، حالات اس آسانی سے اس کی مدد کرتے کہ مخالفین ہاتھ ملتے رہ جاتے اور خوبصورتی فتح یاب ہوتی۔

خاندان میں جب بھی کوئی پنپا اماں نے ہمیشہ یہی کہا۔ ''بارہ سال میں تو گھورے کے دن بھی پھر جاتے ہیں۔'' اور اب اس کے دن پھرنے کا وقت آ رہا تھا۔ فیض کا مستقل ان کے یہاں رہنا اس بات کا ثبوت تھا کہ ان کا دل اس چھوٹے سے گھر میں کہیں اٹک کر رہ گیا ہے۔ اس شام وہ اپنے گھنیرے بال کھولے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ ''شاید ان گھٹاؤں میں وہ گھر گئے ہوں۔''

اس نے اپنے دراز بال جھٹک کر پیچھے کیے۔ ''شاید وہ میری ان گہری سیاہ آنکھوں میں ڈوب گئے ہوں۔'' اس نے آئینے میں اپنی روشن آنکھوں کا معائنہ کیا۔ ''شاید......خمدار پلکوں میں ان کا دل اٹک گیا ہو......'' اس نے ایک گہری سانس لے کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

''یا پھر......میرا خوبصورت سراپا......ان کو بھا گیا ہو......'' اس نے اپنا سانچے میں ڈھلا جسم بغور دیکھا......ورنہ ان کے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو دیکھنے اور سراہنے کے قابل ہو...... ان کی ہنستی ہوئی آنکھیں ان کی دلی مسرت کا آئینہ تھیں۔

''لگتا ہے منور شاہ نے اپنے بیٹے کو بر ڈھونڈنے کے لیے بھیجا ہے۔ ورنہ تو ان کی صرف تین چار روز کی میٹنگ تھی مگر آج اچھے خاصے پچیس روز ہو گئے ہیں مگر صاحبزادے کے جانے کا کوئی پروگرام نظر نہیں آ رہا تھا۔'' ایک شب ابا جان بھی اماں سے سرگوشی میں کہہ رہے تھے۔

''ہاں، شبہ تو مجھے بھی ہو رہا ہے......ورنہ سونے کی چیزیں کون دیتا ہے تحفے میں۔''

اور صادقہ جو پانی پینے کے لیے اٹھی تھی چپ چاپ باورچی خانے کی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی کہ کہیں صراحی کے کھٹکے سے اماں یہ موضوع ہی نہ بدل دیں۔

''سلمیٰ کے ساتھ فیض کا جوڑ کیسا رہے گا؟'' اماں نے شاید ابا کے سامنے تجویز پیش کی تھی۔ ''آخر ہماری بڑی لڑکی ہے......پڑھ بھی نہیں رہی......کب سے گھر میں بیٹھی ہے۔''

اور وہ پسینے میں نہا گئی۔

''نہیں......سلمیٰ کے ساتھ اس کا جوڑ مناسب نہیں ہے......لڑکا نہ صرف خوبصورت ہے بلکہ تعلیم یافتہ بھی ہے۔ اس کے لیے صادقہ ہی مناسب رہے گی۔'' ابا کی آواز اس کی برسوں کی پیاس بجھا گئی۔ وہ پانی پیے بغیر سرشاری اپنے بستر پر آ گئی......اس کا رواں رواں خوشی سے جھوم رہا تھا۔

اگلے دن فیض صاحب سب کے لیے کوئی نہ کوئی گفٹ لائے تھے بقول ان کے وہ اپنی جس کاروباری میٹنگ میں آئے تھے......اس سے انہیں خاصا فائدہ پہنچا تھا۔

صادقہ کے لیے بوتیک کا بہت خوبصورت سوٹ تھا......جس پر میچنگ ریشم کے پھول بنے ہوئے تھے۔ دوپٹے پر ڈبل شیڈ کا کام تھا۔

''واقعی بہت پیارا سوٹ ہے، اس کو تو میں صادقہ کے جہیز کے لیے رکھ دوں گی۔'' اماں نے سوٹ ہاتھ میں لے کر غیر ارادی طور پر کہا۔

''ارے چچی جان یہ تو میں یونہی پہننے کے لیے اٹھا لایا، جہیز کے لیے اللہ اور دے گا......یہ تو آپ صادقہ کو پہننے کے لیے دے دیجیے......'' لہجہ ملتجی سا تھا صادقہ آپ ہی آپ سرخ پڑ گئی۔ اور جب وہ سوٹ پہن کر آئی تو اس کا انداز نو بیاہتا دلہنوں کا سا تھا......وہ فیض کو

محبوب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا انگ انگ خوشی سے کھلا پڑ رہا تھا۔

''اللہ میری بچی کی خوشیوں کو سلامت رکھے۔'' اماں کے لبوں سے بے اختیار دعا نکلی۔ صادقہ کتنی پیاری لگ رہی تھی، قیمتی سوٹ اس پر کیسا کھل کر آیا تھا۔ بقیہ تینوں بہنوں کے لیے چاندی کے سیٹ آئے تھے اور وہ بھی بے حد خوش تھیں۔ سب نے کانوں میں بندے چڑھا لیے تھے، گلے میں ہار پہنے شاداں اور فرحاں سی پھر رہی تھیں۔

''ارے سب رکھ دو، کسی شادی وادی میں پہن کر جانا......'' اماں نے سب کو گھر کا۔

''ارے چچی جان پہننے دیجیے ناں...... دیکھیے تو یہ کتنی خوش ہیں۔''

''ہاں بیٹا، خوش کیوں نہ ہوں گی...... ترس ترس کر جو چیزیں ملتی ہیں۔'' اماں سادگی میں کہہ گئیں اور صادقہ کا سارا موڈ آف ہوگیا۔

''نہ جانے اماں کو ہر دم فقیری دکھانے کا کیوں اتنا شوق ہے۔'' وہ کلس ہی تو گئی تھی۔ فیض کے سامنے اپنے وجود کو اتنا گرانا اسے قطعی پسند نہیں تھا۔

''اری کہاں چلی؟'' اسے تیزی سے اندر جاتا دیکھ کر اماں نے آواز دی۔

''میں کپڑے بدل لوں۔'' وہ پیٹھ موڑے موڑے بولی، انداز روٹھا، روٹھا سا تھا۔

''کیوں' کیا کہیں بھاگے جا رہے ہیں؟''

''ہلکا رنگ ہے، خراب ہو جائے گا۔''

''ہونے دے خراب، اتنی اچھی لگ رہی ہے، ذرا سی دیر میرے سامنے تو بیٹھ۔'' انہوں نے دلار سے کہا۔

''چچی جان اگر آپ اجازت دیں تو میں ان چاروں کو باہر سے آئس کریم کھلا لاؤں۔'' فیض نے شائستگی سے پوچھا۔

''کوئی اور وقت ہوتا تو اماں صاف انکار کر دیتیں انہیں لڑکیوں کا یوں بے مہار گھومنا قطعی پسند نہیں تھا مگر آج ان کی آنکھوں میں ایسے ستارے چکا چوند ہو رہے تھے کہ انہوں نے بھی جھٹ ہامی بھر لی۔ باہر جانے کا سن کر سطوت خوشی سے چیخ ہی تو پڑی۔

''فیض بھائی زندہ باد۔'' سلمٰی نے بھی کالا جارجٹ کا نیا سلا ہوا سوٹ جھٹ پہن لیا۔ شاہانہ نے اونچی ایڑی کی سینڈل پہن لی اسے سوائے قد کے کسی چیز کا کوئی کمپلیکس نہیں تھا۔

تب صادقہ نے پہلی مرتبہ اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی تہ جمائی، آنکھوں میں کاجل کی تحریر لگائی۔ رخساروں پر لپ اسٹک کو ہلکا کر کے لگایا اور جب وہ سر پر دوپٹا اوڑھ کر شرمائی سی فیض کے ساتھ نکلی تو اسے یوں لگا جیسے وہ ان کے ساتھ ہنی مون منانے جا رہی ہو۔ فیض کی پُرشوق نظریں اس کو مزید شرمانے پر مجبور کر رہی تھیں۔

''جو، جو چیزیں کھانی ہیں...... کھا لو...... پھر شاید چچی اجازت نہ دیں۔'' وہ وسیع القلبی سے بولا۔

دو سے تین گھنٹے تک...... وہ ٹیکسی میں گھومتے رہے...... آئس کریم، حلیم، بروسٹ...... فالودہ...... میٹھے پان تک کھائے گئے اور جب وہ گھر کی طرف جا رہے تھے...... تو فیض نے پھولوں کی ایک شاپ سے اس کے لیے دو خوبصورت کنگن بنوائے اور اخباری لفافے میں ڈال کر چپکے سے اس کے گود میں ڈال دیے۔ راستے میں بھی وہ چاکلیٹس کھاتی ہوئی آ رہی تھیں...... کسی کو پتا تک نہیں چلا...... کہ پھولوں کے کنگن فیض نے صرف صادقہ کے لیے ہی لیے ہیں اور جب وہ اپنے کمرے میں پہنچی...... تو کنگنوں کی مسحور کن خوشبو اس کی روح تک کو معطر کر چکی تھی۔

آج قدرے گرمی تھی...... سب بہنیں باہر آنگن میں سو رہی تھیں اور وہ کمرے میں تنہا لیٹی ان کنگنوں کو تکے چلی جا رہی تھی جیسے اس میں لگا ہوا ہر پھول...... اس سے مہکتی ہوئی کوئی بات ہی کہہ رہا ہو۔ ''صبح تک یہ مرجھا نہ جائیں...... گیلے کاغذ میں یہ کنگن رکھ دیتی ہوں...... تاکہ یہ تازہ سے رہیں۔'' اس نے سوچا۔ پاس پڑا اخباری لفافہ اٹھایا تو اس کی خبریں پڑھنے لگی...... بگ باس کی معروف میزبان جیڈی شدید بیمار ہوگئی ہے، کترینہ نے سلمان کے ساتھ ڈانس کرنے کو منع کر دیا...... شوبز کی یہ خبریں پڑھ کر ہمیشہ مزہ آیا کرتا تھا۔ باقی خبریں لفافے کے اندر تھیں...... اس نے احتیاط سے لفافہ کھولا...... شوبز سے متعلقہ خبر تو اسے نہیں ملی...... مگر اس میں شائع خبر اور اس کی تصویر دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے اس لفافے میں پھول نہیں کانٹے رکھے ہوئے ہیں۔ فیض کی کلین شیو، بغیر چشمے کی تصویر نمایاں شائع ہوئی تھی اور نیچے لکھا تھا۔

معروف ڈاکو جس کا نام فیض علی ہے ایک بار پھر ڈکیتی کر کے فرار ہوگیا ہے۔ کراچی میں اس کے گروہ کے دو ساتھی پکڑے گئے ہیں...... یہ ڈاکو ہمیشہ جیولری کی شاپس لوٹا کرتا ہے...... اس بار بھی ایک کروڑ کی مالیت سے زیادہ کے زیورات اور نقد رقم لے کر فرار ہوگیا ہے۔ پولیس اس

کی تلاش میں کراچی میں مسلسل چھاپے مار رہی ہے مگر یہ چھلاوا کسی کو نظر ہی نہیں آ رہا ہے۔

''ہوں چھپنے کے لیے...... ہمارے گھر کا انتخاب کیا تھا تم نے......'' وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔ ''فرنچ کٹ داڑھی، چشمہ...... یہ سب تم نے اپنے آپ کو چھپانے کے لیے ہی کیا تھا۔ یہاں سے ڈائریکٹ باہر جانے کا پروگرام...... ایرجنسی پاسپورٹ ہمارے گھر کے ایڈریس پر بنوانا......'' اب اس کی سمجھ میں بات صاف آ رہی تھی۔

''اف...... میری یہ اوقات تھی...... کہ ایک چور اور ڈاکو کو پسند کر رہی تھی۔ اس کے خواب دیکھ رہی تھی...... جس کو پل، پل لوگ کوستے ہوں، بددعائیں دیتے ہوں۔ وہ چوری کا مال...... یہاں بانٹ رہا تھا...... اور ہم سب اسے دیالو سمجھ رہے تھے۔''

''خدایا ایسی آسائشات کی تمنا تو میں نے کبھی نہیں کی تھی...... جو حرام کی ہوں۔''

یکبارگی اس کے مساموں سے پسینہ بارش کی طرح بہنے لگا۔

''ہم ایک چور کو پناہ دیے ہوئے تھے...... جس نے لوٹ مار کرتے ہوئے نہ جانے کتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ بھی اتارا ہو۔'' اس نے اس کی تصویر ٹرے پر رکھی...... اور اس ٹرے میں وہ تمام تحائف جو فیض نے اسے دیے تھے...... وہ علیحدہ بیگ میں اس کے ساتھ رکھے اور چپ چاپ اس کی ٹیبل پر رکھ آئی۔ کچھ کہنے اور کچھ پوچھنے کے تمام جواز از خود ختم ہو چکے تھے۔ اسے تو اپنی چاہت پر گھن سی آ رہی تھی۔ صبح جب اٹھی...... تو اماں...... حیرت سے کہہ رہی تھیں۔

''یہ فیض رات کو نہ جانے کب چلا گیا...... نہ کسی سے ملا نہ کچھ کہا...... چپ چاپ اپنا سامان لے کر چلا گیا...... کوئی ایسا کرتا ہے بھلا!''

''اماں بعض مہمان چوروں کی طرح بھی تو چلے جاتے ہیں۔''

''ایسا تو نہ کہہ...... وہ کیوں ہوتا چور......'' اماں نے کہا اور تب وہ بے اختیار چیخ چیخ کر رونے لگی۔

''ہاں اماں...... وہ چور تھا...... بہت بڑا چور!'' اس کے لبوں پر ایک ہی جملہ تھا۔

''فیض کے جانے کا صادقہ نے کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا......'' اماں اسے یوں بلکتے دیکھ کر سوچ رہی تھیں۔

''اری چپ ہو جا...... بڑے لوگ بڑے گھروں میں ہی رہتے ہیں۔ چلے وہ کہیں

بھی جائیں...... مگر ان کا دل اپنے گھر میں ہی لگا کرتا ہے۔'' اماں اپنے تئیں اسے دلاسا دینے کی سعی کر رہی تھیں اور تب وہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں...... آپ...... فیض جیسے لوگوں کے لیے سرکار نے بھی ''بڑا گھر'' بنا رکھا ہے اور انہیں وہیں رہنا چاہیے۔'' اماں...... اس کی باتوں پر توجہ دیے بغیر...... پالک مٹھی میں پکڑ کر باریک کاٹ رہی تھیں اور سطوت ٹرانسسٹر اپنے کان سے لگائے...... ساتھ ساتھ گنگنا رہی تھی۔

کیا یہی پیار ہے......!

اختتام